اک ساگر ہے زندگی

نفیسہ رشید



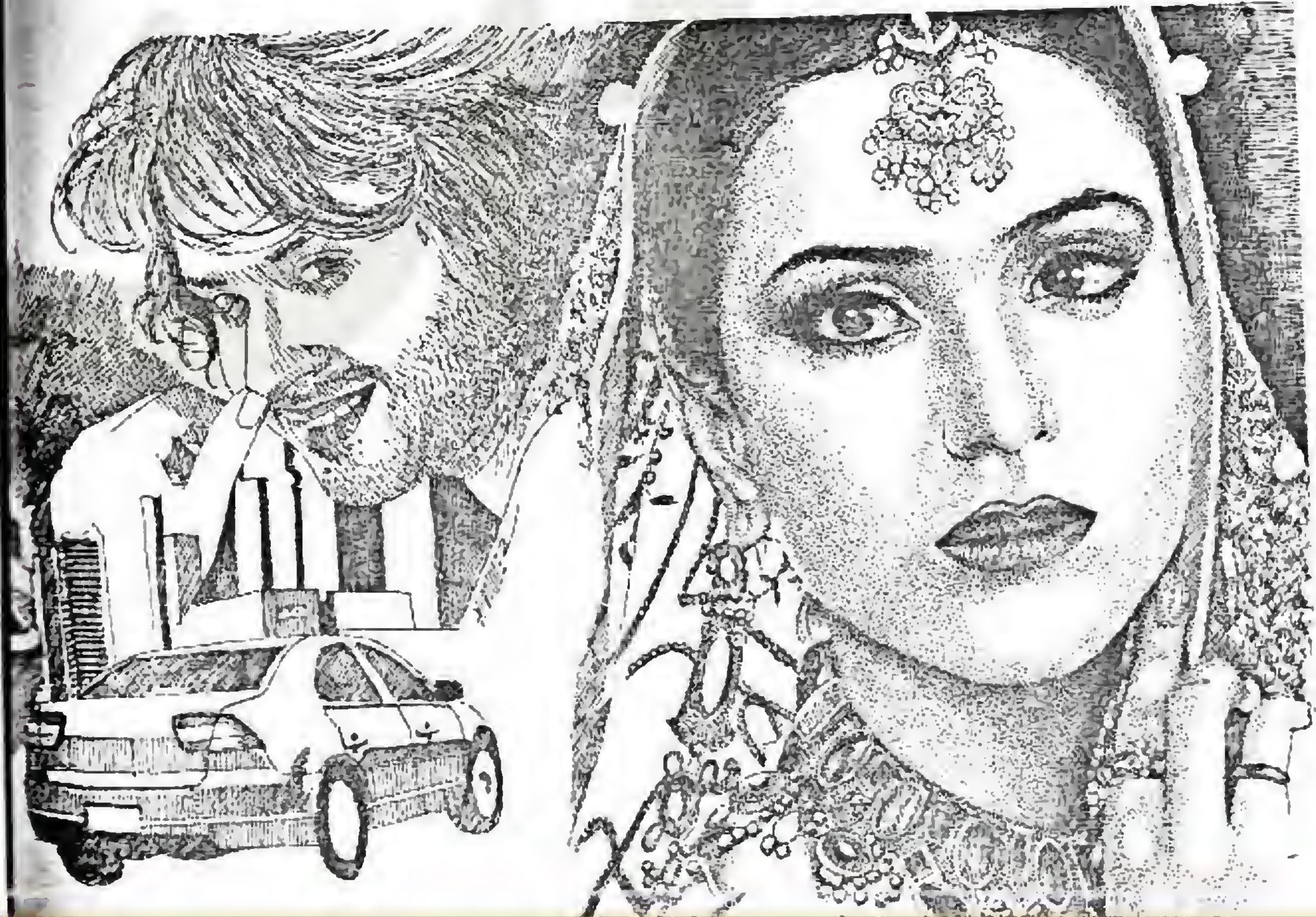
نفیسہ سعید

ایسا کب ہے زندگی

چلتے چلتے بالآخر گاڑی رک ہی گئی سفر کتنا طویل تھا اسے موبائل کی مصروفیت میں اندازہ بھی نہ ہوا اب جو گاڑی جھٹکا لے کر رکی تو اس نے بھی اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اگلی سیٹ سے پاپا اور ڈرائیور فضل چاچا ایک ساتھ ہی باہر نکل گئے تھے۔

اس نے کھڑکی کے شیشے کے پار جھانکا دور دور تک پھیلی ہوئی چھوٹی بڑی دکانیں جن کے سامنے جانے کس کس اشیائے صرف کے ٹھیلے کھڑے تھے' جہاں بھانت بھانت کے لوگ موجود تھے ہر طرف رش ہی رش تھا لوگوں کا جم غفیر چاروں طرف پھیلا ہوا تھا جانے یہ کون سا علاقہ تھا جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا اپنے ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک کبھی ایسی جگہ نہیں گیا جہاں اتنے لوگ ایک ساتھ موجود ہوں۔ یہ پاپا جانے کہاں لے کر آگئے تھے جبکہ اس کے دونوں بہن بھائی ماما کے ساتھ دو دن پہلے ہی ابروڈ گئے تھے اسے پاپا نے روک لیا تھا وہ اسے کسی سے ملوانا چاہتے تھے کس سے؟ یہ ابھی تک وہ جان نہ پایا تھا۔

پاپا باہر کھڑے فضل چاچا سے کچھ باتیں کر رہے تھے اسے الجھن سی محسوس ہونے لگی یہ دونوں اسے اندر چھوڑ کر ہی کہیں نہ چلے جائیں اس خیال کے آتے ہی اس نے تیزی سے اپنی جانب کا دروازہ کھولا جس کی آواز سنتے ہی ملک صاحب نے پلٹ کر دیکھا مگر کہا کچھ نہیں وہ خاموشی سے اتر کر ان کے قریب جا کھڑا ہوا فضل چاچا نے گاڑی



سے کچھ نکالا اور گاڑی لاک کردی۔

"اندر گلیوں میں گاڑی جانے کی گنجائش نہیں ہے اس لیے ہمیں پیدل ہی آگے کا سفر کرنا ہوگا۔" پاپا نے ایک نظر اس پر ڈالتے ہوئے وضاحت کی ابھی مزید اندر کی تنگ و تاریک گلیوں میں بھی داخل ہونا تھا اس سوچ نے بھی اسے تھوڑا سا پریشان کردیا مگر وہ زبان سے کچھ نہ بولا اور اپنے پاپا کے ساتھ ساتھ چلتے سامنے نظر آنے والی تنگ و تاریک گلی میں داخل ہوگیا۔ فضل چاچا ان سے کچھ آگے چل رہے تھے ان کے ہاتھ میں غالباً" ایڈریس کی پرچی تھی یہ ہی سبب تھا جو وہ جگہ جگہ رک کر لوگوں سے کچھ پوچھ بھی رہے تھے۔

"ہم کہاں جارہے ہیں؟" اس سوال سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ وہ تو اپنے اردگرد موجود چھوٹے چھوٹے اور تنگ و تاریک مکان دیکھ کر حیران ہورہا تھا اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ یہاں بھی لوگ زندہ رہ سکتے ہیں اس کے تصور میں تو ان مکانات میں سانس لینا بھی مشکل تھا پھر بھی حیرت تھی کہ ہر طرف زندگی رواں دواں تھی شور شرابا بچوں کے کھیلنے کی آوازیں کہیں کہیں زور و شور سے بجتا ہوا تیز میوزک یہ سب اس کے ماحول سے یکسر مختلف تھا اسے سوچنے پر بھی یاد نہ آیا کہ ان کا کوئی ملنے والا کسی ایسی جگہ سے تعلق رکھتا ہو وہ سب تو بہت ہی ہائی فائی سوسائٹی سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے پھر ایسے میں پاپا کا ان گلیوں میں آنا' وہ کچھ سمجھ نہ پایا۔

چلتے چلتے فضل چاچا ایک تنگ گلی میں داخل ہوگئے جو آگے سے بند تھی گلی کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے چار پانچ مکان بنے ہوئے تھے وہ دو گھر چھوڑ کر تیسرے کے ساتھ جا کھڑے ہوئے اپنا چشمہ درست کرکے باہر لگی تختی پر نام پڑھا اور اگلے ہی پل سبز رنگ والے دروازے کی کنڈی زور و شور سے بجادی جس کے جواب میں فوراً" ہی کسی نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا فضل چاچا نے جانے پہلی سیڑھی پر قدم رکھ کر اندر موجود نفوس سے کیا کہا جو اگلے ہی پل دروازہ پورا کھول دیا گیا۔

"آجائیں صاحب جی ہم صحیح جگہ آگئے ہیں۔"

فضل دین نے پلٹ کر اپنے مالک کو پکارا جو حیران پریشان کھڑے اس گھر کو دیکھ رہے تھے جس میں رہنے والی ہستی سے وہ ملنے آئے تھے انہیں کبھی امید نہ تھی آج اتنے سالوں بعد وہ انہیں اس گھر میں ملے گی اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے پردہ ہٹا کر وہ اس گھر کے اندر داخل ہوگئے ان کی تقلید میں چودہ سالہ ایشال کو بھی اس گھر کی دہلیز پار کرنی پڑی ورنہ عام حالات میں وہ کبھی اتنی گندی جگہ جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

چھوٹا سا صحن پار کرتے ہی وہ ایک نیم تاریک کمرے میں داخل ہوگئے انہیں اندر لانے والی خاتون نے جلدی سے آگے بڑھ کر کمرے کا بلب آن کیا ملگجا سا اجالا چاروں طرف پھیل گیا سامنے چارپائی پر کوئی وجود بالکل ساکت و صامت پڑا تھا لائٹ کھولنے والی خاتون اس کے سرہانے کھڑی ہوگئیں۔

"آنٹی آپ کے مہمان آئے ہیں اسلام آباد سے' جنہیں آپ نے خط لکھ کر بلوایا تھا۔" اس نے بستر پر لیٹے وجود کا کندھا دھیرے سے ہلایا۔

"فضل دین تم جاؤ اور وہ سب کام مکمل کرکے آؤ جو میں نے تم سے کہے تھے۔"

ملک صاحب نے اپنے پرس سے نکال کر جانے کتنی رقم اس کے حوالے کی جو اس نے خاموشی سے اپنی قمیص کی جیب میں رکھی اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا ایشال کا دل چاہا وہ بھی چاچا کے ساتھ چلا جائے مگر گیا نہیں اور وہیں کھڑا رہا جب کہ اس کے پاپا دھیرے دھیرے چلتے اس وجود کے پاس جا کھڑے ہوئے جس میں زندگی کی کوئی رمق اتنی دور سے اسے محسوس نہیں ہورہی تھی' وہ حیران تھا کہ یہ پاپا کی کون سی ایسی عزیزہ ہیں جنہوں نے انہیں خط لکھ کر بلوایا' اور جن سے ملنے کے لیے پاپا نے ابروڈ میں جلد ہی منعقد ہونے والی ماما کی جیولری کی نمائش بھی اٹینڈ کرنے سے معذرت کرلی اور یہ بھی نہیں بلکہ جانے کیوں وہ اسے بھی اپنے ساتھ لے آئے۔

جو بھی تھا ایشال چاہتا تھا کہ اس کے پاپا جلد از جلد ان سے مل کر واپس چلیں مگر پاپا تو مزے سے ان خاتون کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئے وہ ابھی تک اپنی جگہ پر ویسے ہی کھڑا تھا۔ اس کے موبائل پر جانے کس کس کا میسج آیا ہوا تھا جس کا اس نے کوئی جواب نہ دیا اسے اس ماحول سے الجھن سی محسوس ہورہی تھی ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے اس کے آس پاس زندگی ختم ہوگئی ہو۔

"ایشال ادھر آؤ بیٹا اپنی آنٹی سے ملو" جانے کیسے پاپا کو اس کا خیال آگیا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دھیرے دھیرے چلتا ان کی پشت پر جا کھڑا ہوا۔

"ایشال تو تمہیں یاد ہوگا نا' میرا سب سے بڑا بیٹا۔"

فخر پاپا کے لہجہ میں خود بخود در آیا۔

کھینچ کھینچ کر سانس لیتے وجود نے بمشکل اثبات میں اپنا سر ہلایا اور اشارے سے اسے اپنے قریب بلایا اتنے حبس زدہ ماحول میں بھی بستر پر لیٹی ان خاتون کے پاس سے آتی دھیمی دھیمی خوشبو نے ایشال کے اعصاب پر خوشگوار اثر ڈالا۔

"السلام علیکم آنٹی۔" پاپا نے بازو سے پکڑ کر اسے ان خاتون کے سامنے کردیا' نہایت ہی کمزور' پیلی زرد رنگت' آنکھوں کے نیچے گہرے گہرے حلقے' اپنی جانب تکتی ان سفید سفید آنکھوں کو دیکھ کر وہ تھوڑا سا خوف زدہ ہوگیا' ایسا ماحول اور اس طرح کی خاتون اس نے آج تک ڈراؤنی فلموں میں ہی دیکھی تھیں اپنی حقیقی زندگی میں اس کا واسطہ تو ہمیشہ خوب تیار شدہ' میک اپ سے آراستہ حسین و جمیل خواتین سے ہی پڑا تھا جن کے حسن میں قدرت سے زیادہ مصنوعی ہتھیار استعمال کیے جاتے تھے اور اسے ہمیشہ سے یہ سب کچھ ہی اچھا لگتا تھا رنگ روشنی' خوشبو ایسا ماحول برداشت کرنا یقیناً" اس کے اعصاب کے لیے ایک کڑا امتحان تھا۔

ایشال کے سلام کے جواب میں ان خاتون نے یک دم ہی اس کا ہاتھ تھام لیا ان کے لرزتے ہاتھوں میں بھی ایشال کو اپنے لیے ایک گرم جوشی سی محسوس ہوئی اس کے ساتھ ہی اسے محسوس ہوا جیسے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں' پاپا نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ چھڑوایا' اور اپنے قریب رکھی کرسی پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا ایشال کرسی تھوڑا سا پیچھے کھینچ کر بیٹھ گیا اور ساتھ ہی ایک بار پھر اپنے موبائل میں مصروف ہوگیا اتنی دیر میں اس کا وہ گیم خراب ہوگیا جو اس نے اس گھر میں داخل ہونے سے قبل شروع کیا تھا گیم آف کرکے اس نے ان باکس

کھولا اور سارے میسج پڑھ کر ان کا جواب دینے لگا اس مصروفیت میں جانے کتنا وقت گزر گیا' ہوش اس وقت آیا جب چاچا فضل کمرے کا دروازے پر پڑا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوئے ان کی آمد کا احساس ہوتے ہی ایشال نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا چاچا فضل کے ساتھ چار اجنبی اشخاص بھی تھے۔ جن میں سے ایک شخص عمر رسیدہ اور باریش بھی تھا جس کے لیے پاپا نے فوراً" ہی اپنی کرسی چھوڑ دی ان کی تقلید میں وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا چاچا فضل اپنے ساتھ کچھ سامان بھی لائے تھے جو انہوں نے قریب دھرے لکڑی کے ٹیبل پر ہی رکھ دیا۔

سامان سے آتی خوشبو نے ایشال کو بھوک کا احساس دلایا وہ صبح سے بھوکا تھا اور یقیناً" یہ سامان کھانے پینے کی اشیائے خورد و نوش تھیں ایشال کا سارا دھیان کمرے میں موجود واحد ٹیبل کی جانب منتقل ہو گیا' کمرے میں کیا ہو رہا تھا اسے اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی' چاچا فضل نے ایک بار پھر اسے بازو سے پکڑ کر پاپا کے قریب کر دیا۔

"بیٹا یہاں سائن کرو۔" ان کے قریب کھڑے کالے کوٹ والے شخص نے فائل میں رکھا ایک کاغذ اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ تھوڑا سا حیران ہوا۔

"نکاح نامہ' کچھ ناگزیر حالات کے سبب مجھے تمہارا نکاح کرنا پڑا اور چونکہ تم نا سمجھ ہو اس لیے تمہارے ولی کی حیثیت سے سب کچھ باقاعدہ میری اجازت سے ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" پاپا نے مکمل تفصیل کے ساتھ وضاحت کی۔

نکاح کے بعد انہوں نے جو کچھ کہا اس کی سمجھ میں نہ آیا مگر وہ حیران ضرور ہوا' اسے علم تھا کہ نکاح کے لیے ایک عدد لڑکی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جو اسے اس کمرے میں دور دور تک دکھائی نہ دے رہی تھی' پچھلے دنوں اس کے ماموں کے بیٹے فاران بھائی کا نکاح بھی ایک مقامی ہوٹل میں ہوا تھا خوب دھوم دھام اور ہلے گلے کے ساتھ' ان کے پہلو میں روحا بھابھی بھی خوب تیار ہو کر بیٹھی تھیں ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں یہ نکاح اس نکاح سے بالکل مختلف تھا۔

وہ چودہ سالہ لڑکا' نکاح کی اہمیت سے قطعی ناواقف تھا وہ نکاح کو صرف ایک رنگا رنگ تقریب کے حوالے سے جانتا تھا اور کچھ نہیں' یہ ہی سبب تھا جو بنا مزید کوئی سوال کیے اس نے خاموشی سے پیپرز پر سائن کر دیے۔

"ملک صاحب۔ بہت بہت مبارک ہو۔" سب پاپا سے مل رہے تھے انہیں اندر لانے والی خاتون ہاتھ میں ایک عدد ٹرے لیے کمرے میں آن موجود ہوئیں' ٹرے میں زکمی خالی پلیٹوں میں چاچا فضل نے مٹھائی اور کچھ اور کھانے پینے کی اشیا رکھ دیں سب کچھ نظر انداز کر کے وہ پھر سے اپنے موبائل میں مصروف ہو گیا اس ماحول سے اس کا دھیان ہٹانے میں آج اس کے سیل نے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا ورنہ جانے اتنی دیر میں اس کا کیا حشر ہوتا' تمام لوگ ایک بار پھر پاپا کو مبارک باد دینے کے ساتھ ساتھ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جا چکے تھے' اب پاپا بھی چلنے کو تیار تھے اس عرصہ میں کسی نے اسے کچھ کھانے کا نہ پوچھا تھا اور نہ ہی اس نے مانگا' پاپا ان خاتون سے دھیرے دھیرے بات کر رہے تھے جب وہ چاچا فضل کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔

چھوٹا سا صحن ابھی پار نہ کیا تھا کہ پاپا بھی باہر آ گئے اور صحن کے دوسرے سرے پر بنے ایک چھوٹے سے دروازے کے سامنے جا کھڑے ہوئے' یہ چھوٹا کمرہ غالباً" کچن تھا ایشال نے دیکھا سبز دوپٹے میں ملبوس کوئی لڑکی وہاں' دروازے میں کھڑی تھی جو اندھیرے کے باعث اسے بالکل دکھائی نہیں دی اور نہ ہی اسے' اس لڑکی کو دیکھنے میں کوئی دلچسپی تھی۔ پاپا نے اس لڑکی کو اپنے سینے سے لگا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور جانے کیا بات کی اس لڑکی کا یہ ہلکا سا تصور ایشال کے ذہن میں نقش ہو گیا اور وہ افضل چاچا کے ساتھ اس گھر کی دہلیز پار کرتا ہوا نکل گیا وہ جلد از جلد ان گلیوں کو چھوڑ کر جانا چاہتا تھا گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے سکھ کا سانس لیا۔

"پاپا مجھے برا ہٹ جانا ہے۔" ملک صاحب کے گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے فرمائش کی۔

"اوکے بیٹا" وہ کبھی اس کی کوئی فرمائش نہ ٹالتے تھے۔

"ایک بات اور بیٹا آج کی اس تقریب کے بارے میں تم فی الحال اپنی مما یا کسی اور کو میسج پر کچھ نہیں بتاؤ گے جو کچھ بتانا ہے میں خود بتاؤں۔"

"کون سی تقریب؟" وہ بالکل نہ سمجھ پایا۔

"تمہارے نکاح کی۔" پاپا نے پلٹ کر دیکھا۔

"پاپا مجھے بھوک لگی ہے پلیز پہلے کچھ کھلا دیں باقی بات بعد میں کریں گے۔" کیونکہ سمجھتے ہوئے بھی اسے پاپا کا "تمہارا نکاح" کہنا کچھ اچھا نہ لگا۔

☼ ☼ ☼

"سر یہ فائل یہاں رکھ دوں اس پر آپ نے سائن کرنا ہے۔"

شاہ زین نے لی سی سے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا' اورنج اور وائٹ پرنٹڈ کرتے کے ساتھ وائٹ دوپٹا گلے میں ڈالے وہ ہمیشہ کی طرح فریش تھی "آج تو بڑی اچھی لگ رہی ہو۔" وہ بے اختیار تعریف کر بیٹھا۔

"تھینک یو سر" وہ پچھلے ایک سال سے اس کے آفس میں تھی مگر آج تک اتنی ہی ریزرو تھی کہ کبھی کبھی تو شاہ زین کو حیرت بھی ہوتی کیونکہ وہ خود فطرتاً" خاصا ہنس مکھ تھا اور جلد ہی لوگوں سے گھل مل جاتا تھا اور اس کی اتنی کوششوں کے بعد یہ ضرور ہوا کہ حبیبہ اب بنا کسی تکلف اس سے بات ضرور کر لیتی مگر پھر بھی وہ بے تکلفی نہ تھی جو عام طور پر آفس میں کام کرنے والی لڑکیوں میں آجاتی ہے اس کے آفس کا ماحول تو ویسے بھی خاصا فرینڈلی تھا۔

شاہ زین نے ہاتھ بڑھا کر فائل کھولی اور جہاں جہاں حبیبہ نے ہاتھ رکھا سائن کرتا چلا گیا حبیبہ شام کی کسی یونیورسٹی سے بی بی اے کرنے کے ساتھ ان کے ہاں ملازمت بھی کر رہی تھی اور خاصی پر اعتماد لڑکی تھی۔ جس کی خود اعتمادی شاہ زین کو شروع سے ہی پسند تھی۔

"تم آج شام کو فری ہو؟" وہ جیسے ہی فائل اٹھا کر پلٹی شاہ زین نے یک دم ہی پوچھ لیا اس کا یہ سوال یقیناً" غیر متوقع تھا۔

"کیوں سر خیریت؟" اپنے بالکل سیدھے کمر تک آتے بالوں کو وہ کان کے پیچھے کرتی ہوئی حیرت سے بولی اس کے یہ سلکی بال بھی اسے بہت پسند تھے اکثر اس کا دل چاہتا وہ قریب جا کر ان میں آتی خوشبو کو ایک لمبی سانس کے ذریعے اپنے اندر اتار لے۔

"دراصل میرے ایک دوست نے آج اپنی انگیجمنٹ کی ٹریٹ دینی ہے سوچا تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں یہاں گھر والوں سے دور تم ضرور بور ہوتی ہو گی۔"

اس کے پاپا نے جب حبیبہ کو اپائنٹ کیا تھا تو بتایا تھا کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے کراچی آئی ہے جبکہ اس کی فیملی حیدر آباد میں ہوتی ہے۔

"نہیں سر میں بالکل بھی بور نہیں ہوتی آپ شاید بھول گئے ہیں شام میں میری کلاسز ہوتی ہیں اور چھٹی والے دن میں ہوسٹل میں رہ کر اپنے تمام کام ختم کرتی ہوں میری مصروفیت مجھے بور نہیں ہونے دیتی۔" نرمی سے جواب دے کر وہ شیشہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

اس نے جلدی جلدی الماری کھول کر کپڑوں میں چھپے ہوئے پیسے نکال کر گنے بارہ سو پچاس روپے گننے کے بعد

اس نے منہ ہی منہ میں دہرایا۔

"اس میں تو لان کا ایک اچھا جوڑا نہیں آئے گا میں باقی شاپنگ کیا کروں گی۔" زینب مایوس سی ہو گئی یہ رقم جانے وہ کب سے جمع کر رہی تھی اس کا بہت دل چاہتا تھا کہ وہ بھی دوسری عورتوں کی طرح بازار جا کر خوب شاپنگ کرے گھومے پھرے 'مزے مزے کے کھانے کھائے مگر فرہاد اس کا شوہر جانے کس طرح کا مرد تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ عورت کی ضروریات میں صرف دو وقت کا کھانا اور سردی گرمی کے چار سوٹوں سے زیادہ کچھ نہیں' وہ گھر کا راشن خود لاتا' ایک ایک چیز خود خریدتا' یہاں تک کہ اگر زینب کو کچھ چاہیے ہوتا تو وہ بھی اسے فرہاد سے ہی منگوانا پڑتا جب کہ اس کا دیور اور جیٹھ دونوں ایسے نہ تھے وہ اپنی بیویوں کو الگ سے باقاعدگی کے ساتھ خرچہ دیتے جو فرہاد کے نزدیک سوائے بے وقوفی کے کچھ نہ تھا ایسے موقع پر وہ ہمیشہ اپنی ماں کے حوالے دیتا جس نے پائی پائی جوڑ کران کے لیے گھر بنایا وہ کہتا اس کی ماں دو سوٹ گرمیوں میں اور دو سردیوں میں بناتیں اس کے نزدیک اس کی ماں کی یہ بچت اور سلیقہ شعاری ان کے کام آئی اور وہ یہ ہی امید زینب سے بھی رکھتا یہ جانے بغیر کہ اس کی دلی خواہشات کیا ہیں؟

وہ یہ ضرور چاہتا کہ جب گھر آئے زینب خوب تیار ہو مگر اس کے لیے وہ کوئی اضافی رقم خرچ کرنے پر بالکل تیار نہ تھا' اور اس کی یہ عادت زینب کو سخت ناپسند تھی ابھی بھی یہاں وہاں سے جمع کی گئی رقم جن میں اس کی بیٹی کی عیدی بھی شامل تھی ناکافی ہونے کے سبب زینب کو مایوس کر گئی وہ خاموشی سے رقم واپس رکھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔

فرہاد کچن میں رکھی چھوٹی سی ٹیبل پر ناشتا کرنے میں مصروف تھا پہلے اس کا دل چاہا وہ اس سے کچھ رقم مانگ لے اسے بتائے کہ اس نے شاپنگ کے لیے جانا ہے مگر پھر اگلے ہی پل اپنی اس خواہش کا گلا خود گھونٹ دیا اس کا بالکل دل نہ چاہا اس وقت فرہاد کے متوقع سوالات کا جواب دینے کو' رقم تو اس نے دینی نہیں تھی الٹا ایک بار پھر اسے اپنی ساس کے قصیدے سننے پڑتے جو اس کے لیے ناقابل برداشت تھے۔

آگے بڑھ کر زینب نے خاموشی سے چائے کا چولہا بند کیا اور گرما گرم چائے دو کپوں میں نکال لی' ایک فرہاد کے سامنے رکھا اور دوسرا ہاتھ میں لیے باہر آ گئی۔ جہاں ٹی وی پر کوئی انتہائی واہیات مارننگ شو آرہا تھا جس میں موجود میزبان خاتون کی باتیں اور ڈریسنگ اتنی فضول تھی کہ اس نے جلد ہی اکتا کر ٹی وی کا چینل تبدیل کر دیا کسی اچھی سی لان کا اشتہار آرہا تھا۔ رنگ برنگے پرنٹ وہ دیکھنے میں مگن ہو گئی جب فرہاد کچن سے ہاتھ پونچھتا ہوا باہر نکلا زینب کے قریب رکھا ریموٹ اٹھا کر چینل تبدیل کر دیا۔

"اس لان کا ایک سوٹ ہی کافی مہنگا ہے۔ جس کا ابھی ٹی وی پر اشتہار آرہا تھا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے نکل گیا۔

"اچھا۔" فرہاد جواب دے کر نیوز سننے لگا۔

"نفضہ بھابھی اس لان کے چار سوٹ لے کر آئی ہیں۔" فرہاد کی بے توجہی کے باوجود اس نے اپنے دل کی بات اس تک پہنچانے کا فیصلہ کرتے ہوئے ایک بار پھر ہمت باندھی۔

"لائی ہوں گی میں کیا کروں' ویسے بھی اسفند بھائی کے پاس فالتو پیسہ ہے جو ان کے بیوی بچے اس طرح اجاڑتے پھرتے ہیں وہ کام جو وہ دو دو ہزار کے سوٹ خرید کر کرتی ہیں دو' چار سو والے سوٹوں میں بھی ہو سکتا ہے بس پہننے والے بندے کو سلیقہ ہونا چاہیے۔" اس کی یہ تھیوری کبھی بھی زینب کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

"اب دیکھو تمہیں جو ریڈ اور بلیک سوٹ میں نے لا کر دیا تھا صرف تین سو روپے کا تھا مگر جب تم نے پہنا تو کس قدر اچھا لگ رہا تھا۔"

اس کی وہ باتیں، جن سے ہمیشہ ہی زینب کو چڑ ہوا کرتی تھی شروع ہو گئیں اب اس سے مزید کچھ کہنا بے کار تھا للٰذا وہ خاموشی سے سنتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب کمرے میں ہونے والے ہلکے سے کھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی۔ منہ سے کمبل ہٹایا تو دیکھا روم میں پھیلے ملگجے سے اندھیرے میں اس کے پاپا تیار کھڑے تھے۔

"یہ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔" ایشال کے ذہن میں یہ خیال آتے ہی اس نے ایک نظر سامنے نظر آنے والی وال کلاک پر ڈالی جہاں ساڑھے تین بجے تھے وہ فوراً ــــــ کمبل ہٹا کر اٹھ بیٹھا۔

"پاپا۔" ملک صاحب نے ایشال کی آواز پر پلٹ کر دیکھا۔

"یس بیٹا۔" آہستہ سے کہتے ہوئے وہ اس کے قریب آن کھڑے ہوئے۔

"آپ اتنی رات میں کہاں جا رہے ہیں۔" حیران ہونے کے ساتھ ساتھ وہ کچھ پریشان بھی ہو گیا۔

"بیٹا ہم پرسوں تمہاری جس آنٹی سے ملے تھے نا ان کا انتقال ہو گیا ہے۔" پاپا اس کی جانب تکتے ہوئے آہستہ سے بولے۔

"اوہ تو آپ اتنی رات میں ان کے گھر جائیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی وہ تنگ و تاریک گلیاں اس کے ذہن میں آ گئیں۔

"نہیں بیٹا وہ اسپتال میں تھیں، فضل وہیں ان کے ساتھ تھا اب وہ مجھے لینے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ صبح جلدی فارغ ہو کر جیسے ہی میں واپس آؤں گا ہم اسلام آباد کے لیے نکل جائیں گے تم سو جاؤ میں کمرہ لاک کر کے جا رہا ہوں صبح ناشتے کے لیے روم سروس فون کر دینا ورنہ فریج دیکھ لینا اس میں تمہاری ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔"

ان کا موبائل بج اٹھا، وہ اسے جلدی جلدی سمجھا کر باہر نکل گئے شاید فضل چاچا آ گئے تھے، کمرے سے نکلتے نکلتے وہ زیرو پاور کا بلب بھی آف کر گئے تھے کیونکہ ایشال ہمیشہ اندھیرے میں سونے کا عادی تھا۔

"مگر وہ آنٹی اسپتال میں تھیں تو وہ سبز دوپٹے والی ان کی بیٹی کہاں ہو گی کیا اکیلی اس تنگ و تاریک گھر میں ــــ بے چاری اب کیسے رہے گی اس گھر میں اکیلی۔"

یہ آخری سوچ جو سونے سے قبل اس کے دماغ میں آئی اور پھر اس کا دماغ فوراً ہی نیند کی وادیوں میں گم ہو گیا اپنی ماں کی موت کے بعد اس لڑکی کے اکیلے رہ جانے کے علاوہ کوئی دوسری سوچ ایشال کے ذہن میں نہ تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ جیسے ہی باتھ روم نہانے کے لیے گھسی اچانک ہی داخلی دروازے کی گھنٹی بج اٹھی یہ وقت فرہاد کے گھر آنے کا نہ تھا پھر اس بھری دوپہر میں کون آ گیا؟ اسے یک دم ہی کوفت نے گھیر لیا۔ جگنو کو دو دن سے بخار تھا ابھی بھی بڑی مشکل سے وہ رو رو کر سوئی تھی اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی بڑی بیٹی مریم کو بھی سلا دیا تھا کیونکہ اگر وہ جاگ رہی ہوتی تو کبھی بھی جگنو کو نہ سونے دیتی جانے کیوں وہ پیار ہی پیار میں اتنی شدت سے اس کے گال کھینچتی کہ بے چاری بچی بلبلا ہی اٹھتی یہ ہی سبب تھا جو زینب کبھی بھی اسے جگنو کے ہمراہ تنہا نہ چھوڑتی ابھی بھی جب تک وہ کپڑے دھوتی رہی تمام وقت مریم کو اپنے ساتھ ہی رکھا اور پھر دونوں کو ایک ساتھ سلا کر نہانے کے لیے باتھ روم گھسی تو جانے یہ کون آ گیا۔

پہلے تو سوچا نظر انداز کر کے نہا لے جو ہو گا خود ہی واپس چلا جائے گا مگر آنے والا بھی شاید بہت ہی ڈھیٹ تھا بیل ایک بار پھر پوری شدت سے بج اٹھی اپنا نہانے کا ارادہ ترک کر کے اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور باتھ روم

سے باہر نکل آئی کمرے سے باہر آتے آتے بیل ایک بار پھر سے بج اٹھی۔

"آ رہی ہوں صبر کرو۔" وہ باہر موجود شخص کی بے صبری محسوس کر کے صحن سے ہی زوردار آواز میں چلائی اور تیزی سے آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی کھول دی سامنے ہی خوب خوشبو میں بسی فضہ بھابھی کھڑی تھیں حسب توقع لدی پھندی غالباً شاپنگ سے واپس آتے ہوئے وہ اس کے گھر کی جانب آ گئی تھیں آج خلاف توقع حذیفہ بھی ان کے ساتھ تھا ورنہ وہ ہمیشہ اکیلی ہی آتی تھیں اور دونوں بچے گھر ہی ہوتے۔

"السلام علیکم بھابھی۔" وہ کچھ دیر قبل والی کوفت بھلا کر خوشدلی سے سلام کرتے ہوئے ان سے گلے ملی۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو تم؟"

جواب کے ساتھ ساتھ اس کی خیریت دریافت کرتی وہ اس کے چھوٹے سے کمرے میں داخل ہو گئیں ہاتھ میں پکڑے ڈھیروں شاپرز اس کے پلنگ پر ڈھیر کر دیے چاہتی تو یہ سب کچھ باہر گاڑی میں بھی رکھ کر آ سکتی تھیں، مگر پھر زینب کے آگے اپنی شو بازی دکھانے کا موقع انہیں کیسے ملتا ویسے بھی وہ ہمیشہ سے ایسی ہی نمود و نمائش کی عادی تھیں۔ زینب کی بے تحاشا خوب صورتی کو اپنی دولت کے زور سے نیچا دکھانا ان کے پسندیدہ مشغلوں میں سے ایک تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں کھانا کھائیں گی آپ؟"

ان کا جواب جانتے ہوئے بھی زینب نے میزبانی کے تقاضے نبھاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں نہیں کھانا تو میں آج باہر سے کھا کر آئی ہوں پلیز تم کوئی تکلف مت کرو یہاں آؤ بیٹھو میرے پاس۔" بیگ سے منرل واٹر کی بوتل نکال کر اپنے منہ سے لگاتے ہوئے انہوں نے بیڈ پر ہی اپنے قریب اس کے لیے جگہ بنائی، مگر اتنی دیر میں وہ کمرے میں رکھے واحد موڑھے پر بیٹھ چکی تھی۔

"دراصل آج حذیفہ کا ایڈمیشن ٹیسٹ تھا اس کے لیے صبح سے ہی نکلی ہوئی ہوں۔ ٹیسٹ کے بعد تھوڑا بازار گئی کچھ اپنے لیے شاپنگ کی پھر حذیفہ کا یونیفارم اور کتابیں خریدیں، کھانا کھایا پھر سوچا چلتے چلتے تمہاری بھی خیریت معلوم کرتی جاؤں تم تو کبھی آتی ہی نہیں ہو۔"

یکے بعد دیگرے اپنی تمام دن کی مصروفیات بتاتے ہوئے انہوں نے نہایت ہی خاموشی کے ساتھ زینب کی دبی ہوئی دلی خواہشوں کو سلگانے کی کوشش کی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئیں۔

"بس بھابھی کیا بتاؤں سارا دن ٹائم ہی نہیں ملتا۔" چند لمحوں قبل والی اس کی خوشدلی کافی حد تک کم ہو گئی اب جو وہ بولی تو اس کی آواز خاصی مدھم تھی اس کے تصور میں ایک بار پھر اپنے جمع کردہ بارہ سو پچاس روپے آ گئے جس میں سے اب صرف ایک ہزار باقی بچا تھا باقی کی رقم سے اس نے گلی کے نکڑ پر کھڑے ٹھیلا فروش سے برگر اور کولڈ ڈرنک منگوا کر اس وقت کھائی تھی جب فرہاد گھر نہیں تھا ورنہ اس کے نزدیک باہر کا کھانا کھانا ۔ ایک نہایت ہی فضول قسم کی عیاشی تھی جو اس کی ماں نے کبھی نہ کی تھی جب کہ زینب کو ہمیشہ ہی باہر کا کھانا، کھانا اچھا لگتا اس کا دل چاہتا روزانہ نہ سہی کم از کم مہینے میں ایک دفعہ تو باہر جا کر کھانا، کھانا چاہیے اور اپنی اس دلی خواہش کو وہ کبھی کبھار اس طرح پورا کر لیتی کیونکہ فرہاد جیسے شخص سے کوئی بھی فرمائش کرنا اپنا سر دیوار سے مارنے کے مترادف تھا۔

"اور یہ تم نے مریم کا کہاں ایڈمیشن کروایا ہے؟"

وہ اپنی سوچوں میں گم تھی جب یک دم فضہ بھابھی کو مریم کا خیال آ گیا۔

"مریم کا ایڈمیشن" اپنے خیالوں میں گم پہلے تو زینب کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ کیا جواب دے۔

"ابھی تو بھابھی وہ چار سال کی بھی نہیں ہوئی۔" اپنے تئیں اس نے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"ہاں ہاں جانتی ہوں حذیفہ اور وہ ایک ہی عمر کے ہیں۔" عجیب جتاتا ہوا لہجہ وہ کیا کہنا چاہتی تھیں بنا کچھ کہے ہی زینب سمجھ گئی۔

"جی۔۔۔" اس سے بہتر کوئی جواب نہ تھا جو وہ انہیں دیتی۔

"چائے بناؤں آپ کے لیے؟" نہ چاہتے ہوئے پھر ایک بار انداز میزبانی نبھانا پڑا۔

"نہیں نہیں اب میں نکلوں گی آج اسفند کے دوست کے گھر رات کا ڈنر ہے اب گھر جا کر تیار ہونا ہے منطلہ بھی اسکول سے آچکا ہوگا جا کر اسے بھی دیکھوں۔"

ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا جس کا اندازہ بخوبی زینب کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھ کر لگایا جا سکتا تھا جانے کیوں انہیں ہمیشہ محسوس ہوتا کہ زینب کو اپنی خوب صورتی کا بہت غرور ہے اور یہ ہی سبب تھا جو وہ اپنی باتوں اور حرکتوں سے اسے یہ جتانا نہ بھولتیں کہ قسمت کا تعلق خوب صورتی سے نہیں ہے ورنہ آج اس مقام پر زینب ہوتی جہاں اپنے پیسے کے زور سے وہ کھڑی تھیں' اپنی اسی غلط فہمی اور حسد میں وہ زینب کو کس بری طرح دماغی طور پر مفلوج کر رہی ہیں اس کا انہیں بالکل بھی اندازہ نہ تھا۔

اگلے دن فرہاد کے گھر سے نکلتے ہی وہ اپنی پڑوسی کے ساتھ جا کر ایک قریبی اسکول سے داخلہ فارم لے آئی کیونکہ وہ کسی بھی صورت نہ چاہتی تھی کہ مریم تعلیمی درجہ میں حذیفہ سے پیچھے رہ جائے جب کہ فرہاد ابھی اس کے اسکول داخلے کے حق میں بھی نہ تھا وہ چاہتا تھا کہ مریم کو پانچ سال کی عمر سے اسکول بھیجا جائے مگر زینب کے دماغ میں جو بات فضہ بھابھی بٹھا گئی تھیں اب وہ نکلنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن تھا یہ ہی سبب تھا جو رات کو فرہاد کے کھانا کھا کر ٹی وی کے سامنے بیٹھتے ہی اس نے اپنا صبح کا لایا ہوا داخلہ فارم اس کے آگے رکھ دیا وہ چاہتی تھی کہ اگلی صبح ہی یہ فارم واپس جمع بھی کروا دیا جائے۔

"یہ کیا ہے؟" وہ ٹی وی پر چینل سرچ کرنے میں مصروف تھا۔

"مریم کے اسکول کا داخلہ فارم۔" وہ جوش و خروش سے جواب دیتے ہوئے بولی۔

"اچھا۔" فرہاد نے ذرا کی ذرا ایک نظر داخلہ فارم پر ڈالی' زینب کا سارا جوش یک دم ٹھنڈا ہو گیا اپنے پہلے بچے کو اسکول داخل کروانے کی کوئی خوشی فرہاد کے چہرے پر نہ تھی۔

"کتنا خرچہ ہوگا؟" وہ پھر سے ٹی وی کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"تقریباً" دو ہزار۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"اتنے پیسے۔" فرہاد کو سنتے ہی حیرت کا جھٹکا لگا۔

"حذیفہ کے ایڈمیشن پر خرچ ہونے والے پچاس ہزار سے تو بہت کم ہیں۔" دل میں آیا ہوا اپنا یہ جواب وہ لبوں تک نہ لا سکی کیونکہ اس موقع پر وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔

"داخلہ فیس' دو ماہ کی چھٹیوں کی فیس' سالانہ فنڈ کے علاوہ یونیفارم کی رقم بھی اس میں شامل ہے جو اسکول سے ہی ملے گا ہمیں صرف کتابیں الگ سے خریدنا ہوں گی۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک ایک بات کی وضاحت دیتے ہوئے بولی۔

"مطلب دو ہزار کے علاوہ ابھی مزید کتابوں کا بھی خرچہ ہوگا؟" وہ حیران ہوا۔

"اچھا اور جو دو ہزار میں تمہیں دوں گا اس کی رسید ضرور اسکول سے لے آنا۔" وہ ہمیشہ سے اتنا ہی بے اعتبار تھا سمجھتا تھا زینب اس سے پیسے بٹورنے کے لیے زیادہ رقم بتاتی ہے جبکہ وہ شروع سے پائی پائی کا حساب لینے کا عادی تھا۔

"اور ہاں داخلہ فارم کتنے کا آیا ہے تم صبح پانچ سو روپے مجھ سے لے کر گئی تھیں۔"

صبح والے پانچ سو روپے وہ ابھی تک نہ بھولا تھا جانے اس کے دونوں بھائی اپنی بیویوں کو اتنی اتنی رقم دے کر کسی طرح بھول جایا کرتے تھے جو کبھی حساب نہ مانگتے' زینب کو تو یقین ہی نہ آتا تھا ان کے برخلاف یہ شخص تو پائی پائی کا حساب کتاب کرنے کا عادی تھا اپنی ماں سے ورثے میں ملنے والی ہر اچھی بری عادت اس میں بدرجہ اتم موجود تھی فارم پر دو سو روپے لکھا ہوا تھا نہ بھی ہوتا تو بھی زینب کا کوئی ارادہ پیسے بچانے کا نہ تھا وہ خاموشی سے اٹھی اور تین سو روپے لا کر فرہاد کے پاس رکھ دیے جسے اس نے اٹھا کر اپنی جیب میں بھی رکھ لیے پہلے تو اس نے سوچا تھا کہ مریم کے ایڈمیشن اور کتابوں میں سے کچھ پیسے ضرور بچائے گی مگر اب اس نے اپنا یہ ارادہ ملتوی کر دیا اگر کسی شخص کو خود ہی احساس نہ ہو اپنی بیوی کی ضروریات کا تو پھر کیا ضرورت ہے اس طرح ہیر پھیر کر کے اس سے رقم حاصل کرنے کی اس نے دل برداشتہ ہوتے ہوئے سوچا۔

اور پھر تمام اخراجات کے بعد بچنے والے چار سو روپے بھی اس نے لا کر فرہاد کے حوالے کر دیے۔ یہاں تک کہ وہ اس دوران جتنی بار بھی اسکول گئی چاہتے ہوئے بھی وہاں سے ایک کولڈ ڈرنک تک خرید کر نہ پی' فی الحال وہ ان پیسوں میں سے ایک روپیہ بھی اپنی ذات پر نہیں خرچ کرنا چاہتی تھی ہمیشہ جب بھی کبھی فرہاد کی باتیں اسے دکھی کرتیں وہ کچھ عرصہ تک ایسی ہی ہو جایا کرتی اور پھر آہستہ آہستہ گزرتے وقت کے ساتھ خود ہی ٹھیک بھی ہو جایا کرتی کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔



آج ان کے آفس کا سالانہ ڈنر ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں منعقد کیا گیا تھا جہاں تقریباً" سارا ہی اسٹاف آچکا تھا سوائے حبیبہ کے' ویسے بھی آج تک وہ آفس کے کسی بھی فنکشن میں شریک نہ ہوئی تھی وجہ ہمیشہ اس کی شام کی کلاسز ہوتیں یا پھر ہوسٹل کے مسائل' جو بھی تھا شاہ زین کو آج بھی اس کے آنے کی ایک فیصد بھی امید نہ تھی وہ اپنے کسی دوست کو ریسیو کرنے کے لیے جیسے ہی آگے بڑھا ایک دم ہی ڈائننگ ہال کے بڑے سے شیشے کے دروازے کو دھکیلتی وہ اندر داخل ہوئی جس کے آنے کے بعد کم از کم شاہ زین کو ایسا ضرور محسوس ہوا کہ جیسے چاروں طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی ہو۔

بلیک شفون کی پاؤں تک فراک کے ساتھ' سادہ بلیک دوپٹا' کمر تک آتے سلکی بال اور کانوں میں پہنے سلور نگینوں والے ٹاپس غرض اس کے جسم پر موجود ہر چیز اس کے ساتھ پرفیکٹ دکھائی دے رہی تھی کالے لباس میں اس کی سفید رنگت چاندی کی مانند دمک رہی تھی۔

ایک پل کو شاہ زین اپنی پلکیں جھپکنا ہی بھول گیا' اندر داخل تو وہ نہایت اعتماد کے ساتھ ہوئی تھی' مگر ایک دم اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر شاید کچھ نروس سی ہو گئی یا شاہ زین کو ہی ایسا محسوس ہوا ہو بہرحال جو بھی تھا وہ اپنی جگہ پر تھم سی گئی۔ شاہ زین نے ایک لمحہ کو کچھ سوچا اور پھر تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔

"ہیلو مس حبیبہ" اس کے قریب جا کر وہ دھیرے سے بولا۔

"السلام علیکم سر۔" اس کے ہیلو کے جواب میں حبیبہ نے سلام کیا' وہ ابھی بھی پہلے ہی جیسی پر اعتماد تھی شاہ زین کو جیسے ہی اپنے پہلے لگائے گئے اندازے کی غلطی کا احساس ہوا وہ لبوں ہی لبوں میں مسکرا دیا۔

"سر میں زیادہ لیٹ تو نہیں ہو گئی۔" وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے بولی۔

"نہیں بالکل ٹھیک ٹائم پر آئی ہیں آپ' آئیں آپ کو اپنی مما سے ملواؤں۔"

بات کرتے کرتے شاہ زین کی نظر کچھ دور کھڑی اپنی مما پر پڑی تو بے اختیار ہی اس کے منہ سے نکل گیا اس کی نظروں کے تعاقب میں حبیبہ نے دیکھا وائٹ ساڑھی میں گرے اسٹوکنگ کندھے تک آتے بالوں کے ساتھ'

دور سے خوب صورت دکھائی دینے والی وہ عورت یقیناً" شاہ زین کی ماں ہی ہوگی۔

اتفاق کی بات تھی آج ایک سالہ ملازمت کے باوجود وہ کبھی بھی ان سے نہ ملی تھی' ان کے کھڑے ہونے کے انداز میں جھلکتا احساس تفاخر اتنی دور سے بھی حبیبہ کو صاف دکھائی دے رہا تھا' اس کا بالکل دل نہیں چاہا وہ جاکر اس عورت سے ملے' اپنا ایک آفس ورکر کے طور پر یہاں اس طرح اتنے لوگوں میں متعارف کروایا جانا اور پھر خوشامدانہ انداز میں "السلام علیکم میڈم" کہنا اور اس کے علاوہ بھی مزید تکلفات نبھانا جن کی نہ وہ عادی تھی اور نہ ہی اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ شاہ زین کو کس طرح منع کرے لہٰذا خاموشی سے اپنا دوپٹا سنبھالتی اس کے ساتھ چلنے لگی ابھی بمشکل دو قدم ہی چلی ہوگی کہ یک دم اس کے سامنے جواد آگیا جو ان کے آفس میں ہی کام کرتا تھا۔

"میم آپ کو بڑے صاحب بلا رہے ہیں۔" اس کا اشارہ یقیناً" شاہ زین کے والد کی جانب تھا جن کے حسن اخلاق اور شفقت بھرے رویے کی وہ دل سے گرویدہ تھی۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کی جو جانے کب سے رکی ہوئی تھی اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ وہ شاہ زین کی والدہ سے ملنے کے بالکل بھی موڈ میں نہ تھی اور اس موقع پر بڑے صاحب ایک بار پھر اس کے کام آئے۔

"مجھے انکل بلا رہے ہیں۔" اس نے شاہ زین سے کہا اور جواد کے ساتھ چل دی۔ شاہ زین کچھ دور تک اسے جاتا دیکھتا رہا اور پھر جیسے ہی واپس پلٹا وہ جگہ خالی تھی جہاں کچھ دیر قبل اس کی مما کھڑی تھیں اسے یاد آیا آج مما کا فیملی ڈنر ان کے بڑے بھائی کے گھر تھا جہاں شاہ زین اور اس کے والد کے علاوہ سب لوگ موجود تھے چونکہ آفس ڈنر ہر سال اسی تاریخ کو ہوتا تھا لہٰذا اسے آج ہی رکھنا ان لوگوں کی مجبوری تھی اور فیملی ڈنر بھی بہت ساری وجوہات کی بنا پر کینسل نہیں ہوسکا تھا لہٰذا اس کی مما یہاں سے جلد واپس جاکر اپنی فیملی کو جوائن کرنا چاہتی تھیں جبکہ وہ اپنے پاپا کے ساتھ ہی تھا جنہیں رات میں فارغ ہو کر ماموں کے گھر سے ہوتے ہوئے جانا تھا۔

شاہ زین نے ایک نظر دور کھڑی حبیبہ پر ڈالی جو اپنی آفس کولیگ کرن کے ساتھ کھڑی کسی بات پر ہنس رہی تھی اس کی خوب صورتی اس تمام محفل میں سب سے نمایاں تھی یا شاید وہ شاہ زین کو ہی سب سے زیادہ حسین لگ رہی تھی جو بھی تھا کم از کم اس کے آنے کے بعد شاہ زین کو وہاں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا سوائے اس کے کہ وہ حبیبہ کو ہی دیکھتا رہے' مگر کب تک اتنی بھری محفل میں ایسا ممکن نہ تھا۔

ڈنر شروع ہوچکا تھا حبیبہ کو کچھ پل کے لیے نظرانداز کرکے وہ بھی ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا آج کا یہ ڈنر اس کی زندگی کا ایک خوب صورت اور یادگار ڈنر تھا کیونکہ اس میں اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ حبیبہ موجود تھی اور یہ بات شاید حبیبہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ شاہ زین کے نزدیک ہر گزرتے دن کے ساتھ کتنی اہمیت اختیار کرچکی ہے۔

☼ ☼ ☼

پاپا صبح نو بجے تک واپس آئے تو وہ ناشتا کرکے فارغ ہوچکا تھا جانے کیوں پاپا کو تنہا دیکھ کر وہ کچھ حیران سا ہوا اسے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جب پاپا واپس آئیں گے وہ سبز دوپٹے والی لڑکی بھی یقیناً" ان کے ساتھ ہوگی' مگر ایسا نہ تھا وہ دل ہی دل میں خوش ہوا' پاپا کچھ پریشان اور الجھے ہوئے تھے' مسلسل فون پر مصروف جانے کس کس کو کیا کیا ہدایات دے رہے تھے اس کی سمجھ میں نہیں آیا انہوں نے لنچ بھی نہیں کیا۔

"وہ کیوں اس قدر پریشان ہیں؟" ایشال پوچھنا چاہتا تھا' مگر نہ پوچھ سکا وہ اب مزید لاہور میں نہیں رہنا چاہتا تھا اسے جلد از جلد اپنے گھر واپس جانا تھا جہاں دو دن بعد اس کی مما واپس آنے والی تھیں اسے اپنی بیسٹ فرینڈ عریشہ

سے بھی ملنا تھا جو جانے کتنی بار پوچھ چکی تھی کہ وہ کب واپس آئے گا؟ وہ اسے اپنے وہ تمام ویڈیو گیم بھی دکھانا چاہتا تھا جو پاپا نے لے کر دیے تھے' اسے عریشہ کی نئی کیسٹ بھی دیکھنی تھی جو اس نے دو دن قبل لی تھی جس کی باتیں سن سن کر وہ اس سے ملنے کے لیے بے چین تھا' اس نے عریشہ کے لیے ایک خوب صورت کوٹ بھی خریدا تھا وہ جانتا تھا یہ کوٹ دیکھ کر عریشہ بہت خوش ہوگی' مگر جانے کیوں پاپا اتنی دیر کر رہے تھے واپس ہی نہیں جا رہے تھے وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ ہمیں کب واپس جانا ہے' لیکن پاپا کی فون کی مصروفیت موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔

"بیٹا اپنا سارا سامان سمیٹ لو کچھ ہی دیر میں فضل دین آ رہا ہے تو ہم اسلام آباد کے لیے نکل رہے ہیں وہاں کچھ آفس کا کام ہے جو نپٹا کے ان شاء اللہ کل دوپہر کی فلائٹ سے واپس کراچی چلے جائیں گے اور کل رات تک تمہاری مما نے بھی واپس آجانا ہے۔" اپنی فون کی مصروفیات سے فارغ ہو کر انہوں نے جلد جلدی اسے ساری تفصیل بتائی جیسے سنتے ہی وہ خوش ہو گیا اپنا گھر' بہن بھائی اور مما سے ملنے کی خوشی میں وہ ساری کوفت بھول گیا جو کچھ دیر قبل اس پر سوار تھی اس نے جلدی جلدی اپنا تمام سامان سمیٹا اور کچھ ہی دیر بعد فضل چاچا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر اسلام آباد کی جانب رواں ہو گیا یہ جانے بغیر کہ اس کی زندگی میں کیا تبدیلی آچکی ہے۔ لاہور میں گزارا جانے والا یہ ہفتہ اس کی زندگی کو کس قدر تبدیل کر چکا ہے وہ نہیں جانتا تھا۔

اسلام آباد پہنچ کر پاپا نے جلدی جلدی اپنا کام ختم کیا اور پھر دوپہر کی فلائٹ سے وہ اپنے گھر واپس پہنچ گئے۔ گھر واپسی کی خوشی اور سب سے ملنے کی بے قراری اس کے چہرے پر نمایاں تھی مما نے تو رات کو آنا تھا وہ جاتے ہی جلد از جلد عریشہ سے ملنا چاہتا تھا جس سے ملے ہوئے اسے آج ایک ہفتہ سے بھی زیادہ ہو گیا ورنہ وہ تو سارا دن ساتھ ہی رہا کرتے تھے ایئرپورٹ سے گھر تک تیس منٹ کا یہ سفر اب اسے تیس دن سے بھی زیادہ لگ رہا تھا۔



وہ جانے کب سے اپنی الماری کھولے کھڑی تھی جہاں موجود کپڑوں میں سے کوئی بھی سوٹ ایسا نہ تھا جو کسی بہت ہی اچھی تقریب میں پہن کر جایا جا سکے اور تقریب بھی وہ جہاں اپنے پورے کروفر کے ساتھ فضہ بھابھی موجود ہوں اسفند اور فرہاد کا سب سے چھوٹا اور تیسرے نمبر والا بھائی صمد پچھلے دس سالوں سے دبئی میں مقیم تھا جہاں اس نے ایک پاکستانی فیملی میں شادی کر لی تھی اس کی بیوی کسی نیوز چینل سے منسلک تھی۔

بہت کم ہی ایسا ہوتا جب صمد پاکستان آتا تو وہ بھی ساتھ ہوتی ورنہ ہمیشہ صمد اکیلا ہی آیا کرتا تھا اس دفعہ اتفاق سے وہ اپنی چھوٹی بہن کی شادی میں شرکت کے لیے آئی ہوئی تھی جس کا رشتہ یہیں کسی پاکستانی گھرانے میں طے پایا تھا اس نے ہر فنکشن میں شرکت کا دعوت نامہ اسفند بھائی کے ساتھ ساتھ انہیں بھی دیا تھا بے شک وہ اپنی عادتوں کے اعتبار سے فضہ بھابھی سے کافی مختلف تھی' مگر پھر بھی زینب کا ارادہ کسی بھی فنکشن میں شرکت کا نہیں تھا اور اس کی صرف ایک ہی وجہ تھی کہ اس کے پاس کوئی ایسا قیمتی لباس نہ تھا جو وہ کسی بھی تقریب میں پہن کر جا سکتی یہ ہی سبب تھا جو مہندی کے فنکشن میں بھی صرف فرہاد ہی شریک ہوا اپنی طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر اس نے بڑی سہولت سے منع کر دیا' مگر آج بار بار آنے والے صمد کے فون پر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تیار ہونے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

الماری کھولی' کوئی ڈھنگ کا کپڑا سامنے دکھائی نہ دیا وہ ہی گنتی کے چند سوٹ جو جانے کتنی بار پہن چکی تھی اس نے کئی بار فرہاد سے کہا تھا کہ اسے دو عدد جوڑے' ایک جوتی اور کچھ میک اپ کا سامان لا دے جسے اس نے سنا تو بڑی توجہ سے' مگر عمل کر کے نہ دیا اور آج شادی کا دن آپہنچا۔

دو دن قبل ہونے والی رسم مہندی سے واپسی پر وہ مسلسل وہاں کی ڈیکوریشن' کھانا اور دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ اپنی بھابھی کی' عالیشان ڈریسنگ کے قصیدے بھی ساری رات گاتا رہا یہ جانے بغیر کہ اس کی ان باتوں سے زینب کو کیا تکلیف پہنچ رہی ہے۔

"صمد کی بیوی کو تیار ہونے کا بڑا سلیقہ ہے ماشاء اللہ بہت اچھا تیار ہوتی ہے۔" جواباً وہ خاموش رہی۔

"آج تو فضہ بھابھی بھی بڑی اچھی لگ رہی تھیں ان کے سوٹ کا کلر بہت خوب صورت تھا۔"

وہ جو یہ سمجھتی تھی کہ فرہاد کو ان باتوں کا کوئی سلیقہ نہیں ہے یہ سب سن کر تھوڑا سا حیران ضرور ہوئی۔

"تم بھی چلتیں سچ بہت مزا آتا خاصا انجوائے کرتیں' انہوں نے کھانا بھی بہت اچھا دیا تھا اور ویسے بھی وہاں سب ہی تمہارا پوچھ رہے تھے' میں نے کہہ دیا کہ طبیعت خراب تھی۔" وہ مسلسل بولے جا رہا تھا اور زینب خاموشی سے سن رہی تھی' مگر کب تک' وہ چپ نہ رہ سکی اور بول ہی پڑی۔

"فضہ بھابھی کے اچھے لگنے میں زیادہ کمال ان کے پارلر اور قیمتی لباس کا ہوتا ہے۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی جتا گئی جس کا اثر فرہاد پر بالکل بھی نہ ہوا۔

"یہ تو ہے بہرحال جو ریڈ سوٹ تم نے عید پر بنوایا تھا وہ بھی خاصا اچھا تھا اگر پہن کر جاتیں تو مجھے یقین ہے سب سے اچھی لگتیں مگر اب تمہیں کون سمجھائے۔"

"عید والا سوٹ۔" وہ متحیر زدہ لہجہ میں بولی۔

عام سی جارجٹ جس پر اس نے خود گوٹا لگایا تھا ساتھ ہی اس کے تصور میں فضہ بھابھی آگئیں خوب بجی سنوری قیمتی لباس سے آراستہ' دل چاہا پلٹ کر فرہاد کو کوئی سخت سا جواب دے' مگر حسب عادت صبر کے گھونٹ پی گئی۔

"ہاں اس میں کیا برائی ہے اصل میں زینب ہر انسان اپنی حیثیت کے اعتبار سے ہی خرچ کرتا ہے جتنا روپیہ اسفند بھائی کے پاس ہے وہ خرچ کرتے ہیں اور میں وہ خرچ کرتا ہوں جو میرے پاس ہے میرے اور ان کے معیار زندگی میں خاصا فرق ہے پھر بھی اللہ کا شکر ادا کرو لاکھوں سے اچھے ہیں' اچھا کھاتے ہیں کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا جو ہے اپنا ہے اب ان شاء اللہ کچھ ہی عرصہ میں یہ گھر بنوانے والا ہوں سوچا ہے اوپر ایک کمرہ ڈال کر کرائے پر دے دوں۔"

فرہاد مسلسل بول رہا تھا ایسی باتیں جن سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ جانتی تھی کہ علاقے میں موجود فرہاد کا جنرل اسٹور ٹھیک ٹھاک چلتا ہے کچھ نہ سہی پھر بھی اس کی کم از کم اتنی آمدنی ضرور تھی جس سے اگر وہ چاہتا تو اسے ہر ماہ ایک لگا بندھا خرچہ دے سکتا تھا' مگر نہیں اس کے نزدیک زینب کو سوائے دو وقت کی روٹی کے کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں تھی اس کے نزدیک یہ بھی بہت تھا کہ وہ ہر عید' بقر عید پر اسے دو جوڑے کپڑوں کے بنا دیتا تھا' دو سوٹ سردی گرمی میں بھی لے دیتا تھا چاہے وہ زینب کی پسند کے ہوں یا نہیں اسے ان باتوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔

کبھی کبھی تو زینب کو اس وقت بہت حیرت بلکہ دکھ بھی ہوتا جب فرہاد کی بڑی بہن یاسمین آپا کراچی آتیں اور فرہاد کے سامنے اپنے شوہر کے رونے روتیں جو انہیں بقول ان کے خرچہ نہ دیتا تھا (اس کے باوجود وہ ہر چھ ماہ بعد جہاز کے ذریعے اسلام آباد سے کراچی آتیں) ایسے میں فرہاد بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاتا خوب بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا جو عورت کے حقوق پر مبنی ہوتیں اور پھر اپنی بہن کو کچھ نہ کچھ رقم بھی ضرور دیتا اس کے نزدیک اس کا بہنوئی ایک ظالم شخص تھا جسے اپنی بیوی کی ضروریات کا بالکل بھی احساس نہ تھا وہ اپنے آپ کو ایک نہایت ہی قابل فخر مرد سمجھتا جو بیوی کی ہر ضرورت پوری کرتا۔

وہ جب جب یہ باتیں سوچتی اسے حیرت ہوتی مرد کے نزدیک' بہن اور بیوی کے معیار زندگی کا تصور کتنا مختلف

تھا مگر شاید سارے مرد ایسے نہ تھے۔ اس کے بھائی، بڑا بہنوئی، جیٹھ اور دیور کوئی بھی تو ایسا نہ تھا شاید دنیا کا کوئی بھی مرد فرہاد جیسا نہ تھا، لیکن ہو سکتا تھا حقیقت اس کے برعکس بھی ہو جو اس نے دیکھا، ہو سکتا ہے دنیا کی بہت ساری عورتیں دوسروں سے اپنا آپ چھپا کر جیتی ہوں آخر وہ بھی تو ایک ایسی ہی عورت تھی اور یہ ہی سوچ اسے ہمیشہ تسلی دیتی۔

"کیا بات ہے میری کسی بات کا جواب کیوں نہیں دے رہیں سو گئی ہو کیا؟"

فرہاد ہمیشہ یہ چاہتا کہ وہ جب بھی کوئی بات کرے زینب اس کا جواب ضرور دے خواہ دل چاہے یا نہ، اور ایسے میں کبھی کبھی جواب نہ پا کر وہ اکثر ہی چڑ جایا کرتا اسے لگتا زینب اسے اگنور کر رہی ہے اور ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ کئی کئی دن تک ناراض رہتا، سیدھے منہ بات نہ کرتا اس طرح شاید وہ زینب سے بدلہ لیا کرتا یہ ہی سبب تھا جو نہ چاہتے ہوئے بھی زینب کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

"نہیں تو جاگ رہی ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"اچھا اب کل ضرور تیار ہو جانا شادی پر چلنے کے لیے آج بھی سب نے تمہارا بہت پوچھا۔"

"اچھا۔" اس کا دل نہ چاہا کوئی بات کرنے کو، اس نے آنکھیں موند لیں تاکہ فرہاد اسے سوتا جان کر خاموش ہو جائے اور اپنی اس کوشش میں وہ کامیاب ہو گئی، مگر اگلے دن جو تیار ہونے کے ارادہ سے کپڑوں کی الماری تک آئی تو خاصی مایوس سی ہو گئی اس کے پاس کوئی ایسا سوٹ نہ تھا جو وہ آج پہن کر جا سکتی تھک ہار کر الماری کے پٹ کھلے چھوڑ کر وہیں نزدیک ہی بیڈ پر بیٹھ گئی جب یک دم ہی اسے سادیہ کا خیال آیا جو نہ صرف اس کی پڑوسن بلکہ ایک اچھی دوست بھی تھی۔

"کیوں نہ میں سادیہ سے اس کا وہ سوٹ مانگ لوں جو اس نے پچھلے ماہ اپنے بھائی کی شادی پر بنوایا تھا۔"

اس خیال کے آتے ہی وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی پاؤں میں چپل پہنی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی سامنے ہی صحن میں فرہاد بڑے جذبے سے اپنے موٹر سائیکل دھو رہا تھا چاہتی تھی کہ اس کے قریب سے خاموشی سے گزر جائے مگر کامیاب نہ ہو سکی اس کے پاس سے گزر کر وہ دو قدم ہی چلی ہو گی جب اس نے آواز دے کر روک لیا۔

"اس وقت کہاں جا رہی ہو تیار نہیں ہونا ابھی کچھ دیر میں ہی صمد نے گاڑی بھیج دینی ہے۔" اپنے بھائیوں کی گاڑیوں کا مان ہمیشہ سے ہی فرہاد کو رہا اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ان کی گاڑیاں اور حیثیت و مرتبہ فرہاد کے لیے باعث فخر و امتیاز ہے۔

"سادیہ کی طرف جا رہی ہوں تاکہ اس کا کوئی سوٹ مانگ کر آج پہن لوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی ہلکی سی تلخی اس کے لہجہ میں آ گئی جسے غالباً" فرہاد نے محسوس ہی نہ کیا۔

"کیوں اپنا ریڈ والا نہیں پہن رہیں اچھا خاصا سوٹ ہے۔"

وہ اپنا ہاتھ روک کر اس کی جانب متوجہ ہوتا ہوا بولا۔ زینب کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔

"اچھا جاؤ لے آؤ مگر جلدی آ جانا دیر نہ ہو جائے۔"

شاید وہ زینب کے چہرے پر چھائی بے زاری اور بددلی بھانپ گیا تھا۔ زینب نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا اور بنا کوئی جواب دیے گھر سے باہر نکل آئی۔ دو گھر چھوڑ کر تیسرا سادیہ کا گھر تھا۔

وہ مریم کے اسکول میں جاب بھی کرتی تھی جہاں سے ہر ماہ ملنے والی تنخواہ وہ صرف اور صرف اپنی ذات پر ہی خرچ کیا کرتی شاید یہ ہی وجہ تھی جو اس کا رہن سہن ہر لحاظ سے زینب سے بہتر تھا۔

"اللہ کرے فتح محمد گھر پر نہ ہو۔" جانے کیوں اسے سادیہ کا شوہر بالکل پسند نہ تھا زینب کو اپنے سامنے دیکھتے ہی ایک عجیب مکروہ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر آ جاتی جو اسے ایک آنکھ نہ بھاتی ایسے میں فتح محمد کا چہرہ بالکل ایک

عیار لومڑی جیسا دکھائی دیتا یا شاید زینب کو ایسا لگتا بہرحال جو بھی تھا وہ اسے بالکل ناپسند تھا یہ ہی سبب تھا وہ ہمیشہ کوشش کرتی کہ سادیہ کے گھر اس وقت جائے جب اس کا شوہر گھر نہ ہو مگر اس وقت چونکہ ٹائم سات سے اوپر ہو چکا تھا اور یہ وقت فتح محمد کے گھر آ جانے کا تھا۔

زینب کی توقع کے عین مطابق گھنٹی بجاتے ہی گیٹ کے اس پار فتح محمد کا چہرہ دکھائی دیا، زینب پر نگاہ پڑتے ہی اس کے چہرے پر ہزار واٹ کا بلب روشن ہو گیا اور وہ پورے دل سے اپنی باچھیں کھول کر مسکرایا۔

"میں خواہ مخواہ ہی اسے لومڑی سے تشبیہ دیتی رہی یہ تو بالکل بھیڑیا جیسا دکھائی دیتا ہے۔" فتح محمد کے ہونٹوں سے جھانکتے دانت بھیڑیے ہی جیسے تھے اپنی اس نئی تشبیہ پر وہ دل ہی دل میں مسکرا دی۔

"سادیہ گھر پر ہے؟" اپنی مسکراہٹ چھپائے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں ہاں بالکل ہے۔" دروازے کے دونوں در وا کیے وہ سامنے ہی کھڑا رہا۔

"فتح بھائی اسے بتائیں کہ میں آئی ہوں۔"

لفظ "بھائی" نے اس کے چہرے پر چھائی مسکراہٹ کو یکسر غائب کر دیا۔

"سادیہ، سادیہ۔" وہ وہیں سے آواز لگاتا واپس پلٹ گیا۔

"ارے اندر آ جاؤ باہر کیوں کھڑی ہو۔"

وہ غالباً" کچن میں تھی اسی لیے تولیہ سے ہاتھ پونچھتی سامنے برآمدے میں آن کھڑی ہوئی۔ زینب گیٹ بند کر کے اندر داخل ہو گئی۔ سادیہ اسے ساتھ لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔

"بیٹھ جاؤ کھڑی کیوں ہو۔"

"نہیں میں بیٹھنے نہیں آئی مجھے تم سے ایک کام ہے۔ دراصل مجھے تمہارا وہ سوٹ چاہیے جو تم نے اپنے بھائی کی شادی پر بنوایا تھا۔"

کوئی تمہید باندھے بغیر وہ جلدی جلدی اپنی بات ختم کرتے ہوئے بولی اور اگلے ہی پل بنا کوئی جواب دیے سادیہ نے سوٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا ریڈ شفون پر کامدانی کے ساتھ اس کا یہ سوٹ کافی خوب صورت تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم یہیں تیار ہو جاؤ میں تمہارا اچھا سا میک اپ بھی کر دیتی ہوں۔"

آئیڈیا برا نہ تھا۔ زینب نے اس کے ڈریسنگ ٹیبل پر نظر آنے والے میک اپ کے سامان پر نگاہ ڈالتے ہوئے سوچا اور فوراً" ہی ہامی بھر لی اور پھر کچھ ہی دیر میں سادیہ کی مہارت نے اس کی خوب صورتی کو چار چاند لگا دیے خود کو آئینہ میں دیکھ کر کئی پل تک زینب کو یقین ہی نہ آیا کہ سامنے نظر آنے والا عکس اس کا ہے۔

سچ ہے لباس شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے جسم پر سجے قیمتی لباس نے زینب کو یکسر تبدیل کر دیا نہ صرف ظاہری بلکہ باطنی طور پر بھی اپنی خوب صورتی کا احساس ایک غرور کی طرح اس پر چھا گیا۔

"واہ یار تم تو بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" سادیہ نے دل کھول کر اس کی تعریف کی وہ ویسے بھی زینب کے سادہ حسن کی شیدائی تھی آج تو پھر بات ہی کچھ اور تھی۔

"یقین کرو آج کے فنکشن میں تم سے زیادہ حسین کوئی اور نہ ہو گا یہ میں تمہیں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں۔"

اور سادیہ کی یہ بات سو فیصد درست ثابت ہوئی جس کا احساس اسے شادی ہال میں داخل ہوتے ہی خود پر پڑنے والی ہر ستائشی نگاہ نے دلا دیا۔

یہ محفل جو آج سجی ہے
اس محفل میں ہے کوئی ہم سا

ہم سا ہو تو سامنے آئے

دل ہی دل میں گنگناتی وہ اسٹیج کی جانب بڑھی جس کے بالکل قریب ہی اک شان بے نیازی اور غرور میں تنی فضہ بھابھی کھڑی تھیں اسے پوری امید تھی کہ زینب کو اپنے سامنے اس طرح دیکھ کر ان کا سارا غرور اور طنطنہ حسد میں تبدیل ہو جاتا ہے جو ان کی ذات کا ایک خاص حصہ تھا اور زینب کا یہ خیال اگلے ہی پل درست ثابت ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"واؤ یار کوٹ تو بہت خوب صورت ہے۔" عریشہ کے منہ سے نکلنے والے ستائشی الفاظ نے ایشال کو پچھلے پورے ہفتے کی کوفت بھلا دی اور وہ یکدم خوش ہو گیا۔

"تھینک گاڈ تمہیں پسند آگیا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے تم میرے لیے کچھ لاؤ اور مجھے پسند نہ آئے۔"

"ہاں یہ بھی ہے۔" وہ جانتا تھا کہ اس کی دی ہوئی ہر چیز عریشہ کو بہت پسند آتی تھی یہ ہی سبب تھا جو وہ کہیں بھی جاتا عریشہ کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور خریدتا۔ اسے عریشہ کے لیے شاپنگ کرنا ہمیشہ ہی اچھا لگتا۔

"تمہیں یاد ہے جو تم پچھلے سال میرا نام چاول کے دانے پر لکھوا کر لائے تھے مری سے میرے پاس وہ بھی رکھا ہے اور تمہارا امریکا سے لایا ہوا ہینڈ بیگ تو میں نے کبھی استعمال ہی نہیں کیا آج تک ویسے ہی رکھا ہے جیسے تم نے مجھے دیا تھا۔"

وہ ایک ایک چیز گنتی جا رہی تھی اور اس پل جو محبت اور جذبہ عریشہ کے چہرے پر پھیلا ہوا تھا وہ ایشال کو بہت اچھا لگ رہا تھا اس کا دل چاہا وہ بولتی جائے اسی طرح ساری زندگی اور ایشال سنتا جائے اسے یقین تھا وہ عریشہ کے ساتھ کبھی بور نہیں ہو سکتا کبھی تھک نہیں سکتا اس طرح جس طرح وہ لاہور سے تھک کر آیا تھا بور ہو کر آیا تھا عریشہ کا ساتھ اس کی خوشی تھا جس کا اندازہ ایشال کو شروع سے ہی تھا مگر آج یقین بھی ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو بیٹا ماں کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا، مگر پھر بھی میں کوشش کروں گا جو دکھ اور تکلیف تم اپنی زندگی میں اٹھا چکی ہو اب وہ تمہیں واپس نہ ملیں، میں تمہیں ماں نہیں دے سکتا اس کے علاوہ جو کچھ میرے بس میں ہوا وہ تمہارے لیے ضرور کروں گا۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ دھرتے، دھیرے دھیرے اسے سمجھاتے ہوئے بول رہے تھے وہ رونا چاہتی تھی، مگر اس کے آنسو شاید خشک ہو چکے تھے یہ ہی سبب تھا جو سر پر دوپٹا لیے وہ خاموشی سے ان کے سامنے بیٹھی سب کچھ سن رہی تھی، سمجھ رہی تھی، مگر کچھ بول نہ پا رہی تھی۔

"تم ابھی بچی ہو بہت ساری باتوں سے لاعلم میرے بس میں ہوتا تو تمہیں آج اور ابھی اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاتا جو تمہارا بھی ہے، مگر افسوس لے کر نہیں جا سکتا اس وقت تک جب تک میں تمہیں اس گھر میں کوئی مقام نہ دلا دوں۔"

وہ جاننا چاہتی تھی کہ اتنی محبت اور ذمہ داری کے باوجود وہ کیوں اسے یہاں تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں، کیوں اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے، مگر چاہتے ہوئے بھی نہ پوچھ سکی اتنا ضرور جان گئی کہ کوئی نہ کوئی مجبوری ایسی ضرور تھی جس نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ اسے اس طرح تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔

"بیٹا تمہارے پاس فضل دین آتا رہے گا۔ اس کا فون نمبر بھی میں نے تمہیں دے دیا ہے جب کسی چیز کی ضرورت ہو بلا دھڑک اسے فون کر دینا۔ کوئی پریشانی ہو تو میرا نمبر بھی تمہارے پاس ہے، میں بھی ہمیشہ تمہارے رابطے میں ہی رہوں گا۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے کھڑا ہونا پڑا۔

"اچھا بیٹا اللہ حافظ۔" انہوں نے اسے گلے لگا کر ماتھا چوما اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ وہ اپنی جگہ پر ویسے ہی ساکت کھڑی رہی۔

زندگی کا پہلا سفر اپنے مقام پر پہنچ کر ختم ہو چکا تھا۔ زندگی کا ایک نیا سفر اپنے آغاز کو تیار کھڑا تھا فرق صرف اتنا تھا پہلے سفر میں تمام تر غربت کے باوجود ماں اس کے ساتھ تھی اور اس سفر میں ہر سہولت کی فراہمی کے باوجود وہ بالکل تنہا کھڑی تھی، تنگ دست اور خالی ہاتھ وہ آج بھی ویسی ہی غریب تھی، دولت نے آکر اسے رشتوں سے محروم کر دیا ایک اکیلا واحد رشتہ کھو کر وہ اس گندگی اور غربت کو کہیں پیچھے چھوڑ آئی تھی جس سے اپنی گزری زندگی میں ہمیشہ نالاں رہی۔

آج اسے بڑی شدت سے یہ احساس ہوا رشتوں کی کمی سے بڑھ کر زندگی کوئی نہیں اب شاید وہ اپنی زندگی میں سب کچھ پا سکتی تھی سوائے اس حقیقی رشتے کے جو یہاں تک کے سفر میں ہمیشہ کے لیے کہیں کھو گیا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی ماں کی یاد نے ایک بار پھر اسے گھیر لیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم بھابھی۔" فضہ بھابھی اسے دیکھتے ہی کچھ عجیب سی ہو گئی تھیں۔ اب جو یکدم اس نے قریب پہنچ کر سلام کیا تو بے اختیار چونک اٹھیں۔

"وعلیکم السلام۔" اپنے سامنے کھڑی زینب کو دیکھ کر انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ زینب ہی ہے نک سک اور طریقے سے تیار، آج تو اس کا ڈریس بھی خاصا اچھا تھا بے شک ان کے ڈریس جتنا قیمتی نہ سہی، مگر پھر بھی زینب کے لحاظ سے اچھا تھا۔ اس پر کیا گیا نفاست سے میک اپ وہ حیران رہ گئیں۔

"پتا نہیں اللہ تعالیٰ نے اسے اس قدر حسن کیوں دے دیا۔" وہ دل ہی دل میں سلگ سی گئیں۔

"کیا ہوا بھابھی پہچانا نہیں۔" وہ اک ادا سے مسکراتے ہوئے بولی۔

حقیقت میں قیمتی لباس نے زینب کے انداز و اطوار کو خاصا تبدیل کر دیا تھا، سچ ہے اچھا لباس اور اچھا کھانا کبھی کبھی انسان کو اپنی اوقات بھلا دیتا ہے۔ "لو بھلا اب میں تمہیں کیسے نہ پہچانوں گی۔"

وہ اپنی حیرانی اور حسد کو چھپاتے ہوئے مسکرا دیں۔

"ماشاء اللہ بہت اچھی لگ رہی ہو۔" یہ جملہ انہوں نے کس دل سے کہا۔ یہ وہ ہی جانتی تھیں زندگی نے انہیں خاصی ڈپلومیسی سکھا دی تھی جس کا ثبوت آج وہ کھل کر دے رہی تھیں۔ ورنہ شاید کوئی اور وقت ہوتا تو وہ کبھی اس طرح زینب کی تعریف نہ کرتیں۔

"شکریہ۔" فضہ بھابھی کی تعریف نے اسے خوش کر دیا۔

"نگین سے ملی ہو؟" نگین یقیناً صمد کی سالی کا نام تھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں ابھی ابھی آئی ہوں اور سیدھی آپ ہی کی جانب آگئی تھی۔ ابھی تک میں کسی سے نہیں ملی۔" جواب دے کر اس نے ایک نظر سامنے اسٹیج پر ڈالی قیمتی ملبوسات میں سجی سنوری خواتین سے اسٹیج بھرا ہوا تھا ان ہی کے درمیان، عین سامنے صوفے پر نگین موجود تھی۔ جو دور سے دیکھنے میں خاصی خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔

"چلو آؤ میں تمہیں اس سے ملواؤں۔" فضہ بھابھی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسٹیج کی جانب بڑھیں۔ مریم انگلی تھامے اس کے ساتھ ہی تھی۔ جبکہ چھ ماہ کی جگنو فرہاد کی گود میں تھی۔ یہ بھی شکر تھا جب وہ کہیں جاتی بچے سنبھالنے میں فرہاد اس کی خاصی مدد کر دیا کرتا تھا، ورنہ تو ایسے موقعوں پر خاصی مشکل ہو جاتی، اسٹیج پر ہی اس کی ملاقات صمد کی

بیوی سے بھی ہوئی جو اسے دیکھتے ہی خوشدلی سے مسکرا کر گلے ملی وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی یا شاید آج زینب کو اس کے مزاج میں اپنے لیے گرم جوشی زیادہ محسوس ہوئی۔

"اچھا ہوا آپ آج آگئیں۔ یقین جانیں میں نے کل فرہاد بھائی سے کئی دفعہ آپ کا پوچھا۔" وہ بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔

"دراصل کل مریم کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی' ورنہ ضرور آتی۔"

"اوہو... یہ کون ہے بھئی...."

اپنے عقب سے ابھرنے والی مردانہ آواز سن کر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ جو کوئی تھی اس کی نگاہوں کا مرکز وہی تھی اور شاید اس کا بولا گیا جملہ بھی اس ہی کے لیے تھا اور اگلے ہی پل زینب کا خیال درست ثابت ہو گیا۔

"یہ میری دیورانی ہیں... یعنی فرہاد بھائی کی بیوی۔" صمد کی بیوی نے جواب دیتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ارے میں تو سمجھا آپ کے پاس کوئی لڑکی کھڑی ہے۔"

بات کرنے کے دوران اس کی نگاہیں مسلسل زینب کے اردگرد گھوم رہی تھیں۔ وہ تھوڑی سی نروس ہو گئی۔ جواباً" صباحت زور سے ہنس دی۔

"برا مت مانیے گا۔ یہ میرے فرسٹ کزن ہیں اور مذاق کرنا ان کی ہابی ہے۔"

"آپ نے انہیں میرا نام تو بتایا نہیں' مجھے سالار کہتے ہیں اور آپ کا نام۔"

وہ ابھی بھی اتنی ہی دلچسپی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"زینب..." آہستہ سے اس کے منہ سے نکلا' صباحت اسے وہیں چھوڑ کر نگین کی طرف بڑھ گئی جہاں شاید دولہا کے آنے کے بعد کوئی رسم شروع ہو گئی تھی۔

"آپ کو کبھی کسی نے بتایا نہیں کہ آپ بہت خوب صورت ہیں۔" وہ دھیمے سے اس کے کان کے قریب آکر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ بات میں خود بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس لیے کسی کے بتانے کی مجھے کبھی ضرورت نہیں پڑی۔"

"اوہ... اچھا... ویسے میں نے تو مذاق میں تعریف کی تھی۔ آپ تو سنجیدہ ہی ہو گئیں۔" زینب کی بات سن کر وہ ایسے ہنسا جیسے خوب انجوائے کیا ہو۔

"ایک بات اور..." آگے کی طرف بڑھتے بڑھتے وہ رک گیا۔

"فرہاد کا آپ سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔"

جانے اس نے یہ بات کن معنوں میں کہی تھی۔ زینب سمجھ نہ سکی۔ مگر یہ سچ تھا کہ اسے فرہاد کے بارے میں سالار کا یہ تجزیہ بالکل پسند نہیں آیا۔ اس سے قبل کہ وہ کوئی سخت جواب دیتی وہ جانے کہاں غائب ہو چکا تھا۔ زینب نے اس کی تلاش میں یہاں وہاں نظریں دوڑائیں' وہ تو نظر نہ آیا' مگر کچھ دور کھڑی فضا بھابھی ضرور دکھائی دیں جو عجیب سی نگاہوں سے اسے گھور رہی تھیں۔ شاید وہ کچھ دیر قبل اس کے پاس کھڑے سالار کو دیکھ چکی تھیں۔ اسے ان کی نگاہوں میں اک معنی خیزی سی نظر آئی' پتا نہیں وہ کیا سمجھ رہی تھیں۔ زینب نے گھبرا کر فرہاد کی تلاش میں اپنی نظریں گھمائیں' تاکہ اس سے پوچھے کہ گھر کب واپس جانا ہے' اسے فضا بھابھی کی نظروں نے پزل کر دیا تھا۔ اس لیے اب وہ جلد از جلد اپنے گھر واپس جانا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اور تمہاری ایگزیبیشن کیسی رہی۔" مما اپنے بیگ میں سے اس کے لیے لائے ہوئے گفٹس نکال رہی

تھیں جب پاپا کا سوال سنتے ہی ان کا ہاتھ یک دم رک گیا۔

"وہ تو خیر اچھی رہی میں نے آپ کو تصاویر بھی بھیجی تھیں مجھے اس دفعہ کافی اچھا رسپانس ملا۔" مما اپنی ایگزیبیشن کی کامیابی سے خاصی خوش اور پرجوش تھیں جس کا اندازہ ان کے چہرہ کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"گڈ..." پاپا جواب دے کر کسی گہری سوچ میں گم ہو گئے۔

"میں تو آخری لمحوں تک آپ کی منتظر رہی مگر آپ آئے ہی نہیں جب کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کام ختم ہوتے ہی ایشال کو لے کر آجائیں گے۔" مما بات کرتے کرتے رک گئیں۔ انہوں نے شاید پاپا کی بے توجہی کو بھانپ لیا تھا۔

"کیا بات ہے۔ آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟" مما کی بات پر ایشال نے سر اٹھا کر پاپا پر ایک نظر ڈالی۔

"نہیں تو بس ویسے ہی سر میں درد ہو رہا ہے ابھی چائے پیوں گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے اپنی آنکھیں موند کر بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی۔

"اچھا بیٹا اب تم اپنا سامان اٹھا لو میں تمہارے پاپا کو چائے بنا کر دوں۔"

وہ ہمیشہ پاپا کو چائے خود بنا کر دیتی تھیں بہت کم ہی پاپا سکینہ بوا کے ہاتھ کی چائے پیتے تھے انہیں صرف مما کی بنائی ہوئی چائے ہی پسند تھی۔

"او کے مما..." ایشال سامان سمیٹتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک منٹ بیٹا۔" انہیں شاید کچھ یاد آگیا تھا' ایشال رک گیا انہوں نے جلدی سے بیگ کی زپ کھول کر اندر ہاتھ ڈالا چند سیکنڈ بعد جب ان کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک چھوٹا سا شاپر تھا جو انہوں نے ایشال کی جانب بڑھایا۔

"یہ دیکھو کیسا ہے میں عریشہ کے لیے لائی ہوں۔"

جانتی تھیں کہ ایشال کو عریشہ کے لیے کچھ لینا اچھا لگتا تھا' اس سے قبل کہ ایشال ہاتھ بڑھاتا پاپا نے آگے بڑھ کر مما کے ہاتھ سے شاپر لے لیا اسے کھول کر اندر جھانکا' ایشال کو پاپا کی یہ حرکت کافی عجیب لگی کیوں کہ وہ کبھی بھی اس طرح کی حرکت نہیں کرتے تھے مما بھی ان کے اس عمل پر تھوڑا سا حیران رہ گئیں۔ شاپر میں کچھ جیولری تھی جسے نکال کر اچھی طرح دیکھنے کے بعد پاپا نے واپس اندر رکھ کر اسے ایشال کی جانب بڑھا دیا جسے ایشال نے خاموشی سے پکڑ لیا وہ سمجھ گیا تھا کہ اسے یہ جیولری عریشہ کو خود دینی ہے اسی لیے مما نے اس کے حوالے کی ہے ورنہ وہ خود بھی اسے دے سکتی تھیں۔

"مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔" پاپا نے اپنا ماتھا دو انگلیوں سے رگڑتے ہوئے کہا۔ پریشانی کی شدت سے ان کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں ایشال کو کچھ کچھ اندازہ ہو چکا تھا کہ پاپا کیا بات کرنا چاہ رہے ہیں یہ ہی وجہ تھی کہ وہ اپنی جگہ پر رک گیا۔

"بیٹا آپ اپنے کمرے میں جائیں۔"

مما کبھی کوئی بات بچوں کے سامنے کرنے کی عادی نہیں تھیں یہ بات شروع سے ہی ایشال جانتا تھا اس لیے وہ بنا کچھ کہے باہر کی جانب بڑھا ابھی اس نے قدم ہی اٹھایا تھا کہ پاپا نے آواز دے کر اسے روک دیا۔

"نہیں ایشال اپنے کمرے میں نہیں جائے گا مجھے جو بات کرنی ہے اس کے لیے ایشال کی یہاں موجودگی اتنی ہی ضروری ہے جتنی تمہاری اور میری۔" ایشال کا اندازہ درست تھا وہ رک گیا پاپا کے رویے اور گفتگو نے مما کو خاصا پریشان کر دیا تھا جس کا بخوبی اندازہ ان کی شکل اور مسلسل انگلیاں چٹخاتی حرکت سے ہو رہا تھا۔

"خیریت تو ہے ایسی کیا بات ہو گئی جس کے لیے ایشال کی موجودگی ضروری ہے۔"

مما کی پریشانی ان کی آواز سے ہو رہی تھی اور پھر پاپا نے انہیں سب کچھ بتا دیا اپنا لاہور جانا' ایشال کا نکاح غرض

ہر وہ بات جو ان کی غیر موجودگی میں ہوئی پاپا کی بات ختم ہونے کے بعد مما کا ردعمل اتنا غیر متوقع تھا کہ ایشال دم بخود رہ گیا۔

"واٹ آپ ہوش میں تو ہیں اس زمانے میں ایک ہائی فائی اسکول سے اولیول کرنے والے اپنے ناسمجھ بیٹے کا نکاح آپ کس بنیاد پر کر آئے' اس کی اور اس کی ماں کی مرضی کے بغیر' وہ بھی ایک ایسی بدکردار عورت کی بیٹی کے ساتھ جس کی ماں کے کالے کرتوت آج تک سارے خاندان کو یاد ہیں۔"

اس نے کبھی اپنی ماں کو اس طرح چیختے نہیں سنا تھا وہ تو شروع ہی بہت نرم گفتار تھیں اور اسی سبب پاپا کے دل پر راج کر رہی تھیں آج ان کی اس چیخ و پکار نے ایشال کو معاملے کی سنگینی کا احساس دلایا ضرور کچھ غلط ہوا تھا جس کا اندازہ وہ اپنے پاپا کے چہرے کو دیکھ کر بھی لگا سکتا تھا۔

"میں نے تمہیں بتایا ہے کہ بھابھی کینسر کے آخری اسٹیج پر تھیں اور ان کی موت کے بعد ان کی بیٹی کا کوئی پرسان حال نہ تھا میرے بھائی کی اولاد ہونے کے ناتے وہ میری ذمہ داری تھی اور مجھے اپنی یہ ذمہ داری پوری کرنے کے لیے کسی کی رضامندی کی ضرورت نہیں میں خود اپنے بیٹے کے ولی کے طور پر اس کے ساتھ تھا۔"

"کیوں اس کا وہ عاشق کہاں گیا جس کے ساتھ بھاگ کے اس نے اخبارات میں اپنے اشتہار لگوائے تھے۔" غصہ کی شدت سے کئی سالوں دل میں دبا راز ایک ہی پل میں ہونٹوں تک آگیا۔

اس نے اپنی مما کی زبان سے کبھی ایسے الفاظ نہیں سنے تھے جو وہ اس وقت بول رہی تھیں۔ مما کی گفتگو سنتے ہی ایشال کو اچھی طرح یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ ان خاتون سے کس قدر نفرت کرتی تھیں جن کے گھر وہ پاپا کے ساتھ گیا تھا اور حیرت کی بات تو یہ تھی کہ وہ اس خاتون کو بہت اچھی طرح جانتی بھی تھیں۔ ایشال کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

"پلیز بیگم صاحبہ بہتر ہوگا آپ بچوں کے سامنے اس قسم کی گفتگو کرنے سے گریز کریں۔"

پاپا کی کمزور سی آواز ایشال کے کانوں سے ٹکرائی۔

"کیوں بچوں کو پتا نہ چلے آپ انہیں کس گڑھے میں دھکیلنے والے ہیں ملک صاحب' ہر بیٹی اپنی ماں کی خصلت لے کر دنیا میں آتی ہے اور پھر اس کی تربیت بھی اس ماحول میں ہوئی جہاں اس کی آوارہ ماں جانے کن حالوں میں اسے لے کر رہ رہی تھی ایسی لڑکی کبھی بھی میرے بیٹے کی بیوی بن کر اس گھر میں نہیں آسکتی ایسا کرنے کے لیے آپ کو پہلے مجھ سے جڑا ہر رشتہ ختم کرنا ہوگا۔" پاپا نے شاید ان خاتون کی حمایت میں کچھ کہنا چاہا جسے مما کے آخری جملے نے بالکل ختم کر دیا۔

"ٹھیک ہے اگر آپ ایشال کا رشتہ وہاں سے ختم نہیں کریں گے تو پھر مجھے طلاق دے دیں۔" مما کا لہجہ نہایت ہی سخت اور حتمی تھا اب پاپا کے پاس کوئی الفاظ ایسے باقی نہ بچے تھے جن سے وہ مما کو قائل کر سکتے انہیں مخالفت کی امید تو تھی مگر اتنی شدید مخالفت کا کوئی تصور ان کے ذہن میں نہیں تھا ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اس آخری جملے نے ختم کر دی ان کی سمجھ میں نہیں آیا وہ مزید کیا بات کریں ان کے پاس اب کہنے کے لیے کچھ باقی نہ رہا تھا۔

"ملک صاحب یاد رکھیے گا ہمارا ان سے جو بھی رشتہ تھا وہ ان کا اپنی تین سالہ بیٹی کو لے کر گھر سے بھاگ جانے پر بالکل ختم ہوگیا اب آپ دوبارہ اس گھر میں اس عورت کا نام دوبارہ مت لیجیے گا۔"

ایک بار پھر وہی طعنہ اتنے سالوں بعد بھی ملک صاحب کو شرمندہ کر گیا۔ اپنے بھائی کی بیٹی کو ایک محفوظ پناہ گاہ فراہم کرنے کی ان کی دلی خواہش اس قدر خطرناک موڑ اختیار کر لے گی اس بات کا انہیں بالکل اندازہ نہ تھا اب ان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اس عمر میں وہ اپنا گھر بچائیں یا اپنے بیٹے کا' یہ فیصلہ انہوں نے قدرت پر چھوڑ دیا۔ مما وہیں بیڈ پر بیٹھ کر رونے لگیں۔ ایشال اپنی جگہ بالکل ساکت وصامت کھڑا تھا۔

وہ مسئلہ یقیناً" اس سے تعلق رکھتا تھا مگر اب کمرے میں موجود دونوں افراد کو اس کی موجودگی سے کچھ لینا دینا نہ تھا جس کا اندازہ ان کے اس وقت کے ردعمل کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔ ایشال کے لیے بہتر تھا کہ وہ بنا کسی معاملے میں مداخلت کیے کمرے سے باہر نکل جائے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ مما اور پاپا کے درمیان جو بھی بات ہو اسے اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ مما کی مخالفت اسے اچھی لگی اب پاپا اسے' اس حبس زدہ گھر میں دوبارہ جانے کے لیے کبھی مجبور نہیں کر سکتے وہ مطمئن ہوگیا وہ جانتا تھا کہ مما کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو کوئی بھی واپس نہیں کر سکتا چاہے وہ پاپا ہی کیوں نہ ہوں' وہ سمجھ گیا مما کو وہ آنٹی پسند تھیں اور نہ ہی ان کی سبز دوپٹے والی بیٹی' مما کی اور اس کی سوچ ہمیشہ سے ہی ایک جیسی تھی دونوں کی پسند اور ناپسند بھی ملتی جلتی تھی اسی لیے جتنی عریشہ اسے پسند تھی اتنا ہی مما بھی اسے چاہتی تھیں اور جتنی ناپسند' بنا دیکھے اسے وہ سبز دوپٹہ والی لڑکی آئی تھی غالباً" اتنی ہی وہ اس کی ماں کو بھی ناپسند تھی اس نے مما کے دیے ہوئے شاپر پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا تیزی سے گیٹ کی جانب چل دیا۔

اسے جلد از جلد عریشہ کے پاس پہنچنا تھا وہ مما کی لائی ہوئی ساری جیولری فوراً" اس کو دینا چاہتا تھا اسے پتا تھا کہ اس جیولری کو دیکھ کر وہ کس قدر خوش ہونے والی ہے اور ایشال کو ہمیشہ سے عریشہ کا خوشی سے دمکتا چہرہ اچھا لگتا ابھی بھی وہ صرف اس کے چہرے پر چھائی خوشی دیکھنے کی امید میں گیٹ پار کر کے روڈ پر آگیا جہاں کچھ دور آگے اس کی عزیز از جان ہستی کا گھر تھا جو اسے شاید ساری دنیا سے زیادہ پیاری تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

نفیسہ سعید

ایسا کرب ہے زندگی

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال کی دلچسپی اپنی کزن عریشہ میں ہے۔
حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد سے کراچی آئی ہے۔ شاہ زین کے والد نے اسے اپنے آفس میں اپائنٹ کر لیا شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگا۔
فرہاد تین بھائی ہیں۔ فرہاد کے دونوں بھائی معاشی طور پر مستحکم ہیں اور دونوں اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرتے ہیں جبکہ فرہاد اپنی بیوی زینب اور بچیوں کی ضروریات پوری کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتا ہے جو زینب کو بالکل پسند نہیں۔
فرہاد کے بڑے بھائی کی بیوی فضہ زینب کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہیں اور آئے دن اس حسد کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۲
دوسری قسط



"میں چاہ رہا تھا اس دفعہ آفس کی میٹنگ تم اٹینڈ کرو۔"
پاپا پرسوچ نگاہوں سے اس کی جانب تکتے ہوئے بولے۔
"میں ہے۔" وہ تھوڑا سا حیران ہوا۔
"آپ کیوں نہیں؟" شروع سے آفس کی تمام میٹنگ پاپا ہی اٹینڈ کرتے تھے۔
"اس کی دو وجوہات ہیں۔" پاپا اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے کھنکارے۔
"ایک تو یہ کہ میں چاہتا ہوں اب تم اس سلسلے میں کچھ تجربہ حاصل کرو تمہیں پبلک ڈیلنگ کرنی آئے دوسرا تم جانتے ہو میرا ڈاکٹر زیدی سے اپائنمنٹ ہے اور پھر اسی ہفتے وہ لندن بھی جا رہے ہیں لہٰذا دوبارہ وہ میرا چیک اپ ایک ماہ سے قبل نہیں کر سکتے۔"
"اوہ۔" ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی۔
"ٹھیک ہے آپ میری سیٹ بک کروا دیں تب تک میں اپنے تمام کام سمیٹ لوں" وہ کرسی پیچھے کھسکا کر اٹھ کھڑا ہوا۔
"بیٹا اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں حبیبہ کو بھی تمہارے ساتھ بھیج دوں؟"
پاپا کا جھجکتے ہوئے کیا جانے والا یہ سوال اس کے من کو شانت کر گیا۔
"نہیں پاپا بھلا مجھے کیا اعتراض ہوگا مگر وہ میرے ساتھ جا کر وہاں کیا کرے گی میں یہ نہیں سمجھ پایا۔"
"اسے اپنی کچھ پریزنٹیشن کی تیاری کے حوالے سے یہ میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے اس کے علاوہ وہ بھی اسے وہاں کچھ ضروری کام ہیں اب جب تک تم فارغ ہو گے وہ بھی اپنے کام نبٹا کر تمہارے ساتھ ہی واپس بھی آجائے گی۔"
وہ وہاں کیوں جانا چاہتی تھی یا میٹنگ میں اس کا کیا کام تھا اس سے شاہ زین کو کچھ سروکار نہ تھا اس کی اصلی خوشی تو حبیبہ کا ساتھ تھا جو بے شک عارضی اور چند روزہ تھا مگر شاہ زین کے لیے فی الحال اتنا ہی کافی تھا اس عارضی ساتھ کو مستقل کیسے کرنا ہے یہ وہ کئی عرصہ پہلے سوچ چکا تھا۔
"ویسے آپ نے اس سلسلے میں حبیبہ سے بات کرلی ہے۔"
حبیبہ اس کے ساتھ اکیلی جانے میں شاید کبھی آمادہ نہ ہو اسی خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے پاپا سے سوال کیا۔
"ہاں دراصل حبیبہ کو اپنی کچھ اسناد کی وصولی کے لیے یہاں جانا از حد ضروری تھا اور وہ تنہا جانا نہ چاہ رہی تھی اس لیے میں نے اسے آفر کی کہ وہ تمہارے ساتھ چلی جائے اس کی رضامندی کے بعد ہی میں نے تم سے بات کی ہے۔"
پاپا کی بتائی جانے والی تفصیل کے دوران اس نے شیشے کی دیوار کے اس پار موجود حبیبہ کی ٹیبل پر ایک نظر ڈالی جو اس کے وجود سے خالی تھی۔
"وہ اپنے گاؤں گئی ہے کل صبح تک آجائے گی تمہاری میٹنگ رات میں ہے میں تیمور کو فون کر دیتا ہوں وہ کل شام کی سیٹ بک کروا دے۔"
فون اپنے قریب کرکے وہ تیمور کا نمبر ملانے لگے۔ شاہ زین کمرے سے باہر نکل آیا حبیبہ کے گاؤں جانے کا سن کر اس کا آفس میں مزید جی نہ لگا اور کچھ ہی دیر بعد وہ گھر جانے کے لیے پارکنگ کی جانب آگیا۔



وہ جب سے گھر آئی تھی کچھ گم سم سی تھی اس کی اس کیفیت کو فرہاد نے محسوس ضرور کیا مگر بولا کچھ نہیں۔

زینب نے خاموشی سے اپنے کپڑے تبدیل کیے اور سادیہ کا سوٹ لپیٹ کر شاپر میں ڈال کر رکھ دیا' مریم اور جگنو دونوں سو گئی تھیں وہ ہمیشہ کہیں سے آنے کے بعد رات میں چائے ضرور پیتی تھی مگر آج ایسا نہ ہوا کپڑے تبدیل کر کے منہ ہاتھ دھو کر وہ خاموشی سے بستر پر آکر لیٹ گئی۔

"زینب۔"

فرہاد سے اس کی یہ خاموشی برداشت نہ ہوئی۔

"جی۔" وہ چت لیٹی جانے چھت پر کیا ڈھونڈ رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟ کیا تمہیں وہاں کسی نے کچھ کہا ہے؟"

وہ اس کی خاموشی سے یہ ہی نتیجہ اخذ کر سکا۔

"نہیں مجھے کوئی کیوں کچھ کہے گا۔" وہ اپنے خیالوں سے چونکی' فرہاد کی جانب دیکھا۔

"کہیں اسے فضہ بھابھی نے کچھ نہیں جتا دیا میرا سالار سے بات کرنا انہیں خاصا ناگوار لگ رہا تھا۔" یہ خیال ذہن میں آتے ہی وہ بے چین سی ہو گئی۔

"نہیں تو ویسے بھی عادت ایک کی چار بنانے کی۔" اسی خوف نے اس کے دل میں پنجہ گاڑا ہوا تھا۔

"جب سے تم واپس آئی ہو اس قدر خاموش کیوں ہو؟"

"ویسے ہی تھک گئی ہوں۔" اس نے اپنی آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کی۔

"آج تمہارا سوٹ بہت اچھا لگ رہا تھا۔" دیر سے فرہاد کے دل میں آئی بات اس کی زبان پر آ گئی۔

"میرا نہیں سادیہ کا سوٹ۔" وہ جتاتے ہوئے بولی۔

"ہاں مگر پہنا تو تم نے ہی تھا نہ اسی لیے تمہارا ہی کہوں گا۔" فرہاد اس کا طنز سمجھ نہ پایا۔

"اچھا۔۔۔"

وہ کروٹ لے کر سوتی بن گئی کیوں کہ اس کا دل اب مزید اس موضوع پر بات کرنے کو بالکل نہ چاہ رہا تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہی بنا سوچے سالار کا سراپا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"آپ کو کبھی کسی نے بتایا نہیں کہ آپ بہت خوب صورت ہیں۔" اس کی آواز زینب کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں تعریف تو آج اس کی فرہاد نے بھی کی تھی مگر کس قدر فرق تھا دونوں کی تعریف میں' فرہاد کی تعریف ڈھکے چھپے لفظوں میں تھی اور سالار کی کھلے الفاظ میں بنا کسی جھجک کے' وہ لبوں ہی لبوں میں مسکرا دی کسی نے سچ کہا ہے عورت ہمیشہ اپنی تعریف کی بھوکی ہوتی ہے' جھوٹے الفاظ میں کی جانے والی تعریف بھی کسی سخت دل عورت کے دل کو نرمانے کے لیے کافی ہے' ابھی بھی زینب کا دل چاہا کہ فرہاد اس کے حسن کی تعریف کرے ایسی تعریف جس میں سادیہ کے کپڑوں کا ذکر نہ ہو اس خیال کے آتے ہی اس نے پلٹ کر دیکھا' فرہاد کی بند آنکھیں دیکھ کر وہ اپنا دل مسوس کر رہ گئی۔ وہ گہری نیند کی وادیوں میں اتر چکا تھا جس کا ثبوت اس کے حلق سے برآمد ہونے والے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز دے رہی تھی۔



"بھائی اب آپ بھی شادی کر لو۔" کئی دنوں سے رابعہ اس سے یہ بات کرنا چاہ رہی تھی اور آج اسے قدرت نے خود موقع فراہم کر دیا ورنہ تو وجاہت جب بھی کھانا کھانے اس کے گھر آتا اتنی افراتفری میں ہوتا کہ وہ چاہ کر بھی بات نہ کر پاتی' مگر آج شاید وہ کچھ فرصت میں تھا اس لیے اطمینان سے چھوٹی ٹیبل اپنے سامنے رکھے رابعہ کے روٹی پکنے کا انتظار کر رہا تھا۔ رابعہ نے جلدی جلدی سالن پلیٹ میں نکالا گرم روٹی کپڑے میں لپیٹی اور کھانا اس کے سامنے لا کر رکھا اور ساتھ ہی اپنے دل میں آیا مدعا بیان کر دیا۔

"کیوں کیا تمہیں میری دو روٹیاں پکانی مشکل لگتی ہیں؟" ٹرے اپنے سامنے کھسکاتے ہوئے وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ بھلا آپ جیسے بھائی کی دو روٹیاں بھی کسی بہن پر بھاری ہو سکتی ہیں آپ کے لیے تو ہماری جان بھی حاضر ہے۔" وہ قدرے برا مانتے ہوئے بولی۔

"جانتا ہوں پاگل لڑکی یہ تم لوگوں کی محبت ہی تو ہے جو۔۔۔ زندگی میں یہ سب کچھ کیا ورنہ تو تنہا میں کچھ بھی نہ تھا۔"

"آپ میری بات کو گھمائیں مت' جو میں نے کہا ہے مجھے اس کا جواب دیں۔"

"کس بات کا جواب؟" وجاہت جان بوجھ کر انجان بنا۔

"اچھا بتاؤ تم نے مچھلی فائزہ کے گھر بھیج دی تھی۔" فائزہ ان کی سب سے چھوٹی بہن تھی جس کی شادی کے فرض سے تین سال قبل ہی وجاہت فارغ ہوا تھا اور وہ رابعہ کے گھر سے دو اسٹاپ دور رہتی تھی۔

"ہاں بھیج دی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ آپ شکار کر کے لائے ہو۔ رستم کا حصہ فریز کر کے رکھ دیا ہے جب آپ حیدر آباد جاؤ تو لے جانا اور کچھ پوچھنا ہے آپ کو تو وہ بھی ابھی پوچھ لیں۔"

وہ غصہ سے منہ بناتے ہوئے بولی۔ کھانا کھاتے وجاہت نے اپنی چھوٹی بہن کے پھولے ہوئے منہ کو دیکھا تو ہنس دیا جانتا تھا کہ اس کی بہنیں اس سے کس قدر پیار کرتی ہیں۔

"چلو تم ناراض مت ہو اور مجھے یہ بتاؤ کہ اس عمر میں کون بے وقوف لڑکی ہو گی جو مجھ سے شادی کرے گی۔"

وہ خاصا حقیقت پسند شخص تھا اور ہر بات کو گہرائی سے جانچنے کا عادی تھا۔

"کیا مطلب اس عمر میں' اللہ خیر کرے ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے بمشکل پینتالیس سال اور دیکھنے میں تو آپ چالیس سے بھی زیادہ کے نہیں لگتے ویسے بھی بھائی آپ کس طرح ساری زندگی تنہا گزاریں گے' ساری دنیا جانتی ہے کہ کیسے آپ نے ہم تینوں بہن بھائیوں کے فرض نبھائے ہیں اسی میں آپ کا بچپن اور جوانی گزر گئی تو کیا اب ہمارا فرض نہیں ہے کہ ہم بھی کچھ ایسا سوچیں جو آپ کی زندگی کو سہل کردے کم از کم آپ کو گھر میں دو وقت پکی ہوئی روٹی تو ملے اب یہ مت کہہ دینا کہ ہمیں آپ کی روٹی بھاری ہے۔"

وجاہت کی کہی ہوئی بات کو اس نے پھر سے جتلایا۔

"میرا خیال ہے کہ میرے لیے تم لوگ کافی ہو اب میرے دل میں شادی بیاہ کی کوئی خواہش باقی نہیں رہی اور نہ ہی یہ عمر ایسے چونچلے کرنے کی ہے۔"

وہ اپنا کھانا ختم کرچکا تھا' اسی لیے کرسی کھسکاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا "بہرحال آپ کچھ بھی کہو میں نے خالہ خالہ سے کہہ دیا ہے کہ وہ آپ کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی ہو کھائے اور اب جو لڑکی مجھے پسند آئے گی آپ کو اس سے شادی بھی کرنا پڑے گی۔"

وہ باقاعدہ دھونس جماتے ہوئے بولی' وجاہت نے کوئی جواب نہ دیا صحن میں لگا نلکا کھول کر اچھی طرح منہ دھویا اور قریبی تار پر پھیلے تولیہ سے صاف کیا تولیہ تار پر واپس ڈالا رابعہ کی بات کو قطعی نظر انداز کرتا وہ خاموشی سے باہر نکل گیا وہ سائٹ پر اپنا کام ادھورا چھوڑ کر کھانا کھانے گھر آیا تھا اب اسے واپس جا کر پھر سے کام شروع کروانا تھا اور ویسے بھی اپنے باپ کی وفات کے بعد بہت ہی چھوٹی عمر سے وہ اپنے گھر کی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے خود سے قطعی غافل ہو چکا تھا وہ عمر جس میں عشق و عاشقی کے خواب دیکھے جاتے ہیں اس عمر میں اس نے اپنی ماں کے ساتھ مل کر محنت مزدوری کرتے ہوئے اپنے چھوٹے بہن بھائی پالے اپنی حیثیت کے مطابق انہیں تعلیم دلا کر اچھی جگہ ان کی شادیاں کیں' جب تک اس کی ماں زندہ رہی اسے کبھی کسی بہن کے گھر کھانا کھانے بھی نہ جانا پڑا مگر اب ماں کی وفات کے بعد وہ اکثر رابعہ کے گھر سے ہی کھانا کھاتا کیونکہ باہر کا کھانا اس کا معدہ ہضم نہ کرتا تھا اس کے بدلے وہ ہمیشہ رابعہ کو کچھ نہ کچھ دیتا رہتا باوجود اس کے منع کرنے کے اس کا چھوٹا بھائی رستم حیدر آباد میں رہتا تھا وہیں کسی میڈیسن کمپنی میں اس کی اچھی جاب تھی جبکہ اس کی بیوی کا تعلق بھی حیدر آباد سے ہی تھا وجاہت مہینے ایک بار' ایک ہی دن کے لیے سہی پر حیدر آباد کا چکر ضرور لگاتا کیونکہ جب تک وہ رستم کو دیکھ نہ لیتا اسے سکون بھی نہ ملتا۔



وہ عریشہ کی سنگت میں بڑی خوشی خوشی گھر کے اندر داخل ہوا مگر سامنے موجود اپنے پاپا کو دیکھتے ہی کچھ عجیب سا ہو گیا حالانکہ اس کے پاپا نے کبھی بھی عریشہ اور اس کی دوستی پر کوئی اعتراض نہ کیا تھا ویسے بھی وہ اس کے اکلوتے ماموں کی بیٹی تھی مگر پھر بھی جانے کیوں اسے اکثر ایسا محسوس ہوتا جیسے پاپا کو ان دونوں کا ساتھ بالکل پسند نہیں ہے یہی وجہ تھی جو اس وقت پاپا کو اچانک گھر میں موجود دیکھ کر وہ کچھ پزل سا ہو گیا اور گھبرا کر عریشہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"السلام علیکم انکل" ایشال کے اشارہ کرکے متوجہ کرنے پر اس نے ملک صاحب کو سلام کیا ورنہ عام طور پر وہ ایسی فارمیلٹی نبھانے کی قطعی قائل نہ تھی ملک صاحب نے اپنے سامنے پھیلے اخبار سے نظریں اٹھا کر ذرا کی ذرا اس پر ایک نظر ڈالی جینز کے ساتھ چھوٹی سی سلیولیس ٹاپ کندھوں تک آتے سلکی کالے بال دھوپ سے اندر آنے کے باعث اس کے گورے رنگ میں ہلکی سی سرخی گھل گئی تھی ان کے تصور میں وہ سیدھی سادی گندمی رنگت والی لڑکی آگئی جس کا نام وہ اپنے بیٹے کے نام کے ساتھ جوڑ چکے تھے بنا یہ جانے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا اور شاید ایسا انہوں نے صرف اپنے بھائی کی محبت میں کیا تھا مگر جب وہ ایشال اور عریشہ کو ایک ساتھ دیکھتے انہیں اپنے

فیصلے کی غلطی کا احساس ہوتا انہیں لگتا انہوں نے کوئی بھی قدم اٹھانے میں جلد بازی سے کام لیا ہے۔

"وعلیکم السلام۔ کہاں سے آرہے ہو تم لوگ۔" بظاہر ان کا سوال بڑا سرسری سا تھا مگر جانے کیوں اس سوال میں ایشال کو کچھ ایسا نظر آیا کہ وہ تھوڑا سا گڑبڑا گیا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔

"ہم لنچ کرنے گئے تھے انکل....."

تھوڑی دیر ایشال کی طرف سے جواب کا انتظار کرنے کے بعد عریشہ نے خود ہی جواب دینا بہتر جانا ویسے بھی وہ خاصی پر اعتماد سی لڑکی تھی۔

"دراصل میں آپ کو شاید علم نہیں میرا یو کے میں ایڈمیشن ہو گیا ہے اور میں جلد ہی وہاں جانے والی ہوں اسی سلسلے میں آج میں نے ایشال کو ٹریٹ دی تھی۔"

خوشی خوشی اس نے ساری تفصیل سے انہیں آگاہ کیا۔

"وہ گڈ یہ تو بہت اچھی بات ہے بہت بہت مبارک ہو تمہیں بیسٹ آف لک۔"

عریشہ کے جانے کی خبر سن کر انہیں دلی طور پر خوشی ہوئی وہ ایسے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھے جب ایشال کو عریشہ سے تھوڑا دور کرکے اس کی منکوحہ سے ملنے کے موقع فراہم کیا جائے ان کا خیال تھا کہ شاید اس طرح وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آسکیں گے مگر عریشہ کی اگلی بات نے انہیں پل بھر کے لیے سن کر دیا۔

"اصل میں انکل ایشال نے بھی ایڈمیشن کے لیے میرے ساتھ ہی اپلائی کیا تھا مگر پتا نہیں کیوں اسے انٹرویو کے لیے لیٹ کال کیا گیا ہے میرا خیال ہے کہ دو دن بعد اس کا بھی انٹرویو ہے کیوں ایشال تم نے انکل کو بتایا نہیں۔"

اپنے بال کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے اس نے ایشال سے پوچھا ملک صاحب کے چہرے پر چھائی حیرانی بھانپ کر وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ وہ اس اطلاع سے بے خبر ہیں جب کہ ایشال، عریشہ کے اس بے موقع سچ پر تھوڑا سا بوکھلا گیا اس کے اس عمل کی اطلاع صرف ماما کو تھی بلکہ یہ قدم ہی اس نے ان ہی کی ایما پر اٹھایا تھا ان کا خیال تھا کہ ملک صاحب کی گلے ڈالی جانے والی بلا سے بچنے کا اس سے بہتر حل کوئی اور نہ تھا اور وہ سارا پروسیس مکمل ہونے کے بعد اس کی اطلاع گھر کے دیگر افراد کو دینا چاہتی تھیں۔ بشمول پاپا مگر عریشہ نے ایک سیکنڈ میں پٹر پٹر بول کر سارا بھانڈا پھوڑ دیا اب اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے۔

"تم نے ایڈمیشن کے لیے کب اور کہاں اپلائی کیا ہے۔"

پاپا نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے ایسے ظاہر کیا جیسے یہ اطلاع ان کے لیے کسی خاص اہمیت کی حامل نہ ہو ان کے دل میں کیا تھا اس کا اندازہ چہرے سے لگانا فی الحال مشکل ہی نہیں اس کی عمر کے حساب سے ناممکن بھی تھا۔

"میں نے بھی اسی یونی میں اپلائی کیا ہے۔ جس میں عریشہ کا ایڈمیشن ہوا ہے اور یہ یو کے کی ایک اچھی یونی ورسٹی ہے۔"

"اچھا....."

اس کی ساری وضاحت کے جواب میں وہ فقط اتنا ہی بولے اور پھر سے اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گئے ایشال نے عریشہ کو اشارہ کیا اور دونوں ان کے پاس سے گزرتے ہوئے اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔



زینب کے گھر کے اوپر پورشن کی تیاری کا کام تکمیل کے آخری مراحل میں تھا اوپر والا حصہ اتنی جلدی مکمل ہوا کہ کبھی کبھی زینب بھی حیران رہ جاتی اور یہ صرف فرہاد ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا ان چھ ماہ میں اس نے اس گھر کی تیاری کے لیے دن رات ایک کر دیے تھے وہ اسٹور کے بعد جتنا ٹائم بچتا مزدوروں کے سر پر کھڑا رہتا اس کے

علاوہ اس نے گھر کے اخراجات سے بھی مزید ہاتھ کھینچ لیا تھا اس امر میں کی جانے والی زینب کی ہر شکایت کا اس کے پاس ایک ہی جواب ہوتا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے ان ہی کے لیے کر رہا ہے اور یہ کہ اسے کچھ بھی اپنے ساتھ لے کر قبر میں نہیں جانا' پل بھر کو زینب کا دل چاہتا کہ پوچھے جب جوانی ہی دو کپڑوں میں گھل سڑ کر گزر گئی تو پھر کیا فائدہ سینت سینت کر جمع کیے گئے ان تمام پیسوں یا کسی بھی جائیداد کا۔

"دیکھو زینب تمہاری تمام شکایات بجا مگر یہ بھی تو سوچو کہ ہماری دو دو بیٹیاں ہیں کل کو ان کی شادیاں کرنی ہیں اور پھر میں ساری زندگی اتنی محنت نہ کر سکوں گا تو بہتر نہیں ہے کہ بڑھاپے کے لیے کچھ بچا لیا جائے۔"

عید کی تیاری کے حوالے سے اس نے جو شاپنگ زینب کو کروائی تھی وہ اسے لے کر ابھی تک ناراض تھی' فرہاد نے ہر چیز کم سے کم پیسوں میں خریدنے کی کوشش کی تھی اس کا کہنا تھا کہ ابھی مکان میں رنگ و روغن' فرش کی تیاری اور دیگر چھوٹے چھوٹے کاموں کی مد میں خاصی رقم چاہیے وہ مکان کرائے پر چڑھاتے ہی ایڈوانس کی رقم سے اس کی کچھ مزید خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرے گا۔"

مگر وہ جانتی تھی کہ یہ فرہاد کا وہ وعدہ ہے جو ساری عمر وفا نہیں ہونا اب اس سے مزید کچھ کہنا بے کار تھا' سارا سامان اسی طرح چارپائی پر ہی چھوڑ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر اگلے چند دنوں میں اوپر والا پورشن مکمل طور پر تیار ہو گیا اس دن فرہاد کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی وہ زینب کو پورشن دکھانے کے لیے اوپر لے گیا چھ ماہ میں پہلی بار وہ اوپر آئی تھی دن میں وہاں کوئی نہ کوئی مزدور کام کر رہا ہوتا اور شام کے بعد چھا جانے والے اندھیرے کے باعث وہ کبھی بھی اوپر نہ آتی آج جو اوپر آئی تو پورا پورشن دیکھ کر حیران رہ گئی فرہاد کا دل کھول کر لگایا گیا پیسہ نظر آرہا تھا چپس کا دانے دار رنگین فرش بالکل ویسا جیسا فضہ بھابھی کے گھر کا تھا' کمروں کے ساتھ ملحق اٹیچ باتھ جو اس کے باتھ روم سے لاکھ درجے اچھے تھے۔

"میرا خیال ہے تم نیچے والا پورشن کرایہ پر دے دو ہم اوپر شفٹ ہو جاتے ہیں۔"

پورے گھر کا ایک چکر لگانے کے بعد وہ پورے استحقاق سے بولی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔"

فرہاد نے گیلری کا دروازہ کھولتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"جانتی ہو نیچے والے گھر میں کتنا کام ہے کون اس کا اتنا کرایہ دے گا جتنا میں نے اس حصہ کی ڈیمانڈ کی ہے اور دو پارٹیاں تو تیار بھی ہو گئی ہیں انہیں صرف ایڈوانس کا تھوڑا مسئلہ ہے جیسے ہی وہ طے ہو گیا مکان کرائے پر چڑھ جائے گا۔"

فرہاد کے اتنے روکھے جواب نے زینب کو بالکل خاموش کر دیا۔ "ویسے بھی نیچے والا حصہ ٹھنڈا ہے اوپر چادروں کی چھت کے باعث گرمی زیادہ ہے اور اتنی گرمی بچیاں برداشت نہیں کر سکتیں۔"

اپنے دو ٹوک جواب کے نتیجے میں وہ زینب کی خاموشی غالباً بھانپ چکا تھا اسی لیے اپنی بات کو دوسرا رخ دیتے ہوئے بولا۔

"کاش یہ بچیوں کے بجائے گرمی کے حوالے سے میرا بھی کچھ احساس کر لیتا۔"

ایک منفی سوچ اس کے دماغ میں آ کر دل میں اتر گئی مگر بولی وہ اب بھی کچھ نہیں اور پھر جب تک وہ اوپر رہی بالکل خاموش رہی اس دن کے بعد سے اس نے اس حوالے سے دوبارہ فرہاد سے کوئی بات نہ کی' مکان کرائے پر چڑھ گیا اس کا کرایہ آنا شروع ہو گیا' مگر اس اضافی آمدنی سے بھی فرہاد کے رد عمل میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی گھر اور زینب کے اخراجات کے حوالے سے جیسا وہ شروع دن سے تھا ویسا ہی ابھی بھی تھا دانتوں سے پکڑ کر پیسہ خرچ کرنے والا۔



"ایشال نے یو کے یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے لیے اپلائی کیا اور تم نے مجھ سے اس بات کا ذکر کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔"

وہ جب کمرے میں آئے تو سامنے ڈریسنگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھی اپنی نصف بہتر سے شکایت کیے بنا نہ رہ سکے۔

"آپ کو پتا تو تھا کہ اس کا اے لیول مکمل ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ اسے آگے اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے کسی نہ کسی یونی ورسٹی میں اپلائی تو کرنا ہی تھا پھر اس میں اتنی حیرت والی کیا بات ہے اور ویسے بھی ملک صاحب آج کل کے بچے اپنے سب کام خود کرنے کے بعد والدین کو اطلاع دیتے ہیں' بھائی صاحب کو بھی اسی دن پتا چلا تھا جس دن عریشہ اپنے انٹرویو میں کامیاب ہوئی تھی۔"

اب اس میں کتنا سچ تھا کتنا جھوٹ وہ جانچ نہ سکے۔

"پاکستان میں دنیا بھر کی بہترین یونیورسٹیاں موجود ہیں پھر کیا ضرورت ہے اسے ملک سے باہر جانے کی' اپنی تعلیم وہ یہاں کی کسی اچھی یونیورسٹی میں مکمل کر سکتا ہے۔"

"آپ نے پاکستان کے حالات دیکھے ہیں۔"

ہاتھوں پر لوشن ملتے ہوئے انہوں نے ڈریسنگ کے شیشے میں نظر ڈالی انہیں اپنے بالکل عقب میں ملک صاحب کا عکس دکھائی دیا ایک عجیب سی بے چینی ان کے چہرے پر واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی اس پریشانی کے پس منظر میں کیا تھا وہ بنا پوچھے جان چکی تھیں مگر اس وقت اس حوالے سے کوئی بات کر کے وہ ماحول خراب نہ کرنا چاہتی تھیں۔

"تو کیا ان حالات کے باعث پاکستان کے بچوں نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے؟"

انہوں نے ذرا سا رک کر سانس لیا۔

"اللہ کا شکر ادا کرو ہمارے بچے بہترین گاڑیوں میں سفر کر کے' یہاں کے بہترین اسکول میں تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں۔ ان حالات میں تو وہ بچے بھی پڑھ جاتے ہیں جو بسوں میں دھکے کھاتے ہیں ان کی رہائش بھی ان علاقوں میں ہے جہاں کے حالات ہم سے بھی زیادہ سنگین ہیں ہم جیسے پوش ایریا میں رہنے والے اپر کلاس کے لوگوں کو ان حالات سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور جنہیں فرق پڑتا ہے وہ ان حالات سے گھبرائے بنا اپنی ہر طرح کی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔"

"کل اس کا انٹرویو ہے دعا کریں کہ وہ کامیاب ہو جائے۔"

ملک صاحب کی ساری باتوں کا مختصر سا جواب دے کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں ملک صاحب کا دل چاہا وہ پوچھیں ایشال کے اس طرح ابروڈ چلے جانے کے بعد اس لڑکی کا کیا ہو گا جو اس کے نکاح میں ہے مگر پچھلے تین سالوں سے جس طرح وہ اس مسئلہ پر خاموش تھے ابھی بھی خاموش ہو گئے فی الحال خاموشی ہی ان کے حق میں بہتر تھی۔



وہ میٹنگ اٹینڈ کرنے کے لیے ایئرپورٹ سے ہی سیدھے ہوٹل پہنچے آفس کی گاڑی بمعہ ڈرائیور ان کے ساتھ تھی' میٹنگ کے بعد ڈنر سے فارغ ہوتے ہوئے گیارہ بج گئے شاہ زین نے محسوس کیا کہ اس پہلی بزنس میٹنگ میں شاید غیر ارادی طور پر حبیبہ نے اس کی کافی مدد کی ہے حبیبہ کی خود اعتمادی اور دیگر معلومات نے اسے جگہ جگہ چونکایا گاؤں کی رہائشی ایک لڑکی اتنی قابل اور پر اعتماد بھی ہو سکتی تھی وہ حیرت زدہ تھا حبیبہ کی اس مدد کے بدلے اس نے دل سے اس کا شکریہ ادا کیا جسے قبول کرتے ہوئے وہ کافی خوش دکھائی دی ڈنر کے بعد اسے قریبی ایک ہوٹل جانا تھا

جہاں اگلے اٹھارہ گھنٹوں کے لیے اس کا روم بک تھا کیونکہ کل کا سارا دن حبیبہ نے یہاں رہ کر اپنے کچھ کام مکمل کرنے تھے اور پھر اسی دن رات میں ان کی واپسی تھی اسے اپنے روم کی بکنگ کا پتا تھا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ حبیبہ نے رات کہاں گزارنی ہے اس کشمکش و پیچ میں وہ ڈائننگ ہال سے نکل کر پارکنگ کی جانب آ گیا جہاں اس کی گاڑی کے قریب ہی ایک دوسری گاڑی بھی موجود تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک باریش شخص سر پر ٹوپی لیے موجود تھا۔

"سلام چاچا جی......"

گاڑی میں بیٹھے شخص کو دیکھتے ہی حبیبہ اس کی جانب لپکی۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔"

جواب کے ساتھ ہی اس نے پیچھے کا لاک کھول دیا۔

"سر میری گاڑی آ گئی ہے میں اپنی آنٹی کے گھر جا رہی ہوں جہاں سے اپنے تمام کام ختم کرتے ہی میں ان شاء اللہ کل شام تک آپ کے پاس پہنچ جاؤں گی ویسے آپ کا موبائل نمبر میرے پاس ہے اگر ضرورت پڑی تو میں آپ سے خود ہی رابطہ کر لوں گی اللہ حافظ۔"

اپنی بات ختم کر کے وہ شاہ زین کا کوئی بھی جواب سنے بغیر گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی اگلے ایک سیکنڈ میں گاڑی ریورس ہو کر نہایت تیزی سے اس کے قریب سے گزر گئی اندر بیٹھی حبیبہ کا چہرہ اتنا بے تاثر تھا جیسے وہ باہر کھڑے شاہ زین کو بالکل جانتی ہی نہ ہو اس کے اس رویہ نے شاہ زیب کو تھوڑا سا حیران کر دیا۔

"بندہ پاس سے گزرتے ہوئے ہاتھ ہلا کر اسمائل ہی پاس کر دیتا ہے حد ہے ایسے پاس سے گزر گئی جیسے جانتی ہی نہ ہو۔"

دھیرے دھیرے آگے بڑھتی حبیبہ کی گاڑی کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنے دل میں سوچا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا دوسرے ہی پل گاڑی میں بیٹھا وہ اپنی مطلوبہ منزل کی جانب رواں دواں تھا۔



پیسے جمع کر کے فرہاد نے ایک چھوٹی سی سیکنڈ ہینڈ گاڑی خرید لی جسے دیکھ کر پہلی بار زینب کو تھوڑی سی خوشی کا احساس ہوا بے شک یہ گاڑی اسفند اور صمد بھائی کی گاڑیوں جیسی عالیشان نہ تھی مگر پھر بھی کسی لگژری کی جانب رکھا جانے والا وہ پہلا قدم تھا جس نے زینب کے دل میں کئی امیدیں جگا دی تھیں جب شام میں وہ فرہاد اور اپنی دونوں بچیوں کے ساتھ سی ویو گئی تو خاصی خوش تھی مریم اور فرہاد سارا ٹائم پانی میں رہے جبکہ وہ جگنو کو گود میں لیے باہر بینچ پر بیٹھی رہی اسے پانی میں جانا کچھ خاص پسند نہ تھا اسی لیے وہ مریم اور فرہاد کو انجوائے کرتا دیکھ کر خوش ہوتی رہی ان دونوں کے پانی سے باہر نکلتے ہی وہ گھر جانے کے لیے سامنے پارک کی ہوئی گاڑی کے قریب آ گئے۔

"تم یہاں رکو میں کچھ کھانے کے لیے لاتا ہوں۔"

مریم کی انگلی پکڑے وہ سامنے کھڑے برگر کے ٹھیلے کی جانب بڑھ گیا زینب نے جگنو کو گاڑی میں بٹھایا اور خود گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی جب جانے کہاں سے یک دم ہی سالار اس کے سامنے آن کھڑا ہوا زینب کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک آ گئی جبکہ زینب ایسے ہو گئی جیسے اسے جانتی ہی نہ ہو۔

"ارے آپ یہاں اکیلی کیا کر رہی ہیں۔"

وہ ایسے بولا جیسے دونوں کے درمیان صدیوں کی جان پہچان ہو۔

"میں اکیلی نہیں اپنی فیملی کے ساتھ ہوں۔" زینب کا جواب خاصا روکھا تھا۔

"میرا خیال ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔" اس کی آنکھوں میں اپنے لیے موجود اجنبیت کا احساس ہوتے ہی سالار نے پوچھا اس کی توقع کے برعکس زینب کے چہرے پر پہچان کی کوئی رمق تک نہ تھی۔

"جی آپ کا خیال بالکل درست ہے۔" وہی پرانا سپاٹ لہجہ' سالار تھوڑا شرمندہ سا ہو گیا۔

"میں سالار ہوں مسز صمد کا فرسٹ کزن' میرا خیال ہے کہ نگین کی شادی کے موقع پر ہماری ملاقات ہو چکی ہے اینی وے ایک منٹ رکیں میں آپ کو اپنی مسز سے ملواتا ہوں۔"

اس کے جواب کا انتظار کیے بنا ہی وہ واپس پلٹ گیا۔

"مسز۔" زینب نے دل ہی دل میں دوہرایا سالار کے منہ سے اسے یہ لفظ بالکل بھی اچھا نہ لگا اب تک وہ اسے کنوارا ہی سمجھ رہی تھی اور پھر فوری طور پر سالار کی واپسی ایک دبلی پتلی لڑکی کے ساتھ ہوئی جو اپنی سانولی سلونی رنگت کے ساتھ سر پر لیے بلیک اسکارف میں زینب کے سامنے بالکل ماند دکھائی دے رہی تھی۔

"جانے اللہ تعالیٰ بندوں کے جوڑ کیا سوچ کر بناتا ہے۔" اس لڑکی کے پاس سے آتی قیمتی پرفیوم کی خوشبو اور مہنگے ترین لباس کو دیکھتے ہی وہ بے اختیار اللہ سے شکوہ کر بیٹھی۔

"سچ ہے نصیب کا تعلق خوبصورتی سے نہیں ہوتا ورنہ شاید آج وہ دنیا کی بانصیب عورتوں میں سے ایک ہوتی۔" شاید وہ لوگوں کے ظاہر سے متاثر ہونے کی عادی ہو چکی تھی۔

"السلام علیکم۔" لڑکی قریب آکر اس سے بڑے تپاک سے ملی۔

"وعلیکم السلام۔" اس کے انداز میں گرم جوشی کا فقدان تھا اس لڑکی کا کیا نام تھا وہ جاننا نہ چاہتی تھی وہ مسز سالار تھی بس اس کا اتنا تعارف ہی زینب کے لیے کافی تھا۔

"سالار نے آپ کی جتنی تعریف کی تھی آپ اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں۔"

زینب نے حیرت سے اسے تکا' کسی قسم کا کوئی حسد اس کے لہجہ میں نہ تھا زینب کو دیکھ کر وہ واقعی خوش ہوئی تھی جس کا احساس اس کے چہرے کو دیکھ کر لگایا جا سکتا تھا ورنہ عام طور پر کوئی عورت اپنے میاں کے منہ سے کسی دوسری عورت کی تعریف سننا پسند نہیں کرتی جانے یہ کیسی لڑکی تھی' زینب ابھی تک حیران تھی۔

"او ہو یہ سالار صاحب یہاں کیسے آ گئے۔"

وہ اس لڑکی کا جائزہ لینے میں اتنی مگن تھی کہ فرہاد کب واپس آیا اسے پتا ہی نہ چلا اب جو پلٹ کر دیکھا تو فرہاد کے ہاتھ میں پکڑا برگر کا تھیلا دیکھ کر عجیب شرمندہ سی ہو گئی۔

"میں ابھی کچھ دیر قبل جب آپ سامنے ٹھیلے پر کھڑے تھے۔" سالار نے بھی فرہاد ہی کے انداز میں ہنستے ہوئے جواب دیا مگر جانے کیوں اسے محسوس ہوا جیسے اس نے ٹھیلے کا ذکر جان بوجھ کر کیا ہے۔

فرہاد نے ہاتھ میں پکڑا تھیلا ان کی جانب بڑھایا' زینب شرمندگی سے وہیں زمین میں گڑ گئی سالار کی موجودگی میں اسے خود بھی ٹھیلے سے خریدے گئے یہ برگر کچھ عجیب سے لگ رہے تھے اوپر سے ستم ظریفی کہ فرہاد انہیں بھی آفر کر بیٹھا۔

"نہیں شکریہ فرہاد بھائی اصل میں ہم سامنے ریسٹورنٹ میں ڈنر کرنے جا رہے ہیں بلکہ میں تو آپ سے یہ کہوں گا کہ آپ لوگ بھی آ جائیں مل کر انجوائے کریں گے۔"

سہولت سے فرہاد کو انکار کرتے ہوئے اس نے خود اپنی آفر دے دی۔

"نہیں یار پھر کس ٹائم اکٹھے انجوائے کریں گے ابھی تو ہم گھر جا کر آرام کریں گے بچے کافی تھک گئے ہیں۔"

سالار سے گلے مل کر وہ گاڑی میں آ بیٹھا گاڑی کے آگے بڑھتے ہی غیر ارادی طور پر زینب نے سائیڈ کے شیشے سے پیچھے اس جگہ دیکھا جہاں سالار اپنی بیوی کے ساتھ کھڑا تھا وہ کچھ دیر زینب کی گاڑی کو جاتا دیکھتا رہا اور پھر

قریب موجود اپنی بڑی سی سلور کار میں بیٹھ گیا اور جب فرہاد نے اگلے روڈ سے موڑ کاٹ کر گاڑی دوسری سڑک پر ڈالی تو سڑک کے دوسری جانب بنے ریسٹورنٹ کے دروازے سے سالار اور اس کی بیوی اندر داخل ہو رہے تھے۔
زینب نے جوس ختم کر کے خالی ڈبا باہر روڈ پر پھینک دیا' برگر کھانے کو اس کا دل بالکل بھی نہ چاہا حالانکہ جب فرہاد یہ برگر خریدنے گیا تھا تو اس وقت اس کی بھوک خوب چمک رہی تھی اور وہ بے صبری سے فرہاد کی واپسی کی منتظر بھی تھی مگر اب ایسے لگ رہا تھا جیسے اسے کبھی بھوک تھی ہی نہیں' بھوک کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی مرسا گیا ایسا لگا جیسے آج کی ساری تفریح سالار کی ایک ملاقات نے غارت کر دی ہو اس کی وجہ کیا تھی سارے راستے سوچنے کے باوجود وہ سمجھ نہ پائی۔



حبیبہ کی شاہ زین سے اگلی ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ ایئر پورٹ پر واپس آنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ شام سے ہی وہ اس کی آمد کا منتظر تھا۔ مگر جانے کیوں اس نے ایک فون کر کے یہ بھی نہ بتایا کہ وہ کس وقت تک واپس آئے گی اور جب ایئر پورٹ جانے کا وقت ہوا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے پاپا کو اطلاع دینا پڑی۔ کیونکہ اس کے پاس حبیبہ کا سیل نمبر نہ تھا۔
"پاپا حبیبہ کل رات اپنی آنٹی کے گھر گئی تھی اور وہاں سے اب تک واپس نہیں آئی اور نہ ہی اس نے اس سلسلے میں مجھے کوئی اطلاع دی ہے۔"
"ہاں میری اس سے بات ہو گئی ہے۔ تم ایئر پورٹ جاؤ' وہ وہیں پہنچ جائے گی۔"
پاپا کے جواب نے اسے تھوڑا سا غصہ دلا دیا "پتا نہیں خود کو سمجھتی کیا ہے۔ اگر میرا نمبر اس کے پاس تھا تو اس کا فرض تھا کہ مجھے خود اطلاع دیتی۔ مطلب میں ہی بے وقوف ہوں جو اس کے لیے اس قدر پریشان ہو رہا ہوں۔ اسے تو میرا رتی بھر احساس بھی نہیں ہے۔ احساس ہوتا تو اپنی خیریت کی اطلاع ضرور دیتی۔"
اسی طرح سوچتا' کلستا وہ ایئر پورٹ پہنچ گیا۔ وہ کندھے پر اپنا واحد چھوٹا سا بیگ لیے کھڑا تھا۔ جب وہ اندر داخل ہوئی حسب معمول بالکل فریش وائٹ کاٹن کی شلوار قمیص میں اس کا سادہ سا چہرہ خاصا نکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ کل والے ہینڈ بیگ کے علاوہ ایک خاصا بڑا بیگ بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ جسے تھامے وہ اس کے قریب آ گئی۔
"السلام علیکم سر۔"
"وعلیکم السلام۔" جواب دے کر وہ سامنے چلنے والی اسکرین دیکھنے لگا۔ جہاں مختلف ڈومیسٹک فلائٹس کے ٹائم چل رہے تھے۔ اپنی مطلوبہ فلائٹ کا ٹائم اسکرین پر نظر آتے ہی وہ اندر کی جانب چل دیا' بنا یہ دیکھے کہ حبیبہ اس کے پیچھے ہے کہ نہیں اور یہ ہی ہوا جب وہ اندر پہنچا تو حبیبہ اس کے ساتھ نہیں تھی۔ جانے کہاں غائب ہو گئی ہے اب یہ لڑکی۔
اس نے کوفت سے سوچا ہی تھا کہ وہ لاؤنج کے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ اس کے پاس کوک کے دو ٹن تھے' جن میں سے ایک اس نے شاہ زین کی طرف بڑھا دیا۔
"شکریہ۔" شاہ زین نے ٹن تھامتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔
"ویلکم۔" مختصر سا جواب دے کر وہ سامنے بنے کاؤنٹر کی جانب بڑھ گئی۔ شاہ زین بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتا اسی کاؤنٹر پر آ گیا اور پھر کلیئرنس کے بعد وہ جہاز میں جا بیٹھے' جہاں سے اگلے چند گھنٹوں میں انہوں نے اپنے اپنے ٹھکانے پر واپس پہنچ جانا تھا۔ اس چوبیس گھنٹے کے ساتھ میں شاہ زین نے محسوس کیا کہ حبیبہ خاصی سرد مزاج لڑکی ہے' جس سے دوستی کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔



"بھائی آپ شام کو کتنے بجے تک فارغ ہوں گے؟"

وہ کھانا کھا رہا تھا۔ جب رابعہ نے اس سے سوال کیا۔

"کیوں... کوئی کام ہے؟" روٹی کا لقمہ بناتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"خالدہ خالہ نے ایک لڑکی بتائی ہے اور میں چاہ رہی تھی کہ آپ بھی میرے ساتھ چلتے' تاکہ بار بار نہ جانا پڑے اور آپ خود بھی سب کچھ پہلی دفعہ میں ہی دیکھ لیں۔ مطلب لڑکی کا خاندان اور گھر بار وغیرہ۔" جھجکتے ہوئے رابعہ نے اپنی بات مکمل کی۔

"ہوں..." صرف اتنا جواب دے کر اس نے اپنے قریب رکھا پانی کا جگ اٹھا لیا۔ تھوڑا سا پانی گلاس میں انڈیل کر دو' تین بڑے بڑے گھونٹ بھرے اور پھر کھانا درمیان میں ہی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ رابعہ کو لگا وہ ناراض ہو گیا ہے۔

"لڑکی کی عمر کیا ہے؟" اس نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔ اس کے سوال نے رابعہ کا حوصلہ تھوڑا سا بڑھا دیا۔ ورنہ وہ تو مارے خوف کے اب آگے کوئی بات بھی کرنے والی نہ تھی۔

"خالہ نے تو چوبیس' پچیس سال بتائی ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہیں پتا ہے میری عمر کیا ہے؟"

"ہاں میں نے بتا دی تھی چالیس سال؟" رابعہ نے جواب دیتے ہوئے یہاں وہاں نظریں گھمائیں۔

"جبکہ تم جانتی ہو میں پینتالیس کا ہو چکا ہوں' پھر تم نے جھوٹ کیوں بولا؟" اس نے اپنی گہری نظریں رابعہ پر گاڑیں۔

"اُفوہ بھائی... آپ تو چالیس کے بھی نہیں لگتے اور ویسے بھی پہلے لڑکی تو دیکھ لیں... پھر ہی پتا چلے گا کہ اس کی بھی اصل عمر کیا ہے۔"

"دیکھو رابعہ اگر تمہیں میرے لیے کوئی رشتہ دیکھنا ہے تو چالیس سال سے اوپر کا دیکھو یہ بچیاں مت ڈھونڈو۔"

رابعہ کے لیے اتنا ہی غنیمت تھا کہ وجاہت نے ہاں تو کی... ورنہ اسے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جسے رابعہ کی اس حرکت پر وہ اسے بے تحاشا سنانے والا ہے۔ مگر اس کی توقع کے برخلاف اس نے رضامندی کا عندیہ دے دیا تھا اور رابعہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔



رات کا جانے کون سا پہر تھا جب گھبراہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی کمرے میں مکمل طور سے اندھیرا طاری تھا۔ شاید لائٹ چلی گئی تھی۔ اس نے ٹارچ کی تلاش میں یہاں وہاں ہاتھ مارا جب اچانک اس کی نگاہ بیڈ کے انتہائی قریب کھڑے اس شخص پر پڑی۔ وہ یک دم خوف زدہ ہو گئی۔ اس نے بستر کے دوسری جانب ہاتھ مارا۔ وہ حصہ خالی پڑا تھا۔ مطلب یہ کہ وہ اپنے کمرے میں بالکل تنہا تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ جب سامنے کھڑے ہیولے میں حرکت ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب آ گیا۔ اس شخص کے سامنے آتے ہی اندھیرے میں بھی اس کے نقوش واضح ہونے لگے۔ اسے احساس ہوا' وہ اس شخص کو جانتی ہے اور پھر اس کا چہرہ واضح ہو گیا۔

"تم..." اس کے حلق سے دبی دبی آواز نکلی۔

"مگر تم تو مر چکے ہو۔" وہ بیڈ پر پیچھے کی طرف سرکتے ہوئے چلائی۔ سامنے موجود شخص بنا کوئی جواب دیے۔ اس کے انتہائی قریب آ گیا۔ اتنا قریب کہ اس کی سانس کی آواز اتنے خوف کے عالم میں بھی اس کے کانوں سے

ٹکرا رہی تھی مارے دہشت کے اس کے حلق سے تیز چیخ نکل گئی۔ اتنے میں روشنی کا تیز جھماکا ہوا۔ شاید لائٹ آگئی تھی۔ مگر اتنی دیر میں وہ بے ہوش ہو کر اپنے بستر پر گر گئی۔



حبا کی سالگرہ قریب تھی جو ہر سال فضہ بھابھی بڑی دھوم دھام سے مناتی تھیں۔ حبا' حذیفہ اور مریم سے تقریباً" دو سال چھوٹی اور فضہ بھابھی کی اکلوتی بیٹی ہونے کے باعث خاصی لاڈلی تھی۔ زینب نے حساب لگایا ابھی اس کی سالگرہ میں پورے دو ماہ باقی تھے۔ اس بار زینب کا ارادہ بھی اس تقریب کے لیے نیا سوٹ بنانے کا تھا۔ جس کے لیے وہ پچھلے کئی ماہ سے بچت کر رہی تھی۔ اس نے اپنے گھر کے اسٹور میں رکھے بڑے سے ٹرنک سے اپنا ولیمہ کے سوٹ کا گرین دوپٹا نکال لیا تھا۔ جس پر بنا گوٹے کا کام آج بھی پہلے دن جیسا تھا۔ سادیہ کے ساتھ جا کر وہ دوپٹے کی میچنگ کا سادہ سوٹ لے آئی تھی اور پھر خود ہی مشین رکھ کر سی بھی ڈالا۔ فرہاد' مریم اور جگنو کی فراکیں خرید لایا تھا۔

ویسے بھی زینب کو اس بار سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ وہ فنکشن میں شرکت کرنے اپنی ذاتی گاڑی سے جائے گی۔ اسے کبھی بھی اسفند بھابھی یا صمد کا اپنے لیے گاڑی بھیجنا اچھا نہ لگا تھا اور اپنی اسی خوشی میں وہ بڑے دل سے تیاریوں میں مصروف تھی کہ سالگرہ کا دن بھی آن پہنچا۔ سالگرہ کا یہ فنکشن ایک چھوٹے سے مقامی ہال میں رکھا گیا تھا۔ تیار ہونے کے بعد سادیہ نے اس کے بالوں کا بڑا سا جوڑا بنا دیا۔ گرین کلر اس پر ویسے بھی خوب کھل رہا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ کسی خاندانی فنکشن میں شرکت کے حوالے سے اس قدر پرجوش تھی۔ جس کا اندازہ اس کی کئی ماہ قبل شروع کی گئی تیاریوں کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔ مگر اس کا یہ سارا جوش و خروش اس وقت بالکل ماند پڑ گیا جب وہ تقریب میں شرکت کے لیے پہنچی۔ اسے افسوس ہوا کہ وہ یہاں آئی ہی کیوں اور اس کا یہ افسوس آنے والے دنوں میں پچھتاوے میں تبدیل ہو گیا۔



فضل دین کی کئی مس کالز آچکی تھیں۔ مگر انہیں ابھی تک اتنا ٹائم ہی نہ ملا تھا کہ کال بیک کر سکتے۔ دراصل آج وہ صبح سے ہی اپنے آفس ورک میں بری طرح مصروف تھے اور فضل دین سے ہونے والی ان کی گفتگو خاصی تفصیلی ہوتی تھی۔ جس کے لیے وقت درکار تھا۔ لنچ سے فارغ ہوتے ہی جیسے ہی انہیں موقع ملا فضل دین کا نمبر پہلی فرصت میں ملایا۔

"السلام علیکم سر جی۔" وہ یقیناً" ان ہی کی کال کا منتظر تھا۔ پہلی ہی بیل پر فون ریسیو کر لیا گیا۔

"وعلیکم السلام فضل۔۔۔ تمہیں پیسے مل گئے ہیں؟"

"جی سر جی اسی لیے میں آپ کو کال کر رہا تھا۔" وہ جلدی جلدی ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے بولا۔

"میں نے چھوٹی بی بی جی کی داخلہ فیس جمع کروا دی ہے۔ کتابیں اور یونیفارم کے بعد جو رقم باقی بچی تھی' وہ ان کے اکاؤنٹ میں ڈال دی ہے۔" اس نے مکمل تفصیل سے آگاہ کیا۔

"گڈ۔۔۔ بہت اچھا کیا۔" وہ جانتے تھے فضل دین پچھلے کئی سالوں سے ان کی یہ ذمہ داری بڑی ایمان داری اور رازداری کے ساتھ بخوبی نبھا رہا ہے۔ اس پر وہ اتنا ہی بھروسا کرتے تھے جتنا خود اپنی ذات پر۔

"اور بی بی جی۔۔۔ ٹھیک ہے؟ پڑھائی کیسی جا رہی ہے اس کی۔"

"سب کچھ بہت بہترین ہے سر جی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ بس وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"اچھا میں کوشش کروں گا۔ اسی ہفتہ وہاں کا ایک چکر لگاؤں اور ہاں میں تمہیں کچھ اضافی رقم بھیج رہا ہوں۔

ایسا کرو تم اسے اپنے ساتھ بازار لے جاؤ اور کچھ شاپنگ وغیرہ کروا دو۔ کالج کے حساب سے اسے جس جس چیز کی ضرورت ہو لے دینا۔"

"پیسے تو سرجی جو آپ نے پہلے بھیجے تھے وہ بھی میرے پاس موجود ہیں۔ کیونکہ بی بی جی نے کچھ بھی نہیں خریدا تھا۔ اس لیے زیادہ بہتر یہ ہو گا کہ آپ خود آئیں اور انہیں اپنے ساتھ لے جا کر شاپنگ کروا دیں۔ ہو سکتا ہے اس طرح وہ کچھ خرید لیں۔"

وہ جانتا تھا وہ کبھی بھی اس طرح بازار جا کر شاپنگ نہ کرے گی۔ وہ گزشتہ تین سالوں میں اس کی ہر عادت سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ وہ صرف ضروری گھریلو سامان کی لسٹ بنا کر اسے دیا کرتی جو فضل دین خود خرید کر اس کے حوالے کر دیتا۔ کپڑے وغیرہ تو وہ۔ وہی استعمال کرتی جو ملک صاحب اس کے لیے لایا کرتے۔ فضل دین نے دیکھا۔ وہ کافی قناعت پسند تھی۔ ہر حال میں خوش رہنے والی یا شاید وقت کی کار گری اسے یہ سب کچھ سکھا گئی تھی اور یہ سب کچھ ملک صاحب بھی جانتے تھے۔ پھر بھی شاید اپنی تسلی کے لیے اسے وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ رقم بھیج دیا کرتے۔ چاہتے تھے اس کی کوئی خواہش ادھوری نہ رہے اور اس سلسلے میں وہ ہر ممکن کوشش کرتے۔

"ٹھیک ہے تم اسے بتا دینا... میں ہفتہ کی صبح آؤں گا۔" انہوں نے دل ہی دل میں حساب لگا کر فضل دین کو بتا دیا۔

"ایک اور بات کہوں سرجی اگر آپ برا نہ مانیں۔" فضل دین نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں کوئی بھی بات کرنے کے لیے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے جو کہنا چاہتے ہو بلا جھجک کہو... میں سن رہا ہوں۔"

"شکریہ سرجی یہ سب آپ کی عزت افزائی ہے۔" وہ انکساری سے بھرپور لہجہ میں بولا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو فضل دین اپنی بات بتاؤ۔"

"سرجی بات یہ ہے کہ اس بار آپ جب آئیں تو اپنے ساتھ ایشال صاحب کو بھی لے آئیں۔ اگر ممکن ہو تو..."

یہ وہ بات تھی جو کئی بار خود ان کے دل میں بھی آئی تھی۔ مگر اس سلسلے میں وہ آج بھی شاید اتنے ہی مجبور تھے۔ جتنے پہلے دن تھے اور یہ بات فضل دین بھی جانتا تھا۔ پھر بھی جانے کیوں ان سے ایسی خواہش کر بیٹھا۔

"ہاں سوچا تو تھا کہ اسے اپنے ساتھ لے کر آؤں گا۔ مگر وہ ابھی تک یو کے میں ہی ہے۔"

جانتے تھے... اگر وہ یہاں ہوتا تو بھی کبھی ان کے ساتھ نہ جاتا۔ مگر یہ بات وہ خود کبھی بھی اپنے منہ سے فضل دین کو نہ کہہ سکتے تھے۔ شاید اس سے انہیں اپنی ہتک کا احساس ہوتا تھا۔

"اور یہ بات شاید میں نے تمہیں پہلے بھی بتائی تھی؟؟"

"جی سرجی..." وہ آہستہ سے بولا۔

"میں چھوٹی بی بی کو آپ کے آنے کا بتا دوں؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں... ہاں... بالکل بتا دو۔" اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے فون بند کر دیا۔ کاش وہ ایشال کو اس رشتہ کی اہمیت کا احساس دلا سکتے، جس میں وقت کے ہاتھوں وہ بندھ چکا تھا۔ مگر اپنی لاعلمی کے باعث غفلت کا شکار تھا نہ صرف یہ بلکہ وہ لاشعوری طور پر عریشہ کی دل آزاری کا سبب بھی بن رہا تھا۔ جس کا اندازہ اس کی ماں کو بھی نہ تھا۔ وہ جس مضبوط بندھن میں بندھا ہوا تھا اسے توڑ کر عریشہ سے کوئی تعلق جوڑنا اتنا آسان نہ تھا، جتنا ان دونوں ماں بیٹا نے سوچ رکھا تھا۔ یہ بات ایشال سے زیادہ اس کی ماں کو سمجھنی چاہیے تھی اور وہ بھی یہ سب کچھ سمجھنے کو تیار نہ تھی۔ ورنہ شاید سب کچھ اتنا مشکل نہ ہوتا جتنا ہو چکا تھا۔

انہوں نے اپنے ماتھے کو دو انگلیوں کی مدد سے دباتے ہوئے کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ وہ ٹینشن جو اس وقت بری طرح ان کے دماغ پر سوار تھی۔ اس سے پیچھا چھڑانے کا سب سے آسان حل اس وقت یہ تھا کہ خود کو ریلیکس چھوڑ دیا جائے۔ ایسے وقت وہ ہمیشہ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ آنکھیں بند کر کے، ٹانگیں لمبی کرتے ہوئے اپنے دماغ کو تمام سوچوں سے آزاد کر دینا۔



وہ جیسے ہی فرہاد کے ساتھ ہال میں داخل ہوئی وہاں کی رونق دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔ ہر طرف چمکتے دمکتے لباس والے لوگ، رنگ و نور کا ایک سیلاب سا اس کے چاروں طرف موجزن تھا۔ ایسی ہونق تو شاید کسی غریب کی شادی میں بھی نہ ہوتی ہوگی جو اس سالگرہ کے فنکشن میں دکھائی دے رہی تھی۔ روپے کا بے تحاشا اسراف ہر طرف نظر آ رہا تھا۔ یہاں وہاں نظر دوڑانے پر بھی اسے فضہ بھابھی کہیں دکھائی نہ دیں۔ وہ فرہاد کے ساتھ ایک قریبی ٹیبل پر جا بیٹھی۔ جب اچانک ہی سالار اپنی بیگم کو لیے ان کے ٹیبل کی جانب آگیا۔ جبکہ اسے سالار کی وہاں موجودگی کی بالکل بھی امید نہ تھی۔ اسی لیے وہ تھوڑا سا حیران ہو گئی۔

"میں کب سے وہاں اکیلا بیٹھا بور ہو رہا تھا کہ اچانک آپ لوگوں کو دیکھا تو سوچا کیوں نہ مل کر ایک دوسرے کی کمپنی کو انجوائے کیا جائے۔"

وہ بے تکلفی سے کرسی کھینچتا ہوا فرہاد کے قریب ہی بیٹھ گیا، جبکہ نازیہ، زینب کے برابر والی کرسی پر آ بیٹھی اس کے بیٹھنے کے دوران ہی زینب ایک سرسری سی نگاہ میں اس کا مکمل جائزہ لے چکی تھی۔ قیمتی کپڑے کا سفید سوٹ، جو بے شک اس کے سانولے رنگ پر اتنا نہیں کھل رہا تھا۔ مگر پھر بھی قیمتی لباس، عالیشان جیولری اور مہنگے پرفیوم کی مہک سب مل جل کر زینب کو ایک عجیب سے کمپلیکس کا شکار کر رہے تھے۔ اس نے بے اختیار ہی ایک نظر اپنے دونوں ہاتھوں پر ڈالی جہاں کانچ کی رنگ برنگی چوڑیاں ذرا بھی نہ جچ رہی تھیں یا شاید اسے ہی ایسا محسوس ہوا۔ اس نے اپنے ہاتھ دوپٹے کے اندر کر لیے۔ عین اسی وقت فضہ بھابھی ہال میں داخل ہوئیں۔ جب وہ نازیہ سے مرعوب بیٹھی تھی۔ ان کے ہیئر اسٹائل اور میک اپ کو دیکھ کر با آسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ پارلر سے سیدھی ہال ہی آئی ہیں۔ بلیک ستاروں والی ساڑھی کے ساتھ بلیک ہی اسٹون کی میچنگ جیولری ان پر خوب کھل رہی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی سیدھی وہ اسی ٹیبل پر آ گئیں۔

"زینب کو تو میں نے پیچھے سے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔"

قریب آ کر گلے ملتے ہوئے انہوں نے بظاہر سرسری سے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"شاید اس کا دوپٹا اپنے ولیمہ کے سوٹ کا ہے۔ جسے دور سے دیکھتے ہی میں سمجھ گئی یہ یقیناً" زینب ہی ہوگی۔"

ہنس ہنس کر انہوں نے خوب اپنی زبان کے تیر چلائے۔ زینب جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔

"ویسے تمہارا دوپٹا ابھی تک ویسے کا ویسا ہی ہے۔ اتنے سالوں میں ذرا گوٹا خراب نہیں ہوا۔ چلو اچھا ہے ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ استعمال میں لے آئیں۔"

"ان کی شادی کو زیادہ سے زیادہ پانچ یا چھ سال ہوئے ہوں گے اور میرا نہیں خیال کہ اتنے کم عرصہ میں کچھ خراب ہو جائے۔ بشرطیکہ سنبھال کر رکھا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زینب خاصی سگھڑ ہے۔ کیوں زینب ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں۔"

سالار کی یہ کوشش اس کے چہرے پر چھائی شرمندگی کو دور کرنے کے لیے تھی۔ زینب نے کوئی جواب دیے بنا فرہاد پر ایک نظر ڈالی۔ جو فضہ بھابھی کے قریب کھڑے اسفند بھائی سے باتوں میں اس بری طرح مصروف تھا کہ

شاید اسے پتا ہی نہ چلا کہ فضہ بھابھی۔ زبان کی کاری گری بڑی خوب صورتی سے دکھا کر اگلی ٹیبل کی جانب بڑھ گئی ہیں۔ اس کے بعد نازیہ اور سالار نے کافی کوشش کی کہ اپنی باتوں سے اس کے بگڑے موڈ کو بحال کر سکیں۔ مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ وہ فرہاد کے کئی بار کہنے پر بھی کیک کاٹتے وقت اسٹیج پر نہ گئی۔ طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر اس نے کچھ بھی نہ کھایا۔ وہ تمام خوشی جو اس تقریب میں شریک ہونے سے قبل اسے تھی۔ یک دم غارت ہو گئی اور جب تک وہ وہاں سے گھر واپس آئی نازیہ اس کا ایڈریس لے چکی تھی۔

"میں ان شاء اللہ تم سے ملنے جلد ہی تمہارے گھر آؤں گی۔" اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر وہ نہایت پیار سے بولی۔

"ضرور آنا... میں انتظار کروں گی۔" نہایت آہستہ سے کہتے ہوئے وہ آگے کی جانب بڑھ گئی۔ فضہ بھابھی سے ملے بنا ہی وہ خاموشی سے باہر کھڑی اپنی گاڑی میں آن بیٹھی۔ سارے راستے فرہاد اس تقریب کے گیت گاتا رہا۔ وہ بالکل خاموش بیٹھی کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے نظارے دیکھنے میں مگن رہی اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا فرہاد کیا کہہ رہا ہے شاید اسے فرہاد کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں اس کے کانوں میں صرف اور صرف فضہ بھابھی کی آواز گا ہے بگا ہے سنائی دے رہی تھی باقی دنیا کی ہر آواز ختم ہو گئی تھی وہ وقفہ وقفہ سے فرہاد کی بات کے جواب میں ہوں یا ہاں کر دیتی بالکل ایسے جیسے غائب دماغ ہو اور یہ بات شاید فرہاد نے بھی محسوس کر لی۔

"کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" بالآخر اس کی ہوں ہاں سے تنگ آ کر وہ پوچھ ہی بیٹھا۔

"کیوں میری طبیعت کو کیا ہونا ہے؟" جواباً اس نے چڑتے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

"پتا نہیں جب سے واپس آئی ہو خاموش خاموش سی ہو اسی لیے پوچھ بیٹھا۔" جگنو اور مریم دونوں راستے میں ہی سو گئی تھیں انہیں بستر پر لٹا کر جیسے ہی وہ واپس کمرے میں آئی ایک بار پھر فرہاد نے سوال و جواب کی عدالت میں گھسیٹ لیا۔

"ایک بات تو بتائیں؟" وہ بستر پر فرہاد کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں پوچھو۔" فرہاد نے تکیہ اپنی کمر کے پیچھے درست کرتے ہوئے کہا۔

"یہ فضہ بھابھی ہر وقت مجھ سے اتنا جیلس کیوں رہتی ہیں؟"

اپنی بات کی وضاحت شاید اس سے زیادہ بہتر انداز میں وہ نہیں کر سکتی تھی۔

"تم سے جیلس..."

فرہاد نے اسے حیرت سے تکا زینب کی بات سن کر اس کے چہرے کے تاثرات بھی کچھ عجیب سے ہو گئے تھے۔

"وہ بھلا تم سے کیوں جیلس ہوں گی۔" اس کی بات نے فرہاد کو ہکا بکا کر دیا تھا۔

"اگر جیلس نہ ہوتیں تو کیوں میرے اچھے خاصے سوٹ میں سب کے سامنے کیڑے نکالنے کھڑی ہو گئیں۔"

وہ اپنا دل فرہاد کے سامنے ہلکا کرنا چاہتی تھی جو جانے کب سے بھرا پڑا تھا۔

"حد ہے زینب تم ہر بات کو اتنا غلط رخ کیوں دیتی ہو وہ تو تعریف کر رہی تھیں کہ تم نے اپنے ولیمہ کا دوپٹا اس قدر سنبھال کر رکھا کہ آج تک نیا ہی دکھائی دے رہا ہے۔"

"ضروری تھا سب کے سامنے یہ وضاحت کرنا کہ میں نے پرانے دوپٹے کے ساتھ سوٹ بنایا ہے۔" وہ قطعی ہار ماننے کو تیار نہ تھی۔

"میری سمجھ میں آج تک یہ بات نہ آئی کہ تم بلاوجہ فضہ بھابھی سے اس قدر خار کیوں کھاتی ہو جو ان کی ہر اچھی بات میں بھی برائی کا کوئی نہ کوئی پہلو نکال لیتی ہو۔"

"اس لیے کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی کبھی کوئی اچھی بات کی ہی نہیں ہے۔"

نغمہ بھابھی نے جان بوجھ کر سالار اور نازیہ کی موجودگی میں جو آگ اس کے دل میں لگائی تھی وہ کسی طرح بجھنے میں ہی نہیں آرہی تھی ورنہ عام طور پر وہ کبھی بھی فرہاد کے ساتھ اس طرح بحث نہ کیا کرتی تھی۔

"پتا نہیں کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے تم خودان کے گھر کی رونق دیکھ کر جیلس ہو گئی ہو۔"

"میں جیلس ہو گئی ہوں؟" فرہاد کے بے رحمی سے کیے گئے تجزیے نے اسے مزید دکھی کر دیا۔

"ہاں تم جو کبھی بھی یہ ماننے کو تیار نہیں ہوتیں کہ ہر انسان اتنا ہی خرچ کرتا ہے جتنی اس کی حیثیت ہوتی ہے اور نہ ہی تم یہ مانتی ہو کہ ہم حیثیت اور رتبہ میں اسفند اور صمد بھائی کے مقابلے میں کہیں کمتر ہیں اس لیے کیا ضرورت ہے کسی بھی معاملے میں ان کے ساتھ محاذ آرائی کرنے کی جب کہ یہ پتا بھی ہو کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے ان جیسی کم ظرف عورت سے مقابلہ بازی کرنے کا۔"

اس نے غصہ سے جواب دیتے ہوئے کروٹ بدل لی اس طرح شاید وہ اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو چھپانا چاہتی تھی اس وقت اسے فرہاد کے سامنے بھی اپنے آنسو نظر آنا اپنی بے عزتی محسوس ہوئی۔

"ہر بات اپنے دل پر مت لیا کرو زینب۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"مجھے نیند آرہی ہے اب باقی بات ہم بعد میں کریں گے لائٹ بند کر دیں۔"

اپنے لہجے کی نمی کو چھپاتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی اور پھر اس کی رات بستر پر کروٹیں بدلتے ہی گزر گئی نغمہ بھابھی کا حقارت آمیز انداز اسے رہ رہ کر یاد آتا رہا وہ ساری رات کوئی ایسا طریقہ سوچتی رہی جس سے انھیں نیچا دکھا سکے وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہتی تھی مگر کیسے اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا اور پھر اسی طرح جلتے کڑھتے کب اس کی آنکھ لگی اسے پتا ہی نہ چلا۔



"اف خالہ اتنی موٹی لڑکی۔۔۔" گھر کے گیٹ سے باہر نکلتے ہی فائزہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اے لو تم نے ہی تو کہا تھا لڑکی خوب گوری چٹی اور خوب صورت ہو۔"

خالہ نے برقعہ کا نقاب الٹتے ہوئے فائزہ کو گھورا۔

"گوری چٹی اور خوب صورت لڑکی اک ذرا سی موٹی ہو گئی تو کون سی قیامت آگئی۔" خالہ قدرے برا مناتے ہوئے بولیں۔

"اللہ معاف کرے خالہ یہ ذرا سی موٹی تھی۔" فائزہ 'رابعہ کے گھورنے کے باوجود پھر سے بول پڑی۔

"خالہ تم کیوں اتنا ناراض ہو رہی ہو اچھی طرح جانتی ہو وجاہت بھائی نے لڑکی کے سلسلے میں کوئی ڈیمانڈ نہیں رکھی سوائے خوب صورتی کے 'کم عمری' اعلا تعلیم' حیثیت و رتبہ کچھ بھی تو ان کے نزدیک اہم نہیں ہے سوائے شکل کے' عمر بھی بے شک تیس سے اوپر ہو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

رابعہ نے انھیں سمجھاتے ہوئے کچھ دور کھڑے رکشا کو اشارے سے قریب بلایا۔

"دیکھو بی بی صاف سی بات اتنی ہے کہ تمہارا بھائی شادی ہی نہیں کرنا چاہتا تب ہی تو ایسی شرط رکھی ہے۔"

"خالہ اب خوب صورت بیوی کی خواہش رکھنا ایسا بھی برا نہیں کہ تم ہمارے بھائی پر اس طرح کے الزام لگانے لگو۔"

فائزہ ایک بار پھر درمیان میں بول پڑی۔

"پینتالیس سال کے مرد کو تو سلیقہ شعار عورت کی خواہش کرنی چاہیے نا کہ کسی حسن کی دیوی کی' تیس سال کے

بعد تو ویسے ہی عورت کا حسن ماند پڑ جاتا ہے اور پھر اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے کم عمری لڑکی بھی اسے پسند نہیں ہے اسے سمجھاؤ صورت چھوڑے سیرت دیکھے زندگی اچھی سیرت کے ساتھ نبھانا زیادہ آسان ہے بانسبت اچھی صورت کے۔"

"دیکھو خالہ سچ تو یہ ہے کہ ایک ملاقات میں کسی کی بھی اچھی سیرت کا پتا نہیں چلتا البتہ صورت دکھائی دے جاتی ہے تو پھر کیوں نہ اس پر توجہ دی جائے جو نظر آتا ہے۔"

اس نے باقاعدہ جتاتے ہوئے جواب دیا۔

"چلو خالہ آجاؤ رکشا میں بیٹھو باقی باتیں گھر جا کر کر لینا۔" اتنی دیر میں رابعہ رکشا والے سے رقم طے کر چکی تھی۔

"مجھے تو کہیں اور جانا ہے لڑکی دکھانے۔ تم دونوں بہنیں جاؤ ہاں مجھے کچھ رقم ضرور دے جاؤ تاکہ میں واپسی میں خود ہی رکشا کروا کر آجاؤں۔"

رابعہ کو لگا خالہ ابھی تک ناراض ہیں بنا کوئی بات کیے اس نے خاموشی سے اپنے پرس سے دس دس کے کچھ نوٹ نکال کر ان کے حوالے کر دیے "ایک بات اور ہے بیٹا جو دل میں آئی تو سوچا کہہ دوں یاد رکھنا جب مرد کو باہر کے کھانے کی عادت ہو جائے تو وہ گھر میں راشن ڈالنے سے گریز کرتا ہے اور اب شاید مشکل ہی ہے کہ تمہارے بھائی کو بھی اس عمر میں کوئی لڑکی پسند آئے۔"

"تو خالہ ابھی تو کوئی چار پانچ لڑکیاں بھی بمشکل تم نے دکھائی ہیں اس پر بھی اتنی باتیں اور ناراضی کا اظہار کرنے لگی ہو کہ بنا جانے ہی میرے شریف بھائی پر طرح طرح کے الزامات عائد کیے جا رہی ہو۔"

فائزہ کو ایک بار پھر سے ان پر غصہ آگیا اس سے قبل رابعہ کچھ کہتی خالہ نے بنا کوئی جواب دیے تیزی سے روڈ کراس کیا اور آگے کی جانب بڑھ گئیں "کیا ضرورت تھی فائزہ تمہیں ان سے اس قدر الجھنے کی۔"

رابعہ نے رکشا میں بیٹھتے ہوئے فائزہ کو سمجھایا۔

"میں بلاوجہ نہیں الجھی وہ ہی بنا کسی سبب کے ناراض ہوئے جا رہی تھیں ہم نے انہیں رشتہ دکھانے کے پیسے دینے ہیں اب جب کوئی لڑکی پسند آئے گی تو ہاں کریں گے، ضروری تھوڑی ہے ان کی دکھائی گئی عجیب و غریب کسی بھی لڑکی کو گھر لا کر اپنے ہیرے جیسے بھائی کے ساتھ منڈھ دیں۔"

"بری بات فائزہ کسی کی بیٹیوں کے بارے میں اس طرح کے الفاظ منہ سے نہیں نکالتے اور جہاں تک خالہ کا سوال ہے ان کی تو عادت ہے جلدی غصہ کرنے کی۔"

رابعہ نے اسے گھر کا وہ بنا کوئی جواب دیے رکشا سے منہ باہر نکالے آتے جاتے نظارے دیکھنے لگی بالکل ایسے جیسے اس نے رابعہ کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"میرا خیال ہے اب جب خالہ کہیں تو رشتہ دیکھنے کے لیے میں اکیلی ہی جاؤں کیونکہ تم دونوں کے آپس کے اختلافات ہمیں اپنی کوششوں میں جلد کامیاب نہ ہونے دیں گے۔" رابعہ نے دل ہی دل میں کیا جانے والا فیصلہ اسے سنا دیا۔

"جیسے تمہاری مرضی کرو۔" فائزہ نے مختصر جواب دے کر بات ختم کر دی اور پھر سارے راستے ان دونوں کے درمیان اس موضوع پر دوبارہ بات نہ ہوئی۔



"جانتے ہو میں کب سے صرف تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔" وہ اپنے دونوں بازو کھولے آہستہ آہستہ ایشال

کی جانب بڑھی آس پاس پھیلے اندھیرے کے باعث وہ اسے پہچان نہ پایا پھر بھی جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بھی اسے جانتا ہو۔

"کون ہو تم۔"

وہ خوف زدہ ہوتے ہوئے پیچھے کی جانب سرک گیا اتنی دیر میں وہ سبز دوپٹے والی لڑکی اس کے انتہائی قریب آچکی تھی پھر بھی اس کی شکل واضح نہ ہوئی تھی۔

"تم نے مجھے ابھی بھی نہیں پہچانا۔۔۔" وہ اس کے کان کے قریب آکر بولی اس کی سانس لینے کی تیز آواز ایشال کے کانوں سے ٹکرائی ایشال نے دیکھا اس کے سامنے کے دونوں دانت بڑے ہو چکے تھے اور آنکھوں کی جگہ بڑے بڑے حلقے تھے سوکھے سوکھے بازو جو وہ اس کی طرف پھیلائے ہوئے تھی ایشال کو محسوس ہوا کہ خوف کے مارے اس کی سانس بند ہو جائے گی اب وہ مزید پیچھے نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ پیچھے کی جانب دیوار تھی اور آگے بالکل سامنے وہ سبز دوپٹے والی لڑکی یک دم وہ عالم خوف میں چلایا۔

"مما۔۔۔ مما"

"کیا ہوا ایشال" کسی نے اسے بری طرح جھنجوڑ کر جگایا۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں سامنے عریشہ اور اس کی روم میٹ ویوینا کھڑی تھیں شاید وہ برابر والے کمرے سے ایشال کی چیخ کی آواز سن کر آئی تھیں وہ مارے شرمندگی کے اٹھ بیٹھا وہ پسینہ میں بری طرح شرابور تھا جب کہ وہاں اس وقت اچھی خاصی ٹھنڈ تھی۔

"کیا ہوا کیوں اتنی بری طرح چیخ رہے تھے۔" اسے خاموش دیکھ کر عریشہ نے اپنا سوال ایک بار پھر سے دہرایا۔

"کچھ نہیں شاید میں خواب میں ڈر گیا تھا۔"

"اف اتنے بڑے ہو کر بھی تم ابھی تک خوابوں میں ڈر جاتے ہو۔"

عریشہ اپنے خوبصورت دانت کھول کر ہنسی اسے ہمیشہ سے ہی عریشہ کے موتیوں جیسے دانت بے حد پسند تھے سفید چمکیلے بالکل پرل جیسے قیمتی دانت۔

"پہلے تو کبھی نہیں ڈرا آج پتا نہیں کیوں ایسا ہوا۔" وہ اپنے اس بری طرح چیخنے پر ابھی تک شرمندہ تھا۔

"چلو کوئی بات نہیں کبھی کبھی ایسا ہی ہو جاتا ہے ڈونٹ وری۔" ویوینا اس کی شرمندگی دور کرتے ہوئے بولی۔

"آجاؤ باہر بارش میں تھوڑا سا واک کرتے ہیں تم بھی فریش ہو جاؤ گے۔" عریشہ نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی۔

"واؤ باہر بارش ہو رہی ہے۔" وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اسے ہمیشہ سے ہی بارش بہت اچھی لگتی تھی۔

"ہاں تم تو سر شام ہی سو گئے تھے اس لیے ہم نے نہیں جگایا ابھی بھی ہم دونوں سریش کے ساتھ باہر ہی نکل رہے تھے کہ ایک دم تمہاری چیخ کی آواز نے اپنی جانب متوجہ کر لیا اب سریش تو شاید باہر جا چکا ہے لہٰذا بہتر ہو گا کہ تم ہمارے ساتھ آجاؤ۔" عریشہ نے اسے مکمل تفصیل سے آگاہ کیا۔

"وائے ناٹ۔۔۔ شیور" اس نے جلدی جلدی بیڈ کے قریب رکھے اپنے سلیپر پہنے تکیے کے نیچے رکھا والٹ نکال کر ٹراؤزر کی جیب میں ڈالا اور ان دونوں کے پیچھے باہر آ گیا وہ ملیم روڈ کے دونوں جانب لگے بلب کی روشنی میں بڑی سی تار کول کی سڑک پر گرتی چھوٹی چھوٹی بارش کی بوندیں بہت اچھی لگ رہی تھیں اس کی طبیعت پر چھایا بو جھل پن فوراً ہی دور ہو گیا وہ یک دم فریش ہو اٹھا۔

"آجاؤ آئس کریم کھائیں۔" تھوڑی سی واک کے بعد سڑک کے دوسری جانب موجود آئس کریم پارلر کی لائٹس نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا اور وہ بنا کسی کا جواب سنے اس جانب بڑھتا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے تو یہ فضہ بھابھی خاصی عجیب سی لگیں۔" نازیہ نے اپنے کپڑے تہہ کر کے رکھتے ہوئے سالار کی جانب دیکھا جو بالکل چت لیٹا ایک ٹک چھت پر جانے کیا ڈھونڈ رہا تھا۔

"میں آپ سے بات کر رہی ہوں سالار۔"

کچھ دیر جواب کا انتظار کرنے کے بعد اس نے سالار کا کندھا ہلکے سے ہلایا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔" وہ یک دم چونک اٹھا۔

"کیا کہہ رہی ہو پھر سے کہنا میں نے سنا نہیں۔" وہ بالکل غائب دماغی سے بولا۔

"میں کہہ رہی تھی یہ فضہ بھابھی کچھ عجیب سی ہیں بجائے زینب کی خوبصورتی کو سراہنے کے اس کے دوپٹے کی تاریخ بیان کرنے بیٹھ گئیں مجھے تو بہت عجیب ۔۔۔ لگا ان کا اس طرح تبصرہ کرنا جب کہ زینب اس سوٹ میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔"

نازیہ نے سادہ دلی سے کھل کر زینب کی تعریف کی وہ سالار کے دل کی حالت سے بالکل بے خبر تھی۔

"واقعی زینب بہت خوبصورت ہے۔"

وہ دھیرے سے بولا بالکل ایسے جیسے سوائے اس ایک جملے کے اس نے نازیہ کی کوئی اور بات سنی ہی نہ ہو نازیہ الماری کھولے اپنی جیولری رکھنے میں اس بری طرح مگن تھی کہ اس تک سالار کی آواز تو ضرور پہنچی مگر یہ نہ سمجھ پائی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

"کچھ کہا آپ نے۔۔۔؟"

الماری کے پٹ بند کر کے اس نے پلٹتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں میں سن رہا ہوں جو تم کہہ رہی ہو۔"

"آپ نے شاید دیکھا نہیں ہال میں داخل ہوتے ہی فضہ بھابھی کی جوں ہی پہلی نگاہ زینب پر پڑی ان کے چہرے کے تاثرات اس قدر عجیب سے ہو گئے تھے کہ میں تو حیران ہی رہ گئی مجھے فوراً" ایسا محسوس ہوا جیسے وہ جیلس ہو گئی ہیں جس کی تصدیق فوراً" ان کی دوپٹے پر کی جانے والی تنقید نے کر دی بھلا کیا تک تھی سب کے سامنے یہ جتانے کی کہ دوپٹا تمہارے ولیمہ کے سوٹ کا ہے مجھے تو ان کی یہ بات بہت ہی فضول لگی۔" وہ مسلسل بولے جا رہی تھی یہ جانے بغیر کہ اس کی یہ باتیں کس طرح سالار کے دل پر جا کر لگ رہی ہیں اگر اسے ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو اس طرح زینب کے حسن کے قصیدے نہ پڑھتی مگر وہ اپنی لاعلمی کے باعث سالار کے دل میں آگ لگانے کا سبب بن رہی تھی۔ "لائٹ آف کرو مجھے نیند آ رہی ہے۔"

سالار کا بالکل دل نہ چاہا کہ اس کی کسی بھی بات کا جواب دے اسی لیے آنکھیں موند کر سوتا بن گیا وہ فوری طور پر خوابوں کی وادی میں اترنا چاہتا تھا جہاں کئی دنوں سے زینب کا راج تھا اس کی آنکھیں زینب کے خواب دیکھنے کی خواہش میں ہی بند ہوتی تھیں وہ خواب جن میں ہمیشہ وہ اس کے سنگ ہوتی فرہاد اور نازیہ دونوں کا ان خوابوں میں کہیں دور دور تک گزر نہ تھا ابھی بھی ایسا ہی ہوا آنکھیں بند کرتے ہی زینب کا خوبصورت ہیولہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا سالار کا دل اندر تک خوشی سے بھر گیا اب ساری رات زینب اس کے ساتھ تھی صبح کے اجالے تک وہ صرف اور صرف اس کی تھی بے شک خوابوں میں ہی سہی۔

☼ ☼ ☼

"امی مجھے اس بار عید پر اچھا والا نیا سوٹ لینا ہے بالکل روبا جیسا۔"

وہ ضد کرتے ہوئے بولی اور ایسا پہلی بار ہوا تھا ورنہ وہ تو کافی صابر و شاکر سی بچی تھی ہمیشہ اپنے حال میں خوش

رہنے والی۔

"کل جو میں نے تمہیں سوٹ سی کر دیا ہے وہ اچھا نہیں ہے کیا؟"

اپنی بیٹی کی اس فرمائش نے انہیں تھوڑا سا حیران کر دیا۔

"نہیں میں سب کے عید کے کپڑے دیکھ کر آئی ہوں وہ بہت اچھے اور خوبصورت ہیں میرا سوٹ بالکل بے کار ہے مجھے نہیں پسند آپ مجھے ویسا سوٹ بنا کر دیں جیسا مبین کی امی نے اس کے لیے آپ سے سلوایا ہے یا پھر زویا جیسا لے کر دیں یہ سوٹ میں نہیں پہنوں گی۔"

اس نے چارپائی پر رکھا سوٹ اٹھا کر اپنی ماں کے سامنے لا پٹخا۔

"ان کے سروں پر ان کے باپ سلامت ہیں جب کہ تم یتیم ہو تمہاری پرورش کے اخراجات میں نے ہمیشہ ان جیسے لوگوں کے کپڑے سلائی کر کے پورے کیے ہیں پھر بھلا ان سے کیا مقابلہ؟"

وہ شروع سے ہر بات اتنی ہی صفائی سے سمجھانے کی عادی تھیں تاکہ بیٹی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔

"کیوں شاہین کے بھی تو ابو نہیں ہیں پھر کیوں اس کی ہر چیز اتنی اچھی ہوتی ہے۔"

آج وہ مکمل طور پر بحث کرنے کے موڈ میں تھی۔

"شاہین کا سب کچھ کرنے کے لیے اس کے چچا اور ماموں سلامت ہیں اور تمہارا کوئی بھی نہیں اسی لیے میں اتنا ہی کر سکتی ہوں جتنی میری اوقات ہے اس سے نہ کچھ کم نہ زیادہ اگر سوٹ پسند نہیں ہے تو باہر رکھے کچرے کے ڈرم میں ڈال دو میں تمہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں لے کر دے سکتی۔"

انہوں نے سوئی میں دھاگہ ڈالتے ہوئے ہر بات یکسر ختم کر دی یہ جانے بنا کہ ان کی اس بات کے رد عمل میں معصوم بچی کے دل کو کس قدر ٹھیس پہنچی ہے۔"بیٹا دیکھ لو شاپنگ مکمل ہو گئی یا کچھ اور بھی لینا ہے۔"

وہ ماضی کی یادوں میں اس بری طرح گم تھی کہ اسے ملک انکل کی آواز بھی سنائی نہ دی جو نہ جانے کب سے اسے پکار رہے تھے وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"جی انکل۔۔۔" اپنے خیالوں سے چونکتے ہوئے بے اختیار بولی۔

"تمہیں کچھ اور لینا ہے۔"

ملک انکل کے پوچھے گئے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس نے فضل دین کے ہاتھوں میں تھامے ڈھیروں ڈھیر شاپنگ بیگز پر ایک نظر ڈالی۔

"واہ میرے مولا تیرے بھی انداز نرالے ہیں جب ماں تھی تو ہر خواہش لا حاصل رہی اور آج ماں کے مرنے کے بعد ہر خواہش پایہ تکمیل پر پہنچنے کے لیے میرے ایک اشارے کی منتظر ہے آج جو رشتہ میرے پاس ہے وہ اپنے پیسے کے زور پر میری ہر خواہش پوری کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار مگر خواہش ایسے جیسے ختم ہی ہو گئی ہوں۔"

"نہیں انکل جی بہت بہت شکریہ آپ جو کچھ میرے لیے کر رہے ہیں میں تو شاید اس کے قابل بھی نہ تھی۔"

بولتے بولتے اس کی آواز بھرا سی گئی۔

"بری بات بیٹا اپنوں کا اس طرح شکریہ ادا نہیں کیا جاتا جو کچھ میں تمہارے لیے کر رہا ہوں وہ کوئی احسان نہیں بلکہ تمہارا حق ہے مجھے تو افسوس ہے اتنا عرصہ میں کیسے تم لوگوں سے غافل رہا۔"

انہوں نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا وہ بالکل خاموش تھی۔

"فضل دین گاڑی کسی اچھے سے ریسٹورنٹ کی جانب لے چلو مجھے اور میری بیٹی کو بہت سخت بھوک لگی ہے۔"

اسے اپنے ساتھ لگائے گاڑی کی جانب بڑھتے ہوئے انہوں نے فضل دین کو حکم دیا۔

"جی سر جی۔۔۔" فضل دین نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے تمام شاپنگ بیگ اندر رکھ دیے اور خود ڈرائیونگ

سیٹ سنبھال لی۔ وہ جانتا تھا کہ ملک صاحب کو اس شہر میں کہاں کا کھانا پسند ہے لہٰذا اس نے اپنی گاڑی کا رخ اس طرف موڑ دیا۔

☆ ☆ ☆

"یہ لڑکی کون ہے؟" وہ کمپیوٹر میں ڈیٹا فیڈ کرنے میں بری طرح مصروف تھا جب اچانک اپنے قریب سنائی دینے والی مما کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"کون سی لڑکی؟" وہ سمجھ نہ پایا وہ کس کی بات کر رہی ہیں۔

"وہ جو سامنے والے کیبن کے دروازے کے باہر کھڑی ہے۔"

شاہ زین نے ان کے متوجہ کروانے پر اپنی نگاہ شیشے کی دیوار کے اس پار دوڑائی جہاں رائل بلیو جارجٹ کے سوٹ میں ملبوس حبیبہ کھڑی کرن سے باتیں کر رہی تھی کرن کو اس کی ماں جانتی تھی تو یقیناً" ان کا سوال حبیبہ کے لیے ہی تھا۔

"یہ حبیبہ ہے' مما آفس کے اکاؤنٹ سیکشن میں ہوتی ہے۔"

وہ اسے دیکھتا ہوا بولا اتنی دور سے بھی حبیبہ کی خوب صورتی بالکل الگ سے دکھائی دے رہی تھی۔

"پتا نہیں کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔" وہ اپنے دماغ پر زور دیتے ہوئے بولیں۔

"ضرور دیکھا ہو گا یہ کمپنی کے سالانہ ڈنر میں بھی موجود تھی۔"

"مجھ سے ملی تھی؟" وہ ابھی بھی اسے ہی دیکھے جا رہی تھیں جو ان سے بے خبر کرن سے جانے کس گفتگو میں بری طرح مصروف تھی۔

"نہیں کیوں کہ اس کے آنے کے چند ہی لمحوں بعد آپ ماموں کی طرف چلی گئی تھیں۔"

"او اچھا۔" وہ کچھ الجھی ہوئی تھیں۔

"ویسے ایک بات ہے یہ لڑکی بہت خوب صورت ہے۔" وہ ابھی بھی اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"صحیح کہا آپ نے اتنا مکمل اور پرفیکٹ حسن کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔"

شاہ زین نے بھی کھلے دل سے اس کی تعریف کی۔

"پتا نہیں کیوں مجھے عورت کے اس قدر حسن سے ڈر لگتا ہے نصیب کا تعلق کبھی بھی حسن سے نہیں رہا اور میں تو ہمیشہ سے یہ ہی دعا کرتی ہوں اے اللہ شکل سے زیادہ نصیب اچھا کرنا۔"

وہ ایک جھرجھری سی لیتے ہوئے بولیں ان کی یہ نرالی منطق شاہ زین کی سمجھ میں بالکل نہ آئی مگر جواباً" وہ خاموش رہا اس کا ارادہ اپنی ماں سے کسی بھی قسم کی بحث کرنے کا بالکل نہ تھا۔

"اچھا بیٹا میں چلتی ہوں۔" وہ اپنے موبائل پر بجنے والے میوزک کی آواز سنتے ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نیچے ڈرائیور آ گیا ہے اس نے ابھی مجھے مس کال دی ہے ہم سب تمہارے ماموں کی طرف جا رہے ہیں تم بھی فارغ ہو کر وہیں آ جانا۔"

اپنا قیمتی ہینڈ بیگ اٹھا کر انہوں نے بازو پر ڈالا اور گاگلز بالوں پر اچھی طرح جماتے ہوئے باہر کی جانب چل دیں۔ شاہ زین انہیں اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئیں وہ جو سمجھ رہا تھا کہ اس کی ماں کرن یا حبیبہ کے پاس ایک پل رک کر ان کی خیریت ضرور دریافت کرے گی مگر ایسا نہ ہوا وہ دونوں کو یکسر نظرانداز کرتی ہوئی گزر گئیں وہ ایسی ہی تھیں اگر کسی سے دوستی کرتیں تو جان تک لٹا دیتیں ورنہ عام طور پر کسی سے سلام دعا بھی بمشکل لیا کرتیں ان کی اس عادت سے شاہ زین بچپن سے ہی واقف تھا۔

(باقی آئندہ)

☆ ☆

نفیسہ سعید

ایسا کب ہے زندگی

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال کی دلچسپی اپنی کزن مریشہ میں ہے۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد سے کراچی آئی ہے۔ شاہ زین کے والد نے اسے اپنے آفس میں اپائنٹ کر لیا شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگا۔

فرہاد تین بھائی ہیں۔ فرہاد کے دونوں بھائی معاشی طور پر مستحکم ہیں اور دونوں اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرتے ہیں جبکہ فرہاد اپنی بیوی زینب اور بچیوں کی ضروریات پوری کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتا ہے۔ جو زینب کو بالکل پسند نہیں۔

فرہاد کے بڑے بھائی کی بیوی فضہ زینب کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہیں اور آئے دن اس حسد کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۳
تیسری قسط





"یاد رکھو بیٹا انسان کو زندگی میں اتنا ہی ملتا ہے جتنا اس کے نصیب میں لکھا جاچکا ہو نہ اس سے رتی بھر کم اور نہ ہی زیادہ۔"

اماں جی نے اپنی تسبیح کے دانے آہستہ آہستہ گراتے ہوئے زینب کو سمجھایا جو ان کے سامنے شکایات کی ایک پوٹلی کھولے بیٹھی تھی۔

"اچھا تو پھر انسان کو کوشش کرنے کا حکم کیوں دیا گیا جو کچھ نصیب میں لکھا گیا ہے تو بنا کوشش کیے بھی مل جانا ہے۔"

وہ اماں جی کی بات سے اختلاف کرتے ہوئے بولی۔

"کیا بات ہے بیٹا کیوں اس قدر ناراض ہو تم نے تو کبھی بھی زندگی میں اس طرح بحث نہ کی جیسے آج کر رہی ہو۔"

اماں جی نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا وہ زینب کی دلی کیفیت ابھی تک سمجھ ہی نہ پائی تھیں۔

"اماں جی انسان جب جب محنت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نوازتا ہے اسے وہ سب عطا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے پھر وہ اللہ ہی کے دیے ہوئے میں سے دوسروں پر خرچ کرتے ہوئے اتنا بخیل کیوں ہو جاتا ہے کیوں نہیں احساس کرتا ان لوگوں کا جو اس کے زیر کفیل ہیں۔ اماں جی کیا ہمارے مذہب نے کنجوسی اور بخل سے بچنے کا حکم نہیں دیا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ مال سب سے بہترین نہیں ہے جو اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا جائے؟ اور پھر بھی جو شخص ایسا نہ کرے اللہ کے حکم سے روگردانی کرے اللہ کے نزدیک اس کے لیے کیا حکم ہے؟ آپ مجھے وہ بتائیں۔"

وہ نروٹھے انداز میں اماں جی کی جانب تکتے ہوئے بولی۔ اماں جی کی تو سمجھ میں بھی نہ آیا کہ اسے کیا جواب دیں جس سے وہ مطمئن ہو سکے اسی لیے بنا کچھ کہے خاموشی سے تسبیح کے دانے گراتی رہیں۔

"آپ جانتی ہیں کل دوپہر فضہ بھابھی لدی پھندی میرے گھر آئیں۔"

یہاں تک کہہ کر وہ رک گئی اور ایک نظر اماں جی کے چہرے پر ڈالی جو تسبیح والا ہاتھ روک کے اسی کی جانب ہمہ تن گوش تھیں۔

"ڈھیروں ڈھیر اپنے سوٹ کے کپڑے جو بنا کہے مجھے دکھاتی چلی گئیں اور پھر پتا ہے مجھ سے کیا کہتی ہیں؟"

اس نے ایک بار پھر رک کر اماں جی کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھا جو اس کے غصہ کی ایسی کیفیت سے کسی قدر آشنا ہو چکی تھیں۔

"تم بتاؤ گی تو پتا چلے گا نا بیٹا کہ اس نے ایسا کیا کہا جس نے تم جیسی میری صابر و شاکر بچی کی قوت برداشت کو ریزہ ریزہ کر دیا۔"

"پوچھنے لگیں کوئی اچھا سا ٹیلر تو بتاؤ' میرا ٹیلر آج کل بیمار ہے اور مجھے ان کپڑوں کو جلدی سلائی کروانا ہے اس لیے سوچا تمہارے ٹیلر کو دے دوں' حالانکہ اچھی طرح جانتی ہیں میں اپنے سالانہ بننے والے چار یا پانچ جوڑے خود گھر میں سلائی کرتی ہوں۔"

زینب کے لہجہ کے دکھ نے اماں جی کے دل کو بھی دکھی کر دیا۔

"دیکھو بیٹا ہر انسان اپنی حیثیت اور ظرف کے مطابق خرچ کرتا ہے اسفند اور صمد کو اللہ تعالیٰ نے خوب نواز رکھا ہے جس کا مظاہرہ ان کی بیگمات ہمہ وقت کرتی نظر آتی ہیں جہاں تک فرہاد کا تعلق ہے وہ حیثیت اور مرتبہ کے لحاظ سے اپنے دونوں بھائیوں سے کم تر ہے' ہر وقت اللہ کا شکر ادا کیا کرو اپنی چھت کے نیچے اچھا کھا کر سوتی ہو گھر

اور گھر والا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بہترین نعمتوں میں سے ایک ہیں جس پر اپنے رب کریم کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے آج اس نے اتنا دیا کل اور بھی دے گا اس کی رحمت سے کبھی مایوس مت ہو اور ہر دم یہ دعا کرو اللہ تمہارا سہاگ سلامت رکھے یاد رکھنا عورت کے پاس کتنا بھی روپیہ پیسہ کیوں نہ ہو اسے وہ تحفظ کوئی نہیں دیتا جو ایک مرد دیتا ہے یہ معمولی معمولی آسائشوں کو دیکھ کر اپنا دل برا مت کیا کرو میری بچی۔"

وہ اسے دھیرے دھیرے سمجھاتے ہوئے بولیں جواباً" زینب نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر ان کی جانب دیکھا۔

"اماں آپ تو اچھی طرح جانتی ہیں فرہاد کی آمدنی بھی ٹھیک ٹھاک ہے اللہ نے ہمیں بہت نوازا ہے اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور میں تو کبھی اس سے کوئی گلہ کرتی بھی نہیں ہوں' گلہ تو مجھے فرہاد سے ہے جو اپنے روپے میں سے صرف اور صرف میری ذات پر خرچ ہونے والی رقم کو فضول خرچی سمجھتا ہے اپنی بھابھیوں کا ہر وقت تیار رہنا اسے خوب بھاتا ہے مگر جب میری ذات پر خرچ کرنے کی باری آتی ہے تو ہمیشہ سلیقہ شعاری اور کم خرچ کا درس دیتا ہے۔"

"تم اپنے ماہانہ خرچ کے پیسوں میں سے بچت کرنے کی عادت ڈالو۔"

سب کچھ جانتے ہوئے بھی اماں جی اسے مشورہ دے بیٹھیں جسے سن کر وہ یک دم پوری جان سے جل اٹھی۔

"کون سے خرچے کے پیسے؟ آپ تو ایسے مشورہ دے رہی ہیں جیسے کچھ جانتی ہی نہ ہوں۔"

وہ خفگی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا بیٹا ناراض مت ہو اب جب فرہاد تمہیں لینے آئے گا میں اسے سمجھاؤں گی کہ اپنی حیثیت کے حساب سے تمہیں ایک لگا بندھا خرچہ دیا کرے جو تمہارا حق اور اس کا فرض ہے بالکل اسی طرح جیسے اس کے دونوں بھائی اور میرے دونوں بیٹے دیتے ہیں اپنی اپنی بساط کے مطابق' وہ بھی اپنا فرض ادا کرنے کی عادت ڈالے اور یہ ہی ہمارے اسلام کا بھی حکم ہے۔"

"رہنے دیں آپ' انہوں نے وہ ہی پرانا جواب دینا ہے کہ میں ضرورت کی ہر چیز خرید کر گھر لے آتا ہوں سردی' گرمی' عید شب برات پر کپڑے بھی بنا دیتا ہوں پھر کس بات کا خرچہ۔"

فرہاد کی باتیں دہراتے ہوئے وہ پاؤں میں چپل ڈال کر اندر کی جانب چل دی اماں جی اس کی پشت پر نگاہیں جمائے اسے دیکھتی رہیں۔

"اماں جی کھانے میں کیا بنے گا۔" وہ اس کی جانب دیکھنے میں اس قدر محو تھیں کہ اپنی بہو کی کچن سے آتی آواز سن کر یک دم چونک اٹھیں۔

"زینب آئی ہے اس سے پوچھو جو اس کا دل کھانے کو چاہے وہ ہی بنا لو۔"

اپنی بیٹی کی محبت ان کے لہجہ میں گندھی ہوئی تھی' غزالہ ان کا جواب سن کر اندر زینب کے کمرے کی جانب بڑھ گئی جبکہ اماں جی نے اپنی تسبیح ختم کر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

"اے اللہ میری بچی کو شکر ادا کرنے والوں میں شامل کر۔"

زینب کے حق میں اس سے بہتر دعا ان کے نزدیک کوئی اور نہ تھی۔



"یہ ایشال کب تک واپس آرہا ہے۔" انہوں نے دل ہی دل میں حساب لگایا اس کا آخری سمسٹر ختم ہوئے تقریباً" ایک ماہ سے زیادہ وقت ہو چلا تھا اب تک تو اسے آجانا چاہیے تھا۔

"شاید ابھی تو نہیں۔۔۔" ملک صاحب نے ایک نظر اپنے بالکل سامنے بیٹھی اپنی نصف بہتر ڈالی جو بڑی نزاکت سے گھونٹ گھونٹ جوس حلق سے نیچے اتار رہی تھیں۔

"دراصل ابھی وہ انٹرن شپ کر رہا ہے پھر وہ اور عریشہ اسکاٹ لینڈ گھومنے کے لیے جائیں گے اس کے بعد ان کی واپسی ہوگی اب دیکھو کتنا ٹائم لگتا ہے۔"

نہایت لاپروائی سے انہوں نے ایشال کا سارا شیڈول ملک صاحب کے گوش گزار کر دیا' جسے سنتے ہی وہ کچھ بے چین سے ہو اٹھے۔

"دیکھیں بیگم صاحبہ آپ بہت اچھی طرح جانتی ہیں ایشال ایک شادی شدہ مرد ہے وہ۔ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے باعث مجھے اس کا اس طرح عریشہ کے ساتھ تن تنہا گھومنا کچھ زیادہ پسند نہیں اور پھر مجھے یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح سب کچھ جانتے بوجھتے آپ اور آپ کے بھائی صاحب نے ان دونوں کو اس طرح دیار غیر میں آزادانہ گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی۔"

کئی سالوں سے دل میں بسی ایک بات آج ان کے لبوں تک بھی آن پہنچی "حیرت ہے آپ ابھی تک وہ پرانا اور فرسودہ قصہ نہیں بھولے۔"

انہوں نے ابرو چڑھاتے ہوئے ملک صاحب کی جانب دیکھا۔

"قصہ۔۔۔" ملک صاحب نے ان کے الفاظ کو حیرت سے دہرایا۔

"آپ شاید بھول رہی ہیں وہ واقعہ کوئی قصہ کہانی نہ تھا بلکہ ایک جیتی جاگتی اٹل حقیقت تھا جس کا سب سے بڑا گواہ میں خود ہوں' کتنا بھی وقت گزر جائے زمانے کی دھول سے ایسی باتیں مٹا نہیں کرتیں نکاح ایک ٹھوس حقیقت ہے جس سے انکار کرنا آپ کے یا ایشال کے لیے ممکن نہیں ہے' بلکہ میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ گزرتے وقت کے ساتھ سچائی کو قبول کرنے کے قابل ہو جائیں گی اور ایشال کو بھی سمجھالیں گی مگر حیرت ہے آپ آج تک اپنی اس پرانی ضد پر اڑی ہوئی ہیں آپ کی اس سخت دلی کے باعث ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹی جیسی عظیم رحمت سے نہیں نوازا۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی ملک صاحب کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"زندگی مجھے نہیں ایشال کو گزارنی ہے اور اپنی زندگی وہ خود عریشہ کے ساتھ گزارنے کا خواہش مند ہے اگر آپ کو یقین نہ ہو تو خود اس سے پوچھ لیجیے گا اس سارے قصہ کہانی سے' میرا کوئی لینا دینا نہیں ہے اگر آپ کا بیٹا راضی ہو تو سو بسم اللہ' جسے دل چاہے بہو بنا کر اس گھر میں لے آئیں میں کون ہوتی ہوں اعتراض کرنے والی۔"

اپنی بات ختم کر کے وہ غصہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں اب مزید کوئی بات کرنا ملک صاحب کے نزدیک بالکل بے کار اور بے معنی تھا ملک صاحب کیا چاہتے ہیں انہیں اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ملک صاحب کا کوئی جواب سنے بغیر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھیں اور کھٹا کھٹ کرتی اوپر چڑھتی چلی گئیں ملک صاحب جانتے تھے کہ اب ان کا یہ موڈ کئی دنوں تک اسی طرح آف رہنا ہے۔

کاش ایشال ایک بار فیصلہ کرنے سے پہلے میرے ساتھ چل کر اسے دیکھ لے مجھے یقین ہے اسے دیکھنے کے بعد وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی ضرور کرے گا مگر اس کا ملک صاحب کے ساتھ جانا ہی ایک ناممکن امر تھا یہ ملک صاحب کی ایک ایسی خواہش تھی جو بالکل لاحاصل تھی وہ جانتے تھے کہ ایشال' عریشہ کی محبت کے جنون میں بری طرح مبتلا ہے اسے اس سے ہٹ کر دنیا کی کوئی چیز نہیں بھاتی وقت نے ثابت کر دیا تھا کہ کئی سال قبل کیا جانے والا ملک صاحب کا فیصلہ ایک جذباتی عمل تھا جس کا نقصان انہیں اور اس معصوم لڑکی کو ہوا تھا۔ جسے انہوں نے بنا سوچے سمجھے ایشال کے نام سے منسوب کر دیا تھا۔

ملک صاحب کو لگا تاش کے سارے پتے ان کے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں وہ اپنی جیتی ہوئی بازی ہارتے جارہے ہیں ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا وہ کیا کریں اس عالم پریشانی میں ایک خیال روشنی بن کران کے دماغ میں کوندا وہ یک دم سیدھے ہو بیٹھے ابھی ایک آخری ترپ کا پتا ان کے ہاتھوں میں باقی تھا جسے کھیلنے کا فیصلہ انہوں نے اسی دم کرلیا اس کے بعد جو ہوتا وہ اس بچی کا مقدر جسے وقت کی گردش نے بنا کسی قصور کے اپنے جال میں جکڑ رکھا تھا انہیں ایک آخری کوشش کرنی تھی اس لڑکی کو اس کا حق دلانے کی اور ملک صاحب کو اسی فیصد یقین تھا وہ اپنی اس کوشش میں ضرور کامیاب ہوں گے باقی بیس فیصد انہوں نے اپنے رب پر چھوڑ دیا۔



وہ مسلسل شاہ زین کی نگاہوں کی زد میں تھی جو اپنے سارے کام چھوڑے شیشے کے اس پار سے مسلسل اسے تک رہا تھا اور شاید اس کی اس بے خودی کا عالم حبیبہ کو بھی نہ تھا بلیک سوٹ میں اوپر کر کے بال بنائے وہ بڑی تیزی کے ساتھ کمپیوٹر پر مصروف تھی جب اسے ظہور بلانے آیا۔

''آپ کو زین صاحب اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔''

''اچھا تم چلو میں آتی ہوں۔'' ظہور کے جاتے ہی اس نے اپنے سامنے رکھی فائل اٹھائی یقیناً''شاہ زین نے اس سلسلے میں کوئی بات کرنی ہوگی اسی خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ شاہ زین کے آفس میں داخل ہوئی۔

''السلام علیکم سر''

''وعلیکم السلام بیٹھ جاؤ۔''

بظاہر اس پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر وہ اپنے سامنے رکھی فائل میں مصروف ہوگیا۔

''آپ نے مجھے بلایا تھا۔'' حبیبہ نے ٹیبل کے دوسرے سرے پر کھڑے کھڑے ہی سوال کیا۔

''ہاں یہ کچھ مختلف کمپنیز کے ٹینڈر ہیں انہیں ذرا چیک کرلو۔'' اس نے اپنے سامنے رکھی فائل حبیبہ کی جانب سرکا دی۔

''اوکے سر'' حبیبہ فائل اٹھا کر واپس ہی پلٹی تھی کہ شاہ زین کی آواز نے اس کے بڑھتے قدم روک دیئے۔

''حبیبہ۔۔۔''

وہ اس کا نام پکار کر رک گیا حبیبہ منتظر تھی کہ وہ آگے کچھ کہے مگر وہ تو بالکل ہی خاموش تھا ایسے جیسے کچھ کہنا چاہ رہا ہو مگر کہہ نہ پائے وہ کسی الجھن کا شکار تھا جس کا اندازہ اس کے چہرے کو دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔

''کافی دن ہوگئے آپ اپنے گاؤں نہیں گئیں؟''

حبیبہ نے حیرت سے اسے دیکھا یقیناً''یہ وہ بات نہ تھی جو وہ کرنا چاہتا تھا۔

''اصل میں سرگاؤں میں میرے چچا ہوتے ہیں جو آج کل خود یہاں کراچی آئے ہوئے ہیں۔''

''اوہ اور تمہارے والدین۔''شاید وہ صرف اور صرف حبیبہ سے بات کرنے کا خواہش مند تھا۔

''وہ یہاں نہیں ہوتے۔''

اس دفعہ حبیبہ کا جواب دینے کا انداز پہلے سے خاصا روکھا تھا جسے شاہ زین نے فوراً''محسوس کرلیا وہ جان چکا تھا کہ اب وہ مزید کسی سوال و جواب کے موڈ میں نہیں ہے اور پھر حبیبہ کے اگلے سوال نے اس کی بات کو درست ثابت کردیا۔

''اب میں جاؤں سر؟''

شاہ زین کے جواب کا انتظار کیے بنا ہی وہ شیشے کا دروازہ دھکیلتی باہر نکل گئی''لعنت ہے۔ مجھ پر۔ جو ہر بار اس لڑکی سے

ذلیل ہونے کے بعد دوبارہ اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس نے اپنے سامنے رکھی فائل زور سے ٹیبل پر پٹخی۔

"آج کے بعد مجھے دوبارہ اس سے کبھی کوئی بات نہیں کرنی خود کو جانے کیا سمجھتی ہے۔" اس نے غصہ میں خود سے وہ عہد کیا جو کبھی پورا نہ ہوتا تھا۔



"ارے آپ کب آئے۔" وہ اپنے گھر کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں بیٹھے سالار اور نازیہ کو دیکھ کر سچ مچ حیران رہ گئی اسے مریم نے کسی مہمان کی آمد کی اطلاع تو دی تھی مگر وہ یہ نہ جانتی تھی کہ آنے والے نازیہ اور سالار ہوں گے۔

"جب آپ نے دیکھ لیا۔"

سالار اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے ہنس کر بولا۔

نازیہ سے گلے ملتے ہوئے اس کے جسم سے پھوٹتی قیمتی پرفیوم کی مہک اسے شرمندہ سا کر گئی جبکہ وہ ابھی ابھی سو کر اٹھی تھی ملگجے لباس پسینے سے شرابور وہ خجل سی ہو گئی۔

"آپ بیٹھیں میں پانی لے کر آتی ہوں۔"

وہ وہیں سے واپس پلٹنے لگی جب نازیہ نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"ارے نہیں تم یہاں آؤ ہمارے ساتھ بیٹھو کوئی تکلف مت کرو ہم صرف تم سے ملنے آئے ہیں۔"

اس نے بازو سے تھام کر اسے اپنے قریب ہی بٹھا لیا اس پل فرہاد کولڈ ڈرنک ہاتھ میں تھامے اندر داخل ہوا جو اس نے ان دونوں کے سامنے رکھ دیں فرہاد کی یہ حرکت اسے کچھ عجیب سی محسوس ہوئی کیا تھا جو اتنی گرمی میں یہ دو کولڈ ڈرنک ہمارے لیے بھی لے آتا اس کا تو ویسے بھی دل چاہ رہا تھا کچھ ٹھنڈا اٹھا پینے کو۔

"میں کولڈ ڈرنک نہیں پیتا پلیز یہ آپ لے لیں۔" سالار نے اپنی بوتل اس کی جانب بڑھائی وہ یک دم شرمندہ سی ہو گئی اسے ایسا لگا جیسے وہ زینب کے دل کی بات جان چکا ہے اس نے بوتل کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔

"تم سوچ نہیں سکتیں تمہارے اس طرح میرے گھر آنے پر مجھے کس قدر خوشی ہوئی ہے۔" وہ نازیہ کا ہاتھ تھامے ہوئے خلوص دل سے بولی۔

"صرف اس کے آنے پر۔" سالار نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں آپ دونوں کی آمد نے ہمیں دلی خوشی سے نوازا ہے۔"

فرہاد کے جواب نے اس کی مشکل کو قدرے آسان کر دیا جواباً وہ صرف مسکرا دیا اس دن زینب کو بار بار ایسا محسوس ہوا جیسے وہ مسلسل سالار کی نگاہوں کی گرفت میں ہے جتنی دیر وہ بیٹھا رہا بہانے سے اسے ہی تکتا رہا اس کے اس طرح دیکھے جانے سے زینب کچھ نروس سی ہو گئی۔

"اچھا اب ہمیں اجازت دو۔" کچھ دیر یہاں وہاں کی باتیں کرنے کے بعد نازیہ نے اس سے اجازت چاہی۔

"اور ہاں یہ تمہارے اور تمہارے بچوں کے لیے کچھ تحائف میں اور سالار اسلام آباد سے لے کر آئے ہیں امید ہے تمہیں پسند آئیں گے۔" اس نے اپنے قریب رکھے کچھ شاپرز اٹھا کر زینب کی جانب بڑھا دیے۔

"ارے ان سب کی کیا ضرورت تھی۔" وہ انہیں تھامتے ہوئے تھوڑا سا ہچکچا سی گئی۔

"تحفہ تحائف ضرورت کے لیے نہیں دیے جاتے بلکہ یہ تو محبت کے اظہار کا ایک خوبصورت طریقہ ہے۔" نازیہ نے بڑی محبت سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں فرہاد بھائی اب آپ نے جلد ہی اسے اور بچوں کو لے کر میرے گھر آنا ہے۔"

باہر نکلتے نکلتے وہ فرہاد کو تاکید کرنا نہ بھولی جبکہ سالار خاموشی سے پہلے ہی باہر نکل چکا تھا' ان کے جاتے ہی زینب نے جلدی جلدی سب کچھ کھول کر دیکھا دو قیمتی کپڑے کے زنانہ سوٹ' ایک پرفیوم' ہینڈ بیگ' مریم اور جگنو کی ایک ایک فراک اس کے علاوہ ایک شاپر میں اسلام آباد کی مشہور بیکری کا کافی سارا سامان تھا ان تمام تحائف کو دیکھتے ہوئے اسے یک دم یاسمین آپا یاد آگئیں جو ہمیشہ ان کے مقابلے میں اسفند اور صمد کے بچوں پر زیادہ خرچ کرتیں کیونکہ انہیں وہاں سے واپسی کی امید زیادہ ہوتی شاید ان کے نزدیک تحائف کا تبادلہ بھی ایک کاروبار تھا وہ ہمیشہ دوسری طرف سے زیادہ بہتر ملنے کی امید میں خرچ کیا کرتیں جبکہ یہاں نازیہ کو علم تھا کہ اس کے دیے گئے قیمتی تحائف کا بدلہ وہ کبھی نہیں دے سکتی ان تحائف نے اس کے دل میں نازیہ کی قدر کئی گنا بڑھا دی فرہاد نے بھی ایک ایک چیز کو اچھی طرح ہاتھ میں لے کر دیکھا ان بیش قیمت تحائف نے اسے کچھ پریشان سا کر دیا اس سے رہا نہ گیا اور وہ بول ہی پڑا۔

"وہ جو اتنا سب کچھ تمہیں دے گئے اب بھلا بتاؤ تم جو ان کے گھر ملنے جاؤ گی تو کیا لے کر جاؤ گی اصل میں تمہیں یہ سب لینا ہی نہیں چاہیے تھا۔"

وہ ہر شخص کو اس کسوٹی میں پرکھنے کا عادی تھا جس میں اس کے بہن بھائی اس سے ملا کرتے تھے۔

"آپ پریشان مت ہوں وہ میری حیثیت جانتے ہوئے مجھے یہ سب دے کر گئے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ انہیں مجھ سے واپسی کی کوئی امید یا ضرورت نہیں ہے۔"

سب سامان سمیٹ کر اس نے واپس ڈالا اور تمام شاپنگ بیگز اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی اسے فرہاد کا جواب سننے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔



اس دفعہ خالہ کی دکھائی گئی لڑکی رابعہ اور فائزہ دونوں کو بہت پسند آئی کئی سالوں بعد اس لڑکی کے رنگ و روپ کو دیکھ کر اسے اپنے پرانے گھر کے سامنے رہنے والی استانی جی کی بیٹی یاد آگئی جس کا نام اسے کئی بار سوچنے پر بھی یاد نہ آیا البتہ یہ ضرور یاد تھا کہ کس طرح اس کا معصوم حسن سارے محلے میں مشہور تھا کبھی کبھی تو وہ ایسا بھی محسوس کرتی تھی جیسے وجاہت بھی اسے پسند کرتا تھا ایسا اسے اس وقت محسوس ہوتا جب وہ اکثر اوقات اس وقت چھت پر جاتا جب سامنے والی چھت پر وہ لڑکی موجود ہوتی اور ان ہی دنوں جب اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس لڑکی کا رشتہ وجاہت بھائی کے لیے مانگ لیا جائے اس کی شادی کا کارڈان کے گھر آگیا اور اس طرح اس کی خواہش زبان پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ گئی اور اب جب وجاہت نے بیوی کے لیے صرف خوبصورت ہونا شرط قرار دیا رابعہ کے دل میں خود بخود استانی جی کی بیٹی جیسے حسن والی لڑکی کی خواہش نے ایک بار پھر سے جنم لے لیا اور آج اس لڑکی کو دیکھ کر اسے محسوس ہوا جیسے اس کی خواہش بنا کہے۔ پوری ہونے کا وقت آگیا ہے وہ دونوں بہنیں خالہ کے ساتھ بڑی خوشی خوشی گھر واپس آئیں وجاہت پہلے سے ہی رابعہ کے گھر موجود تھا یہ وقت اس کے دوپہر کے کھانے کا تھا۔

"خالہ ہمیں تو لڑکی بہت پسند آئی ہے بس اب آپ بسم اللہ کریں لڑکی والوں سے بات کرلیں اگر انہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو ہم جلد ہی شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

رابعہ نے جلدی جلدی اپنے پروگرام سے خالہ کو آگاہ کیا وہ بہت خوش تھی اور اپنی خوشی میں اس نے خالدہ خالہ کی خاموشی کو محسوس بھی نہ کیا۔

"کیوں بھائی ٹھیک ہے نا۔" اس نے سامنے چارپائی پر بیٹھے وجاہت سے بھی تصدیق چاہی، جو جانے کن سوچوں میں گم تھا ویسے بھی وہ ایسا ہی تھا بہت کم بات کرنے والا نہایت کم گو سا۔

"جو تمہارا دل چاہے کرو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ اپنی رضامندی کا عندیہ تو پہلے ہی دے چکا تھا۔

"بس تو خالہ پھر ہماری طرف سے تو ہاں ہے۔"

اس نے جلدی جلدی اپنے گھر کے فریج میں رکھی مٹھائی پلیٹ میں نکال کر خالہ کے آگے لا رکھی۔

"چلو اللہ کا شکر ہے تمہیں کوئی لڑکی تو پسند آئی۔" خالہ نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا مگر ابھی تک انہوں نے مٹھائی کی جانب اپنا ہاتھ نہ بڑھایا جبکہ وہ مٹھائی کی بے حد شوقین تھیں۔

"مگر بیٹا یہاں ایک مسئلہ ہے، جو اتنا بڑا تو نہیں مگر پھر بھی....."

خالہ کہتے کہتے رک گئیں اور وجاہت پر ایک نگاہ ڈالی۔

"اعتراض تو لڑکی والوں کو بھی کوئی نہیں ہے آخر پینتیس سال کی بیوہ کے لیے اس سے اچھا رشتہ انہیں کیا ملے گا مگر پھر بھی اپنی بیٹی کی سیکورٹی کے لیے ان کی ایک چھوٹی سی شرط ہے۔ جس پر اگر تم لوگوں کو اعتراض نہ ہو تو میں بات آگے بڑھاؤں۔"

خالہ نے سوالیہ انداز میں رابعہ کی جانب دیکھا۔

"کیسی شرط خالہ؟" رابعہ ان کی بات سن کر تھوڑا سا حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"لڑکی کا بھائی چاہتا ہے کہ نکاح سے قبل ان کی بہن کے نام وہ مکان لکھ دیا جائے۔ جس میں وجاہت میاں رہتے ہیں اور ویسے بھی بیٹا مکان میاں یا بیوی میں سے کسی کا بھی ہو، رہنا تو دونوں نے ہی ہے نا۔" خالہ نے شرط بتانے کے ساتھ ساتھ انہیں قائل کرنے کی بھی کوشش کی۔

"یہ کیسی فضول شرط ہے۔" رابعہ کے جواب دینے سے قبل ہی وجاہت درمیان میں بول پڑا۔

اس کے ماتھے پر پڑی شکنیں اس کی ناگواری کو صاف ظاہر کر رہی تھیں۔

"ہم نے بھی اپنی دو، دو بہنیں بیاہی ہیں۔ ہم نے تو ایسی کوئی شرط نہیں رکھی۔ ویسے بھی گھر تو محبت سے بنائے جاتے ہیں۔ خالی کھڑی دیواروں کو اپنے نام کرنے کا کیا فائدہ اور خالہ ذرا پوچھنا اس کے بھائی سے۔ بہن کا رشتہ کر رہا ہے یا سودا، جو نکاح سے قبل مکان چاہیے۔"

"ارے بیٹا تم تو خوامخواہ ہی برا مان گئے۔ آخر حق مہر شرعی طور پر عورت کا حق ہے اور وہ حق مہر میں ہی مکان مانگ رہے ہیں، تاکہ ان کی بہن کا مستقبل محفوظ رہے۔ اب دیکھو بیٹا برا مت منانا، تم نے پچیس چھبیس سال کے لڑکوں کو اپنی بہنوں کے رشتے دیے تھے۔ جبکہ وہ پینتالیس سال کے مرد کو بہن دے رہے ہیں اور ایک دفعہ پہلے بھی وہ سب یہ بھگتنے کے بعد ہی محتاط ہوئے ہیں۔ پہلی بار بچی کے نام کچھ بھی نہ تھا۔ سسرال والوں نے میاں کے مرتے ہی نکال باہر کیا مرنے والا اگر کچھ بیوی کے نام کر گیا ہوتا تو وہ بچی پچھلے پانچ سالوں سے ایسے نہ رل رہی ہوتی۔"

خالہ نے اپنی ہر ممکن کوشش کر ڈالی۔ وجاہت کو قائل کرنے کی۔

"تو کیا وہ جانتے ہیں کہ میں دو چار سال میں ہی مر جاؤں گا۔" وجاہت نے تیکھے انداز سے سوال کیا۔ وہ بات جو خالہ سمجھانا چاہتی تھیں وہ خوب اچھی طرح سے سمجھ گیا تھا۔

"اور فرض کرو خالہ اگر میں جلد ہی مر بھی گیا تو کون ہے، جو میری بیوی کو بازو سے پکڑ کر میرے گھر سے باہر کرے گا۔ میرا جو کچھ ہے میری بیوی اور بچوں کا ہی ہوگا اور یہ بات سب جانتے ہیں —— اس لیے اتنے تردد کی کیا ضرورت ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا۔ مگر۔" "بس خالہ بات کو ختم کریں۔ مجھے کسی بھی شرط کے تحت رشتہ کرنا منظور نہیں

ہے۔ آپ انہیں ہماری طرف سے انکار کر دیں۔"

وہ کھانا کھانے آیا تھا۔ مگر خالہ کی باتیں سن کر اس کی بھوک اڑ گئی اور اس نے اپنے سامنے رکھی ٹرے ہاتھ سے سرکا کر پرے کر دی۔

"ایسے لالچی لوگ جو میری موت کی صورت میں بہن کا تحفظ چاہ رہے ہیں' مجھے وہاں رشتہ ہی نہیں کرنا۔" وہ چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بھائی کھانا تو کھائیں۔" رابعہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھاما۔

"نہیں آج چوہدری صاحب کے مکان کی چھت ڈلنے والی ہے اور میرا کھانا وہیں ہے۔ تم یہ برتن اٹھالو۔"

جانے یہ سچ تھا یا جھوٹ... مگر اب وجاہت کو روکنا بالکل بے کار تھا۔ رابعہ نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا جو فائزہ راستے سے ہی اپنے گھر چلی گئی تھی۔ ورنہ آج اس کا اور خالہ کا باقاعدہ جھگڑا ہونا لازمی تھا۔ وجاہت پاؤں میں سلیپر پہن کر بڑے بڑے ڈگ بھرتا بیرونی گیٹ سے باہر نکل گیا۔

"دیکھو بیٹا کسی بھی بات کو اس طرح اپنی انا کا مسئلہ بناؤ گے تو رشتہ کرنا مشکل ہو جائے گا اور لڑکی تو تم نے خود بھی دیکھی ہے۔ ایسی خوب صورت بچی دوبارہ ڈھونڈنے میں کئی سال لگ جائیں گے۔ اس لیے میں تو یہ ہی مشورہ دوں گی کہ اپنے بھائی کو سمجھاؤ۔ خوامخواہ جذباتی نہ ہو۔ جذبات سے رشتہ ناتے بنتے نہیں۔ بگڑتے ہیں اور مزید وقت گزر گیا تو جو آج مل رہا ہے وہ بھی نہ ملے گا۔ دو چار سال بعد بھلا کون اسے رشتہ دے گا۔ تم خود سمجھ دار ہو اپنے بھائی کو بھی سمجھاؤ۔"

وجاہت کے باہر نکلتے ہی خالہ کی زبان پھر سے چل پڑی' جانتی تھیں کہ رابعہ زیادہ بحث و مباحثہ نہیں کرتی۔

"ہونا تو خالہ وہ ہی ہے جو نصیب میں لکھا ہوتا ہے۔ بہرحال پھر بھی میں کوشش کروں گی۔"

رابعہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اب وجاہت کے انکار کو اقرار میں تبدیل کرنا خاصا مشکل امر ہے۔ پھر بھی خالہ کا دل رکھنے کے لیے وعدہ کر بیٹھی۔

"تم نے آج پکایا کیا ہے؟" رابعہ کے ہاتھ میں وجاہت کے کھانے کی ٹرے دیکھ کر خالہ سے صبر نہ ہوا۔

"آلو قیمہ..." جواب دیتے ہی اس نے ٹرے خالہ کے سامنے رکھ دی۔

"چلو... وہ تو بنا کھائے چلا گیا۔ اب کھانا ضائع کیوں کیا جائے۔"

خالہ اطمینان سے برقعہ اتارتے ہوئے بولیں۔ رابعہ نے بنا کوئی جواب دیے ان کے قریب ہی ٹھنڈے پانی سے بھرا جگ بھی رکھ دیا اور خود کچن کی جانب چل دی' تاکہ اپنے لیے چائے کا ایک کپ بنا سکے۔ آج اس رشتہ کے حوالے سے اس کا دل بہت دکھا تھا۔ وہ تو پوری امید باندھے ہوئے تھی کہ آج دیکھی جانے والی لڑکی جلد ہی بھابھی بن کر اس کے بھائی کے آنگن میں اتر جائے گی۔ مگر جانے اللہ کی اس کام میں کیا بہتری تھی۔ یہ تو وہ ہی سوہنا رب جانتا ہے۔ ہم تو صرف کوشش کے پابند لوگ ہیں۔



وہ کسی الجھن کا شکار تھی۔ جس کا اندازہ اس کی مسلسل چٹخاتی انگلیوں کو دیکھ کر با آسانی لگایا جا سکتا تھا۔ فرہاد نے ناشتا ختم کر کے برتن پرے سرکا دیے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ زینب جانتی تھی کہ اب وہ صحن کے نلکے سے ہاتھ دھو کر باہر نکل جائے گا۔ کیونکہ یہ وقت اس کے دکان پر جانے کا تھا اور پھر وہاں سے اس کی واپسی عشاء کے بعد ہوتی تھی۔ دوپہر کا کھانا وہ اپنی دکان پر ہی کھاتا تھا۔ لہٰذا یہ ہی وقت تھا جو زینب اس سے کوئی بات کر سکتی' ورنہ آج کا سارا دن بے کار جاتا۔ یہ سب سوچتے ہوئے اس نے ہمت باندھی اور فرہاد کے پیچھے ہی باہر صحن میں آ گئی۔ وہ ہاتھ

دھو کر تولیہ سے صاف کر رہا تھا۔ جب اس نے پکارا۔
"فرہاد..."
اس کی آواز سن کر باہر کی طرف بڑھتے فرہاد کے قدم رک گئے۔
"خیریت..."
زینب کبھی اس طرح اس کے پیچھے نہ آتی تھی۔ اس لیے اس کی حیرت بجا تھی۔
"وہ مجھے پانچ سو روپے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کے پاس ہوں تو..."
اپنی انگلیاں چٹخاتی وہ رک رک کر بولی۔
"پانچ سو روپے..." فرہاد نے حیرت سے رقم دہرائی۔
"تم نے اتنے پیسوں کا کیا کرنا ہے۔" وہ جانتا تھا زینب کو اس طرح پیسے مانگنے کی عادت ہی نہیں ہے۔
"مجھے آج شام میں نازیہ کے گھر جانا ہے۔ اس لیے سوچا جانے سے پہلے ساویہ کے ساتھ قریبی مارکیٹ جا کر اس کے لیے کوئی اچھا سا گفٹ لے لوں۔ جیسے کوئی ڈیکوریشن پیس وغیرہ... کیونکہ خالی ہاتھ جانا اچھا نہیں لگتا۔"
"اچھا..." فرہاد نے جواب کے ساتھ ہی اپنی جیب سے پرس بھی نکال لیا۔ زینب حیرت سے اپنی جگہ کھڑی رہی۔ اسے امید نہ تھی کہ فرہاد اس طرح مانگنے پر اسے پانچ سو روپے دے دے گا۔ مگر اس کی یہ حیرت جلد ہی ختم ہو گئی۔ فرہاد نے پرس سے پیسے نکال کر گنے اور پھر انہیں دوبارہ واپس اندر رکھ دیا۔ اب جانے اس کے دل میں کیا خیال آیا تھا۔
"ایسا کرو تم تیار ہو جانا' میں چار بجے تک گاڑی لے کر آؤں گا۔ ہم دونوں ساتھ ہی چلتے ہیں۔ اس طرح میری بھی سالار سے ملاقات ہو جائے گی ویسے بھی پہلی بار تمہارا ان کے گھر اکیلے جانا اچھا نہیں لگتا' جہاں تک ڈیکوریشن پیس کا تعلق ہے ان کا گھر جانے کتنے قیمتی سامان سے بھرا پڑا ہے۔ وہاں ہمارا دیا ڈیکوریشن پیس کیا معنی رکھتا ہے۔ اس لیے ایسا کرتے ہیں جاتے ہوئے راستے سے کچھ پھل اور مٹھائی خرید لیں گے۔"
اس نے اپنا پرس واپس جیب میں رکھتے ہوئے ہر بات کی وضاحت کی۔
"آپ کسی کو جو تحفہ دیتے ہیں۔ وہ آپ کی اپنی حیثیت کے اعتبار سے ہوتا ہے' ضروری نہیں ہے کہ اگر وہ بہت قیمتی سامان استعمال کرتے ہیں تو ہمارا تحفہ ان کی نظر میں حقیر ہو جائے گا قیمت تحفہ کی نہیں' خلوص کی دیکھی جاتی ہے اور جو لوگ خود دوسروں سے خلوص نیت سے ملتے ہیں۔ وہ ایسے تحفوں کی قدر کرنا بھی جانتے ہیں۔"
اسے فرہاد کا اس طرح پرس واپس رکھنا بالکل بھی اچھا نہ لگا۔
"کیا تھا جو مجھے ایک پانچ سو روپے دے دیتے اور پھر راستے میں سے پھل' مٹھائی بھی لے لی جاتی۔ اس میں کوئی حرج تو نہ تھا۔" اس نے کلستے ہوئے سوچا۔
"میں چار بجے تک آجاؤں گا' تم تیار رہنا۔"
فرہاد اس کی کسی بھی بات کا جواب دیے بنا ایک بار پھر سے یاددہانی کرواتا بیرونی گیٹ عبور کر گیا اور زینب مرے مرے قدموں کے ساتھ کچن کی طرف آ گئی۔ تاکہ مریم کے لیے ناشتا تیار کرے۔ کیونکہ اس کے اسکول جانے کا ٹائم ہونے والا تھا۔ وہ اسے خود ہی اسکول چھوڑنے اور پھر چھٹی کے وقت واپس لینے جاتی تھی۔ ویسے بھی مریم کا اسکول اس کے گھر سے صرف دس منٹ کی واک پر ہی تو تھا۔



آج صبح سے ہی وہ کافی چپ چپ سی تھی۔ اسے اپنا ٹوٹا ہوا آنگن' اس میں لگا نیم کا بڑا سا پیڑ' اپنی بیمار ماں اور

سنگی ساتھی بری طرح یاد آرہے تھے۔ اپنی ماں کو یاد کرکے اس کا دل کئی بار بھر آیا۔ اسے وہ فاقے یاد آئے جو وہ اپنی ماں کے ساتھ کرتی تھی اور آج اس کے آس پاس دنیا کی ہر آسائش موجود تھی۔ اے سی جس کے بارے میں اس نے مرکر بھی نہ سوچا تھا۔ اشیائے خورد و نوش سے بھرا فریج، جس میں دنیا کی وہ تمام نعمتیں وافر مقدار میں موجود تھیں۔ جن کے لیے ترستے ہوئے اس کا بچپن گزر گیا۔ ان میں سے کئی چیزیں تو اس نے اپنے بچپن میں دیکھی بھی نہ تھیں۔ جو آج اس کے پاس موجود تھیں۔ مگر اب یہ تمام اشیا اپنی اہمیت کھو چکی تھیں۔ شاید کسی بھی چیز کی زیادتی اس کی قدر کو کم کردیتی ہے۔ جس کا احساس ہر گزرتا دن اسے دلا رہا تھا۔

سب کچھ اس کے پاس ہوتے ہوئے بھی وہ آج بھی پہلے ہی کی طرح تہی دامن تھی۔ اس کے پاس ہمیشہ رشتوں کی کمی رہی ہے۔ پہلے صرف ایک ماں کا رشتہ تھا اور بچپن میں دیکھا ہوا باپ۔ جس پر وقت نے دھول ڈال دی تھی اور ایک بوڑھی نانی جس سے ملنے وہ کبھی کبھی اپنی ماں کے ساتھ جایا کرتی تھی اور آج صرف ایک ملک انکل اور فضل دین اس کے علاوہ ایک رشتہ اسے اور بھی یاد تھا۔

وہ آج تک اپنے گھر میں اترنے والی وہ شام نہ بھولی تھی۔ جب ایشال بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس اس کے گھر کے ٹوٹے پھوٹے آنگن میں کھڑا تھا۔ اتنے اندھیرے میں بھی اس کے چہرے پر چھائی بے زار کن کیفیت اسے دور سے ہی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ایشال کا صرف وہ ہی ایک آخری تصور اس کے ذہن میں تھا۔ اس دن کے بعد سے لے کر آج تک اس نے بھی ایشال کو دوبارہ نہ دیکھا تھا۔ کئی بار اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ فضل دین سے کہہ کر اس کی ایک تازہ تصویر ہی منگوالے۔ مگر پھر شرم و جھجک آڑے آجاتی' ہر بار جب ملک صاحب اس سے ملنے آتے وہ لاشعوری طور پر ان کے ساتھ ایشال کی آمد کی بھی منتظر ہوتی' مگر گزرے ہوئے اتنے سالوں میں وہ کبھی بھی اس سے ملنے نہ آیا۔ کبھی کبھی تو اسے ایسا لگتا جیسے وہ اس رشتہ سے خوش ہی نہ ہو اور یہ خیال اکثر ہی اسے بے چین سا کردیتا۔

وہ جانتی تھی کہ اگر ان نامساعد حالات میں ملک انکل اس کے ساتھ نہ ہوتے تو جانے آج وہ کہاں کہاں رل رہی ہوتی۔ وہ پورے دل سے ان کی احسان مند تھی۔ مگر پھر بھی اس کے دل میں ایشال سے ملنے کی خواہش ہر وقت ہمکتی رہتی۔ یہاں تک کہ جب وہ رات میں اپنی آنکھیں بند کرکے سونے کے لیے لیٹتی تو بلیک ٹی شرٹ میں ایشال کا تصور چھم سے اس کے دماغ میں اتر آتا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنے دماغ سے نہ نکال پائی۔

جلد ہی اس کے کالج میں گریجویشن کی تقریب منعقد ہونے والی تھی جس میں ملک صاحب کی آمد متوقع تھی۔ اس کا دل چاہتا اے کاش اس تقریب میں شرکت کے لیے ایشال بھی ان کے ساتھ آجائے۔ بنا جانے کہ اس کی یہ تمنا لاحاصل تھی۔ وہ ہمیشہ ایسی ہی تمنا کیا کرتی۔ حالانکہ کئی بار باتوں ہی باتوں میں فضل چاچا نے اسے بتایا تھا کہ ایشال پاکستان میں نہیں ہے۔ پھر بھی اس نے سوچ رکھا تھا کہ اگر اس بار بھی وہ ملک صاحب کے ساتھ نہ آیا تو وہ ضرور فضل دین سے اس کے بارے میں پوچھے گی وہ فضل دین اور اس کی بیوی کے ساتھ ملک صاحب کے دیے ہوئے اس فلیٹ میں ہی رہتی تھی۔ اس سے قبل اپنا اسکول کا زمانہ اس نے ہاسٹل میں گزارا اور پھر ملک صاحب نے اسے یہ فلیٹ لے دیا' تاکہ وہ زیادہ آرام اور سکون کے ساتھ رہ سکے۔ اسے حیرت ہوتی تھی کہ اتنے سالوں میں نہ صرف ایشال بلکہ آنٹی اور ایشال کا چھوٹا بھائی جس کا اس نے کبھی نام بھی نہ پوچھا تھا کوئی بھی اس سے ملنے بھی نہ آیا۔ سوائے ملک انکل کے جو ہمیشہ ہر موقع پر اس سے ملنے آتے رہے اور اب اس کا دل چاہتا وہ ان سے ایشال کے بارے میں دریافت کرے' جانے کیوں اسے ایسا لگتا جیسے وہ سب لوگ اس کے وجود سے ہی یکسر لاعلم ہیں اور یہ ہی بات اکثر کانٹے کی طرح اس کے دل میں چبھا کرتی' مگر ایشال تو اس کے وجود سے واقف تھا۔ پھر وہ کیوں نہیں... آج اس بار جب ملک انکل اکیلے آئے تو میں ضرور ان سے ایشال کے بارے میں بات کروں گی۔

دل ہی دل میں فیصلہ کرتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں اور جلد ہی نیند کی گہری وادیوں میں اتر گئی جہاں وہ ہر قسم کی فکروں سے مکمل طور پر آزاد تھی۔

☆ ☆ ☆

فرہاد گھر آیا تو برآمدے میں موجود بچوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے اس سے پہلے ان بچوں کو کبھی اپنے گھر نہ دیکھا تھا۔

"یہ بچے کون ہیں؟" اس نے تخت پر بیٹھی سبزی کاٹتی زینب سے سوال کیا۔

"ہمارے کرایہ داروں کے ہیں ایک سادیہ اور ایک بچی مریم کے ساتھ اس ہی کے اسکول میں پڑھتی ہے۔"

زینب نے تمام بچوں کا مکمل طور پر تعارف کروایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ سب یہاں کیا کر رہے ہیں؟" وہ ابھی تک حیران تھا۔

"مجھ سے ٹیوشن پڑھنے آئے ہیں۔"

زینب نے سبزی کاٹ کے چھلکے قریب رکھے ڈسٹ بن میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"تم ٹیوشن پڑھاؤ گی؟" فرہاد نے ہنستے ہوئے سوال کیا۔

"تم نے تو خود کئی سال قبل میٹرک کیا تھا۔ اب بھلا تم ان بچوں کو کیا پڑھاؤ گی؟"

"آپ فکر نہ کریں ان کے کورس میں ابھی بھی وہ ہی سب کچھ شامل ہے جو سالوں قبل ہم نے پڑھا تھا۔ کچھ ایسا نیا نہیں آیا جو مجھے پڑھانے میں مشکل ہو۔"

فرہاد کے مذاق کا جواب نہایت سنجیدگی سے دیتی وہ سبزی کی ٹوکری اٹھائے کچن میں آگئی۔ کریلوں کو نمک لگا کر اچھی طرح مسل کر وہیں سنک پر رکھ دیا اور فرہاد کے لیے ایک کپ چائے کا بنا کر دوبارہ برآمدے میں آگئی۔

"ویسے تمہیں کیا ضرورت ہے اس طرح لوگوں کے بچوں کو پڑھانے کی تم تو بس اپنی بیٹی کو پڑھا لو اتنا ہی کافی ہے۔"

فرہاد چائے کا کپ تھامتے ہوئے بولا۔ زینب نے کوئی جواب نہ دیا۔

"چلو اب تم سب چھٹی کرو اور کل یاد سے اسی وقت پڑھنے آجانا۔" اس نے تمام بچوں کو ایک ساتھ ہی مخاطب کیا۔

"اماں میں بھی ان کے ساتھ کھیلنے جاؤں؟" چھٹی کا سن کر سب سے زیادہ خوشی مریم کو ہوئی۔

"ہاں پر مٹی میں مت کھیلنا؟"

اتنا کہہ کر وہ کچن کی جانب چل دی۔ اس سے قبل کہ مریم تمام بچوں کو لیے گھر سے باہر نکلتی کسی نے بیرونی گیٹ کو زور زور سے بجایا۔ ساتھ ہی اطلاعی گھنٹی پر بھی ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ کون آگیا؟" فرہاد فوراً کپ ٹرے میں رکھ کر باہر کی جانب لپکا۔ زینب بھی اس کے پیچھے ہی باہر آگئی۔ تاکہ پتا چلے کون آیا ہے۔ دروازہ کھولتے ہی اس کے عین سامنے سالار کھڑا تھا۔ جس کے چہرے پر اڑی ہوائیاں کسی انہونی کی اطلاع دے رہی تھیں۔

"خیریت تو ہے سالار کیا ہوا؟"

زینب کے کانوں سے فرہاد کی آواز ٹکرائی۔ سالار کا جواب سننے کے لیے وہ وہیں رک گئی۔

"فرہاد بھائی میں زینب کو لینے آیا ہوں۔ دراصل نازیہ آج صبح سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔ اس کی حالت کافی خراب ہے۔ اس کی والدہ اسپتال پہنچ چکی ہیں۔ مگر اپنی عمر رسیدگی اور کچھ بیٹی کی پریشانی کے تحت ان سے سب کچھ سنبھالا نہیں جا رہا میری صباحت آپا سے فون پر بات ہوئی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ میں زینب کو لے آؤں۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو پلیز اسے میرے ساتھ بھیج دیں اس طرح شاید میری پریشانی بھی کچھ کم ہو جائے۔"

وہ پوری تفصیل بتاتے ہوئے بولا۔
نازیہ پریگننٹ تھی اور اس حالت میں اس کا سیڑھیوں سے گرنا کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس کا اندازہ وہ بخوبی لگا سکتی تھی۔ تین سال بعد ہونے والے اپنے اس بچے کے معاملے میں وہ ویسے بھی خاصی حساس تھی۔ یہ خیال دل میں آتے ہی زینب کا دل بھی اس کے دکھ سے بھر گیا۔
"تم اندر آؤ' میں زینب کو بھیجتا ہوں۔"
فرہاد کا اتنا کہنا ہی کافی تھا۔ وہ وہیں سے واپس پلٹ گئی' تاکہ جلدی سے تیار ہو کر سالار کے ساتھ جاسکے اور پھر صرف پندرہ منٹ بعد ہی وہ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اسپتال جانے والے رستے پر رواں دواں تھی۔



وہ رات خاصا لیٹ گھر واپس آیا تھا کئی عرصہ بعد اس نے اپنے پرانے دوستوں کے ساتھ مل کر خوب آؤٹنگ کی اور اپنے کالج کی یادوں کو ایک بار پھر سے تازہ کیا۔ پہلے مال گھومنا۔ پھر مووی دیکھنا اور آخر میں ایک اچھا سا ڈنر کرنے کے بعد جب وہ گھر واپس پہنچا تو تقریباً" رات کے دو بج چکے تھے۔ کپڑے تبدیل کرکے سوتے سوتے تین بج گئے۔ اسی سبب صبح اس کی آنکھ ہی نہ کھلی اور نہ ہی اسے کسی نے جگایا اور ابھی بھی جانے وہ کتنی دیر سوتا رہتا۔ اگر اس کا موبائل نہ بج اٹھتا مسلسل بجتے موبائل کی آواز سے اس کی نیند ٹوٹ گئی۔
"ہیلو....."
یس کا بٹن پریس کرکے اس نے فون اپنے کان سے لگا لیا۔
"تم ابھی تک سو رہے ہو؟" دوسری طرف بابا تھے جو اس کی غنودگی بھری آواز سن کر حیران ہوتے ہوئے بولے۔
"میں رات کو کچھ دیر سے سویا تھا۔ اسی لیے آنکھ ہی نہ کھلی۔"
جواب دیتے ہوئے اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھی چھوٹی سی گھڑی پر ایک نظر ڈالی جہاں تین بج رہے تھے۔ وہ شرمندہ سا ہو گیا۔ وہ تو عام طور پر کبھی بھی اتنی دیر تک سونے کا عادی نہ تھا اور آج تو ویسے ہی بابا نے اسے اپنے کسی کام کے سلسلے میں صبح جلد آفس آنے کی ہدایت کی تھی جو وہ بالکل ہی بھول گیا تھا۔ اب سمجھ نہ آیا۔ معذرت کس طرح کرے۔
"اوہ سوری بابا میں بھول گیا تھا کہ....."
"اٹس اوکے۔"
انہوں نے پوری بات سنے بغیر ہی اس کا جملہ کاٹ دیا"میں اور کریم دونوں بینک چلے گئے تھے اور وہ کام ہو بھی گیا۔ اب تم ٹینشن مت لو اور ذرا جلدی سے فریش ہو کر آفس آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"
اس کے ساتھ ہی انہوں نے کال ڈسکنیکٹ کردی اور اگلے تیس منٹ بعد ہی وہ فریش ہو کر آفس جا پہنچا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک غیر ارادی نظر حبیبہ کے ٹیبل پر ڈالی جو اس کے وجود سے یکسر خالی تھی۔ شاید وہ آج آئی ہی نہ تھی۔ مگر اس کا یہ خیال بابا کے کمرے میں داخل ہوتے ہی غلط ثابت ہو گیا۔ وہ ان کے بالکل سامنے رکھی کرسی پر بیٹھی غالباً" کوئی ڈکٹیشن لے رہی تھی۔ اس کے دائیں ہاتھ والی کرسی پر اکاؤنٹنٹ سیکشن کے ماجد صاحب بھی موجود تھے جو اپنے سامنے رکھی کسی فائل میں مصروف تھے۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی سب پر ایک نظر ڈالی۔
"السلام علیکم۔" اس کے مخاطب وہاں موجود تمام افراد تھے۔

"وعلیکم السلام۔" پاپا کے ساتھ ساتھ ماجد صاحب نے بھی بڑی خوشدلی سے جواب دیا' جبکہ وہ اسے یکسر نظر انداز کیے اپنے کام میں مصروف تھی۔

"آپ آج شام میں فارغ ہیں؟"

پاپا نے اپنے سامنے موجود فائل کو بند کرتے ہوئے اس سے سوال کیا تھا۔

مختصر سا جواب دے کر وہ ان کے نزدیک رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"دراصل آج ہمارا ایک وفد بنگلہ دیش سے آرہا ہے' شام چھ بجے کی فلائٹ سے۔"

انہوں نے سامنے لگی دیوار گیر گھڑی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"میں چاہتا ہوں اس وفد کو ایرپورٹ ریسیو کرنے تم جاؤ اور چونکہ آنے والے مہمانوں میں ایک خاتون بھی شامل ہے۔ اس لیے بہتر ہوگا اپنے ساتھ حبیبہ کو لے لو۔ آفس کی گاڑی بھی تمہارے ساتھ ہوگی۔ جس میں کرم دین اور ماجد صاحب دونوں ہی موجود ہوں گے۔"

انہوں نے مکمل تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کا جی چاہا پاپا سے سوال کرے۔ کیا حبیبہ تنہا میرے ساتھ چلی جائے گی؟ مگر چاہتے ہوئے بھی وہ یہ سوال نہ کر سکا۔

"آپ نے حبیبہ سے پوچھ لیا ہے۔ انہیں میرے ساتھ جانے میں کوئی اعتراض تو نہیں۔"

کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ بول ہی پڑا۔

"اسے بھلا کیا اعتراض ہوگا؟"

پاپا نے چشمہ کے اوپر سے جھانکتے ہوئے الٹا اس سے سوال کر دیا۔

"ویسے تو وہ کریم دین کے ساتھ بھی جا سکتی ہے' لیکن جب تم جا رہے ہو تو میں نے بہتر سمجھا کہ اسے تمہارے ساتھ ہی بھیجوں۔"

حبیبہ بالکل خاموشی سے اپنے سامنے رکھے پیپرز سمیٹنے میں مصروف تھی۔ "اگر انہیں کوئی مسئلہ ہو تو میں کرم دین ہی کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔"

تمام کاغذ سمیٹ کر فائل میں لگاتے ہوئے اس نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔ دل چاہا وہ اس کے خیال سے مکمل طور پر اتفاق کرتے ہوئے اسے مشورہ دے کہ وہ کرم دین ہی کے ساتھ چلی جائے۔ مگر جانتا تھا کہ اسے یہ مشورہ دینا خود ہی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ جبکہ حبیبہ کو کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ وہ کسی کے ساتھ چلی جائے شاہ زین کو اس کے ساتھ سفر کرنے کا ایسا حسین موقع جانے دوبارہ کب ملتا۔ یہ ہی سوچ کر جواب میں خاموشی اختیار کرلی۔

"نہیں..... بھلا اسے کیا پرابلم ہوگا۔ تم جاؤ اس کے ساتھ۔"

اس تمام گفتگو کے دوران شاہ زین صوفے پر بیٹھا مسلسل اپنے سیل میں مصروف رہا۔ بالکل ایسے جیسے اس تمام مسئلے سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم لوگ ذرا جلدی نکلنے کی کوشش کرو۔ اگر فلائٹ ٹائم پر آگئی تو ٹریفک کے رش کے باعث تمہیں ایرپورٹ پہنچنے میں دیر ہو جائے گی۔"

پاپا کی بات سنتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ حبیبہ کے باہر نکلتے ہی خود بھی دروازہ دھکیلتا ہوا کوریڈور میں آگیا۔

"میں ذرا اپنا ہینڈ بیگ لے لوں۔"

اس کا جواب سنے بنا وہ اپنے کیبن کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی اور جب تک وہ کوریڈور سے گزر کر بڑے ہال تک پہنچا۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے آگئی۔ شاہ زین آہستہ آہستہ چلتا لفٹ تک آگیا۔

"ایک ہی لفٹ میں چلیں یا آپ علیحدہ آئیں گی۔"
لفٹ کا بٹن پریس کرتے ہوئے اس نے پلٹ کر حبیبہ سے سوال کیا۔
"جب گاڑی میں ایک گھنٹہ تنہا آپ کے ساتھ سفر کر سکتی ہوں تو دو سیکنڈ لفٹ کا ساتھ برداشت کرنے میں کیا قباحت ہے۔"
اس کے سوال کا بالکل اسی کے انداز میں جواب دے کر اس نے اپنے منہ پر آئے بالوں کو ہاتھ کی مدد سے پیچھے کیا اور پھر ایئرپورٹ تک سارے راستے وہ بالکل خاموش کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ اسے مخاطب کرنے کی خواہش نے کئی بار شاہ زین کے دل میں سر اٹھایا۔ جسے اس نے بڑی مشکل سے جھٹک کر سلا دیا۔ ایئرپورٹ کی حدود میں داخل ہو کر خاموشی سے گاڑی لے جا کر پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ باہر نکل آیا۔
"ایک بات پوچھوں سر۔" اس کے باہر نکلتے ہی جانے حبیبہ کو کیا یاد آ گیا۔
"پوچھیں۔"
وہ اپنی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے نہایت سنجیدگی سے بولا۔ اسے حیرت تھی کہ حبیبہ کیا پوچھنا چاہ رہی ہے۔
"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" یہ ایسا سوال تھا۔ جس کی توقع شاہ زین کم از کم حبیبہ سے تو بالکل بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حیرت کے باعث اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔
"حیرت ہے آپ بھی کسی کی ناراضی کو محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔"
وہ واقعی ہی حیران تھا۔
"کیوں کیا میرا شمار انسانوں میں نہیں ہوتا؟"
اس نے آج پہلی بار حبیبہ کو مسکراتے دیکھا۔ کسی نے سچ کہا ہے کچھ مسکراہٹیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن پر جان قربان کی جا سکتی ہے اور یقیناً "حبیبہ کی مسکراہٹ کا شمار بھی ان میں ہی ہوتا تھا۔
"آپ کی مسکراہٹ بے حد خوب صورت ہے۔"
اس نے تعریف کرنے میں بالکل بھی تحمل سے کام نہ لیا۔
"شکریہ۔"
اپنا ہاتھ ماتھے تک لے جا کر وہ ہنستے ہوئے بولی۔
شاہ زین کو ایسا لگا جیسے اس کے آس پاس کوئی مدھر جھرنا بہہ رہا ہو حبیبہ کی ہنسی اس کی مسکراہٹ سے کہیں زیادہ دلفریب تھی۔ اسے محسوس ہوا۔ وہ جیسے جیسے حبیبہ کو جان رہا ہے۔ ویسے ویسے اس کی محبت میں اور زیادہ غرق ہوتا جا رہا ہے اور شاید اس کی اس محبت کا احساس حبیبہ کو بالکل بھی نہ تھا اور یہ ہی احساس اس کے دل میں جگانے کی امید لیے وہ ایئرپورٹ لاؤنج میں داخل ہو گیا۔



"کیا بات ہے گڑیا تم کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟"
وہ کب سے اپنے سامنے رکھی پلیٹ میں تھوڑے سے فرائیڈ رائس ڈالے انہیں کانٹے کی مدد سے ادھر ادھر کر رہی تھی۔ اس کا دھیان بالکل بھی کھانے کی طرف نہ تھا۔ جسے سکینہ نے محسوس تو بہت پہلے ہی کر لیا تھا۔ مگر کچھ دیر تک خاموشی سے اس کا جائزہ لینے کے بعد وہ پوچھ ہی بیٹھی۔
"بھوک نہیں۔"

اس نے پلیٹ اپنے آگے سے کھسکاتے ہوئے دھیرے سے جواب دیا۔

سکینہ سمجھ گئی' آج پھر پرانی یادوں نے اس کے دل میں ڈیرہ ڈال لیا ہے اور یقیناً" اسے اپنی ماں یاد آرہی تھی۔ جس کا اندازہ اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات کو دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔ ایسے میں ہمیشہ سکینہ بالکل خاموش ہوجایا کرتی اس وقت تک جب وہ رو کر اچھی طرح اپنے دل کی بھڑاس نہ نکال لیا کرتی اور سچ تو یہ تھا کہ سکینہ کو اس سے اس تنہا اور معصوم سی لڑکی پر دل کھول کر ترس بھی آتا۔ جس کے پاس دنیا کی ہر آسائش ہوتے ہوئے بھی شاید سکون نہ تھا۔ کبھی کبھی تو اسے اس بات پر بھی حیرت ہوتی کہ ایسی کیا مشکل تھی جو ملک صاحب نے اسے یوں اس طرح ان لوگوں کے سہارے چھوڑ رکھا تھا۔ کیوں اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے کر نہیں جاتے اور یہ سوال اس نے کئی بار فضل دین سے کیا۔ جس کا جواب وہ کبھی بھی نہ دیتا تھا اور یہ ہی اس کی اپنے مالک سے وفاداری کا ایک ثبوت بھی تھا۔ ابھی بھی اس نے بنا کوئی بات کیے خاموشی سے ٹیبل پر رکھے برتن سمیٹنے شروع کردیے۔

"آنٹی جی....."

وہ ہمیشہ سکینہ کو اسی نام سے پکارتی۔

"جی میرا بچہ؟"

اس کی پکار کا جواب سکینہ اسی طرح اتنے ہی پیار سے دیا کرتی۔

"آپ کبھی ملک انکل کے گھر گئی ہیں۔"

ایک ایسا سوال جس کی امید سکینہ کو بالکل بھی نہ تھی۔

"نہیں۔"

مختصر سا جواب دے کر وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

"ان کی بیگم یا فیملی کے کسی اور فرد سے کبھی ملی ہیں؟"

آج اس طرح کیے جانے والے اس کے ان سوالوں کا کیا مقصد تھا۔ فی الحال سکینہ سمجھ نہ پائی۔ "نہیں میرا بچہ کبھی بھی نہیں۔"

"اچھا۔"

اب سکینہ اپنے ہاتھ روکے منتظر کھڑی تھی کہ شاید وہ کچھ اور پوچھے گی۔ مگر دوسری طرف بالکل خاموشی تھی اور وہ کرسی پر بیٹھی چپ چاپ اپنے ہاتھوں کو تکے جارہی تھی۔ جب سکینہ نے اسے مخاطب کیا۔

وہ کبھی بھی اسے بیگم صاحبہ یا چھوٹی بی بی نہ کہتی اور نہ ہی کبھی اس کا نام لیا کرتی۔ بلکہ ہمیشہ گڑیا یا بچہ ہی کہہ کر مخاطب کیا کرتی۔

"ہاں پوچھو کیا پوچھنا ہے۔"

وہ اپنا چہرہ ہتھیلی کی کٹوری میں جماتے ہوئے بولی۔

"ملک صاحب آپ کے سگے چچا ہیں۔"

وہ سوال جو وہ اکثر فضل دین سے کیا کرتی تھی۔ آج اس سے بھی کر بیٹھی اس امید پر کہ شاید یہاں سے ہی اسے کوئی جواب مل جائے۔

"پتا نہیں۔"

وہ جانتی نہ تھی یا پھر بتانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ سکینہ سمجھ نہ پائی۔

"سکینہ آنٹی' چاچا فضل دین کبھی ملک انکل کی فیملی سے ملے ہیں۔ مطلب ان کے بیوی' بچوں کو کبھی دیکھا ہے؟"

بات جو وہ جاننا چاہتی تھی ابھی تک اس کے لبوں تک نہ آئی تھی۔
"پہلے تو اکثر ہی جایا کرتے تھے۔ مگر جس دن سے آپ کا نکاح۔" سکینہ نے اپنی بات درمیان میں ہی چھوڑ دی۔ یک دم کمرے میں چھا جانے والی خاموشی پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ کمرے کے عین درمیان میں فضل چاچا کھڑے تھے۔ وہ فورا" سے بیشتر سکینہ کی خاموشی کی وجہ جان گئی۔ وہ سمجھ گئی۔ سکینہ ضرور کوئی ایسی بات بتانا چاہتی تھی جسے بتانے سے اسے چاچا نے منع کیا تھا اور اب یقینا" سکینہ اس موضوع پر اس سے دوبارہ بات نہ کرے گی۔ جس کا اندازہ اس وقت سکینہ کی خاموشی کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔
"السلام علیکم چاچا۔"
فضل دین کو سلام کرتے ہی وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"وعلیکم السلام بچے' کیا ہو رہا ہے؟"
فضل دین اس کے سر پر دست شفقت پھیرتا کچن کی جانب بڑھ گیا۔ شاید وہ بازار سے آیا تھا۔ کیونکہ اس کے ہاتھ میں کافی سارے سامان کے تھیلے تھے۔ جنہیں وہ کچن میں رکھ کر دوسرے ہی پل واپس پلٹ آیا۔
"آج میں چھوٹی بی بی کی پسندیدہ مچھلی لایا ہوں' تم اسے اچھی طرح مسالا لگا کر روسٹ کر دو۔"
"پلیز چاچا آپ مجھے بی بی جی مت کہا کریں۔"
اس لفظ سے وہ ہمیشہ ہی چڑ جایا کرتی تھی۔
"اچھا بیٹا معاف کرنا' کوشش تو بہت کرتا ہوں' مگر پھر بھی دل اور زبان سے آپ کا احترام نہیں جاتا۔ ارے یاد آیا آج تو میں آپ کے لیے ڈھیروں ڈھیر انگور بھی لایا ہوں۔ جاؤ سکینہ جلدی سے باسکٹ میں ڈال کر دھو لاؤ۔"
"رہنے دیں آنٹی مجھے انگور نہیں کھانے۔"
جانے کیا ہوا' اس نے زوردار آواز سے کرسی کھینچ کر پیچھے کی' آج انگوروں نے اس کے دل میں ان پرانی یادوں کو پھر سے زندہ کر دیا۔ جن کی کسک سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے یہ آنسو سکینہ یا فضل دین کے سامنے بہہ کر انہیں پریشان کریں۔ اس لیے تیزی سے آگے بڑھ کر لاؤنج کا دروازہ کھولتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ سچ ہے انسان جیتے جی اپنے ماضی سے کبھی بھی پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ اس کا ماضی ہر پل' ہر گھڑی اور ہر دم اس کے ساتھ ساتھ ہی رہتا ہے۔ جہاں ذرا حال نے آنکھیں دکھائیں' ماضی فورا" سے بیشتر سامنے آن کھڑا ہوتا اور وہ تو اپنے ماضی کو شاید تاحیات نہ بھول سکتی تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازے کو لاک لگا دیا۔ اب اس خالی کمرے میں وہ تھی یا اس کا ماضی جہاں ہر لمحہ اس کے ساتھ اس کی ماں کا سایہ بھی تھا آج وہ اپنے ماضی میں پوری طرح ڈوب جانا چاہتی تھی۔ خود سے وابستہ ہر یاد کو پھر سے جگانے کی خواہش لیے وہ اپنے بستر پر گر گئی۔ اس کے سامنے اس کا بچپن آن کھڑا ہوا اور وہ ماضی کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہوتی چلی گئی۔



"یار پلیز تم یہ گرین کلر پہن کر میرے سامنے مت آیا کرو۔"
عریشہ جیسے ہی تیار ہو کر باہر نکلی۔ اس پر نظر پڑتے ہی ایشال چیخ اٹھا۔
"کیوں کیا ہوا' اتنا خوب صورت کلر تو ہے؟"
وہ جان بوجھ کر اسے چڑاتے ہوئے شرارت سے ہنسی۔
"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یہ رنگ میری دکھتی رگ ہے اور میری گزری ہوئی یادوں میں اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے جتنی اس دن اس مقام پر جمع تمام لوگ۔"

عریشہ جانتی تھی کہ اس کے گرین کلر سے اس قدر نفرت کرنے کا پس منظر کیا ہے۔ مگر آج سے پہلے ایشال نے اسے اس طرح کبھی نہ ٹوکا تھا جس طرح آج۔

"ٹھیک ہے آئندہ خیال رکھوں گی کہ کم از کم تمہارے سامنے آتے ہوئے یہ رنگ نہ پہنوں۔"

اس نے مصالحت آمیز انداز میں جواب دیا۔

"تم آئندہ اس کلر کا کوئی سوٹ ہی نہ بناؤ تو زیادہ بہتر ہو گا اور ہو سکے تو یہ شرٹ چینج کر لو۔"

"فی الحال تو یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ کلاس شروع ہونے میں صرف پندرہ منٹ رہ گئے ہیں اور اب تم جلدی سے آجاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ اس رنگ کے چکر میں ہماری آج کی مائیکرو اکنامکس کی کلاس رہ جائے اور آج تو میری پریزنٹیشن بھی ہے۔"

وہ جلدی جلدی بولتی اپنا بیگ کندھے پر ڈالے باہر کی جانب لپکی۔ ایشال اپنی سوچوں میں گم ست رفتاری سے قدم اٹھاتا اس سے خاصا پیچھے رہ گیا۔



پورے دس دن اس نے جی جان سے نازیہ کی تیمارداری کی۔ سالار اسے روزانہ صبح لے جاتا اور پھر شام میں واپس گھر چھوڑ دیتا۔ وہ اپنی بیٹیاں صبح میں سادیہ کے گھر چھوڑ دیا کرتی۔ جہاں سے واپسی میں انہیں لے لیتی۔ ویسے بھی مریم کے اسکول کی چھٹیاں تھیں۔ اس لیے بھی کوئی زیادہ مسئلہ کھڑا نہ ہوا۔ البتہ ان دس دنوں میں اسے سالار کے رویے نے جگہ جگہ چونکایا۔ وہ جس طرح نازیہ کا خیال رکھتا۔ زینب کے لیے بالکل نیا تجربہ تھا۔ دو بار فرہاد کے بچوں کی ماں بننے پر بھی کبھی اس نے زینب کا اتنا خیال نہ رکھا جتنا سالار اپنا بچہ کھو دینے پر بھی اپنی بیوی کا رکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے آس پاس موجود کئی لوگوں کا تجزیہ کیا۔ اسے لگا دنیا کے زیادہ تر مرد سالار جیسے ہی ہوتے ہیں محبت کرنے والے اور اپنی بیوی کا ہر حال میں خیال رکھنے والے شاید فرہاد ہی ان تمام مردوں میں سے ایک الگ مرد تھا وہ دن میں کئی بار سالار اور فرہاد کا موازنہ کرتی تو اسے ہمیشہ سالار ہی کا پلڑا بھاری لگتا۔ ان دس دنوں نے زینب کی زندگی کو یکسر تبدیل کر دیا۔ زینب پہلے والی زینب نہ رہی۔ سالار کے عارضی ساتھ نے اسے خود اعتمادی بخش دی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار سالار کے ساتھ بیٹھ کر ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا بھی کھایا۔ اس وقت جب وہ اسے واپس گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔ کسی فائیو اسٹار ہوٹل کو اندر سے دیکھنا بھی اس کی زندگی کا وہ خواب تھا جو شاید فرہاد کبھی بھی پورا نہ کر سکتا تھا۔ وہ تو جب رات کو دکان سے واپس آتا اتنا تھکا ہوا ہوتا کہ اس سے اس طرح کی تفریح کی امید رکھنا تقریباً" ایک ناممکن سی بات تھی۔ بہت ہوتا تو وہ انہیں چھٹی والے دن ساحل سمندر پر لے جاتا۔ جہاں دو گھنٹہ گھومنا اور واپسی میں کسی ٹھیلے سے برگر خرید کر کھانا ہی اس کی زندگی کی بہترین تفریح تھی۔ وہ تو زندگی کے ان رنگوں سے قطعی ناآشنا تھی۔ جن سے اسے سالار نے واقف کیا۔ ایک دن واپسی میں وہ اسے بازار بھی لے گیا جہاں اس نے نازیہ کی ضرورت کی کچھ اشیا خریدنی تھیں اور ایسے میں اس نے زینب کو بھی کافی کچھ لے دیا۔ اس کے اور سالار کے درمیان جو ایک جھجک تھی ان دس دنوں میں وہ مکمل طور پر ختم ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا اور سالار کا چند روزہ ساتھ اب جلد ہی ختم ہونے والا ہے۔ کیونکہ نازیہ تیزی سے صحت یاب ہونے کے بعد گھر منتقل ہو گئی۔ جہاں اس کی خدمت کے لیے ہر وقت ملازم موجود تھے اور اب فرہاد بھی اس کے اس طرح روزانہ سالار کے ساتھ جانے پر تھوڑا سا چڑنے لگا تھا۔

مریم کے اسکول کھلنے والے تھے۔ اس کی عارضی تفریح ختم ہونے والی تھی۔ مگر ان چند دنوں میں ہی وہ سالار کے وجود کی عادی سی ہو گئی تھی سوتے جاگتے' چلتے پھرتے وہ سالار کا موازنہ فرہاد سے کرتی تو اسے ہمیشہ سالار

اخلاقیات کی بلندیوں پر دکھائی دیتا اور ہر روز فرہاد اتنا ہی پستی میں پڑا نظر آتا کچھ تو فرہاد کی اپنی بیوی سے لاپروائی اور کچھ زینب کا کیا جانے والا موازنہ دونوں نے مل کر اس کے دل میں فرہاد کے خلاف کئی طرح کے منفی خیالات بھر دیے اور ان ہی خیالات نے آگے چل کر اسے اپنی زندگی کا وہ بدترین سبق دیا جسے وہ مرتے دم تک نہ بھولی۔



وجاہت کی شادی کے سلسلے میں شروع ہونے والا رابعہ کا جوش و خروش جلد ہی ماند پڑ گیا۔ آہستہ آہستہ یہ معاملہ ایسے ختم ہوا جیسے کبھی شروع ہی نہ ہوا تھا۔ خالدہ خالہ نے اس کے بعد انہیں کوئی ایسا اچھا رشتہ ہی نہ دکھایا کہ بات بنتی یا پھر شاید رابعہ کو ہی اس رشتہ کے بعد کچھ پسند نہ آیا اور جہاں تک وجاہت کا تعلق تھا وہ اس مسئلے سے روز اول کی طرح بے گانہ تھا۔ رشتہ ہونے یا نہ ہونے سے اسے کوئی فرق پڑتا نظر نہ آتا۔ بظاہر وہ پہلے ہی کی طرح اپنی تنہا زندگی سے مطمئن تھا۔ مگر جب بھی کبھی وہ رابعہ کے گھر کھانا کھانے آتا اس کا دل اپنے بھائی کی تنہائی کا سوچ سوچ کر جلتا' کڑھتا رہتا۔ اس کا بس کا نہ چلتا وہ کسی بھی طرح اپنے بھائی کا نکاح کر کے اس کا گھر آباد کر دیتی۔ اس سلسلے میں وہ کئی بار رستم اور اس کی بیوی حرا سے بھی کہہ چکی تھی۔ اپنے شوہر عمر سے بھی کہا کرتی کہ اگر کوئی اچھی لڑکی نظر میں ہو تو وجاہت بھائی کے لیے دیکھنا' مگر لاحاصل ایسا لگتا جیسے اس کے بھائی کے ہاتھ میں شادی کی لکیر ہی نہ تھی یا پھر شاید ابھی بھی اس کا وقت نہ آیا تھا۔ اس وقت تو اسے قدرت کی ستم ظریفی پر بے حد غصہ آتا جب وہ کسی ساٹھ سالہ شخص کو دوسری یا تیسری شادی کرتا دیکھتی اور سوچتی۔

''اللہ تعالیٰ نے اس کے نصیب میں دو' تین شادیاں لکھ دیں اور میرے بھائی کے لیے ایک بھی نہیں۔''

مگر شاید قدرت کے کیے جانے والے کچھ فیصلے ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جن میں انسان مکمل طور پر بے اختیار ہے۔ جیسے زندگی' موت' اولاد اور پھر شادی اور یہ بات گزرتے وقت نے بہت اچھی طرح رابعہ کو سمجھا دی تھی۔



''امی جی.....''

اس نے چٹائی پر ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے ان کا گھٹنا ہلا کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ جب سے اسکول سے آئی تھی۔ اس کی ماں اسی طرح اپنے سامنے مشین رکھے مسلسل سلائی کرنے میں مصروف تھی۔ شاید یہ کسی کا آرڈر تھا جو انہیں جلد مکمل کر کے دینا تھا۔ وہ کتنی دیر سے ہاتھ' منہ دھوئے' یونیفارم تبدیل کیے ان کے قریب بیٹھی اس بات کی منتظر تھی کہ کب اماں اٹھیں اور کچن سے کھانا لے کر آئیں۔ ہمیشہ اسکول سے واپسی پر وہ دونوں ماں' بیٹیاں مل کر کھانا کھاتیں' مگر آج تو وہ اس قدر مصروف تھیں کہ شاید اس کی وہاں موجودگی بھی بھلائے ہوئے تھیں۔ مشین کی مسلسل گھرر گھرر کی آواز سے تنگ آ کر اس نے ان کا گھٹنا پکڑ کر ہلا دیا۔

''کیا ہوا۔''

سوئی میں دھاگا ڈالنے کے بعد انہوں نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر اپنے نہایت قریب بیٹھی اپنی بیٹی پر ایک نظر ڈالی۔ جس کے چہرے کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ بھوک کی شدت سے بے حال ہے۔ انہیں فوراً'' ہی اپنی کوتاہی کا احساس ہوا۔

''معاف کرنا بیٹا میں نے یہ سارے کپڑے آج شام تک مکمل کر کے دینے ہیں۔ کیونکہ سامنے والی صوفیہ باجی آج رات میں کراچی جا رہی ہیں۔ وہاں ان کے بھائی کی شادی ہے اور تم تو جانتی ہو کہ وہ پیسے بھی اسی وقت ادا کر دیتی ہیں۔''

بھوک کی شدت میں اسے یہ بھی یاد نہ آیا کہ صوفیہ باجی کون ہیں جن کا ذکر اس کی ماں کر رہی ہے اور نہ ہی اسے

غیر معمولی تیاری انہیں روڈ کے دوسری طرف سے بھی صاف نظر آرہی تھی۔ سب سے زیادہ حیران تو انہیں زینب کے لبوں پر لگی ڈارک ریڈ لپ اسٹک نے کیا۔ انہیں سوچنے پر بھی یاد نہ آیا کہ انہوں نے اس سے قبل کبھی زینب کو اتنی گہری لپ اسٹک لگائے دیکھا ہو وہ تو ہمیشہ سے ہلکے رنگ استعمال کرنے کی عادی تھی اور آج اس کے ہونٹوں پر لگی ریڈ لپ اسٹک نے کالی چادر میں بھی اس کے حسن کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔ مگر انہیں سب سے زیادہ حیرت زینب کے اس طرح تن تنہا روڈ پر کھڑے ہونے کی تھی۔

"یہ یہاں کیا کر رہی ہے' وہ بھی بالکل اکیلی۔"

یہاں وہاں نظر دوڑانے پر بھی انہیں اس کے آس پاس کوئی ایسا فرد دکھائی نہ دیا۔ جسے دیکھ کر سوچا جاسکے کہ وہ زینب کے ساتھ ہے اتنے مہنگے شاپنگ مال کے بالکل سامنے کھڑی زینب کے ہاتھوں میں موجود مختلف شاپرز نے انہیں تجسس میں مبتلا کر دیا۔ ایسی جگہ جہاں زینب کی رسائی بھی ان کے نزدیک ناممکن تھی۔ وہاں اس کے ہاتھوں میں ڈھیروں ڈھیر سامان انہیں کوئی اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

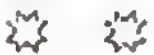
اس سے قبل کہ وہ روڈ کراس کرکے زینب کے پاس جاتیں' تاکہ اسے جتلایا جاسکتا کہ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے ایک دم ہی بلیک کلر کی کرولا اس کے پاس اندر آکر رکی۔ جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود سالار کو دیکھ کر وہ حق دق رہ گئیں۔ صباحت کی بہن کی شادی پر ہونے والی ایک سرسری سی ملاقات کہاں تک پہنچ چکی ہے۔

انہیں یقین ہی نہ آیا۔ سالار کی وہاں موجودگی صاف ظاہر کر رہی تھی کہ زینب اسی کے ساتھ یہاں تک آئی ہے۔ ورنہ اسے تو شاید اس مارکیٹ کا نام بھی نہ پتا تھا۔ انہوں نے زینب کو فرنٹ ڈور کھول کر بڑے استحقاق کے ساتھ سالار کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے دیکھا۔ دوسرے ہی پل آہستہ آہستہ رینگتی گاڑی آگے کی جانب بڑھ گئی' جبکہ وہ ہکا بکا اپنی جگہ ساکت و صامت کھڑی تھیں اور جانے کتنی دیر تک وہ اسی طرح اپنی جگہ کھڑی رہتیں' اگر ان کا ڈرائیور پارکنگ سے گاڑی لے کر نہ آجاتا۔ ڈرائیور کے کئی بار بجائے جانے والے تیز ہارن کی آواز سن کر انہیں اپنی گاڑی کی آمد کا علم ہوا۔ ورنہ وہ تو حیران و پریشان اسی سمت جانب تکے جا رہی تھیں۔ جس طرف سالار کی گاڑی میں بیٹھ کر زینب گئی تھی۔

"خان محمد گاڑی ذرا تیز چلانا' مجھے جلدی گھر پہنچنا ہے۔"

گاڑی میں بیٹھنے سے قبل ان کا ارادہ زینب کے گھر جانے کا تھا۔ شاید اس طرح وہ اسے رنگے ہاتھوں پکڑ سکتیں۔ مگر گاڑی میں بیٹھتے ہی ان کا یہ ارادہ تبدیل ہو گیا۔ اب وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھیں۔ تاکہ صباحت کو فون کرکے اس نئی صورت حال سے آگاہ کر سکیں۔ جس کا سامنا ابھی کچھ دیر قبل انہوں نے کیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



نفیسہ سعید

ایسا کیا ہے زندگی

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال کی دلچسپی اپنی کزن عریشہ میں ہے۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد سے کراچی آئی ہے۔ شاہ زین کے والد نے اسے اپنے آفس میں اپائنٹ کر لیا شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگا۔

فرہاد تین بھائی ہیں۔ فرہاد کے دونوں بھائی معاشی طور پر مستحکم ہیں اور دونوں اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرتے ہیں جبکہ فرہاد اپنی بیوی زینب اور بچیوں کی ضروریات پوری کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتا ہے۔ جو زینب کو بالکل پسند نہیں۔

فرہاد کے بڑے بھائی کی بیوی نغمہ زینب کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہیں اور آئے دن اس حسد کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

چوتھی قسط



آج کل ایشال کچھ عجیب سی کیفیات کا شکار ہو رہا تھا۔ آگے کو بڑھتا وقت اسے دھیرے دھیرے تمام رشتوں کی نزاکتوں سے آگاہ کرتا جا رہا تھا وہ جو ہمیشہ اس غلط فہمی کا شکار رہا کہ پاپا کا بہ حالت مجبوری جوڑا جانے والا رشتہ کسی اہمیت کا حامل نہیں ہے یا وہ جب چاہے اپنی مرضی سے کوئی دوسرا نیا رشتہ استوار کر سکتا ہے۔ وقت نے اس کی اس سوچ کو قدرے تبدیل کر دیا۔ اب اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ مجبوری میں باندھا گیا۔ ایک بندھن اس کی ساری زندگی پر محیط ہو گیا ہے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اپنی تعلیم کے مکمل ہونے سے وہ خوف زدہ تھا۔ اسے لگتا وطن واپس جاتے ہی نکاح کا آکٹوپس اسے ڈس لے گا

وہ اس نکاح کو اتنا اپنے اوپر حاوی نہ کرتا جتنا اس کی مما نے بار بار ذکر کر کے کیا تھا وہ مہینے میں ایک بار ضرور اسے سمجھایا کرتیں کہ تم نے کبھی زندگی میں اس لڑکی سے شادی نہیں کرنی، جس سے تمہارا نکاح ہوا ہے۔ کیونکہ وہ ایک بد چلن ماں کی بیٹی ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ بیٹی ہمیشہ اپنی ماں کی خصلت لے کر دنیا میں آتی ہے۔ اس لیے یاد رکھنا، تمہاری بیوی بھی کبھی تمہاری وفادار نہ ہو گی۔ یہ سب باتیں اس کے نزدیک غیر اہم ہو سکتی تھیں۔ اگر اسے عریشہ سے محبت نہ ہوتی۔ وہ لڑکی کون تھی؟ اس کی ماں کا ایسا کون سا فعل تھا جو اس کی مما آج تک نہ بھولی تھیں۔ اسے ان سب باتوں سے کچھ لینا دینا نہ تھا۔

اس کا اصل مسئلہ صرف یہ تھا کہ اسے عریشہ کے علاوہ کسی اور سے شادی ہی نہیں کرنا تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے پاپا سے اس مسئلہ پر کس طرح بات کرے۔ کیسے انہیں سمجھائے کہ مجھے آپ کی بھتیجی سے شادی نہیں کرنی۔ لہٰذا پلیز میری خوشی کی خاطر آپ اس رشتہ کو ختم کر دیں۔ اس کا کئی بار دل چاہا کہ وہ پاپا کو فون کرے اور ان سے رو رو کر درخواست کرے کہ پلیز مجھے اس طوق سے نجات دلا دیں، جو آپ نے میری لاعلمی میں میرے گلے ڈالا تھا۔ مگر وہ کبھی ایسا کرنے کی ہمت ہی نہ کر سکا۔ اے کاش میں اس دن ان پیپرز پر سائن ہی نہیں کرتا۔

کئی بار کا سوچا ہوا یہ خیال پھر سے اس کے ذہن میں آ کر اسے بے چین کر گیا۔ اسی پل جب وہ انتہائی کرب کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ اس کے آس پاس ایک مدھم سی روشنی پھیل گئی۔ اس کے کانوں میں کچھ عرصہ قبل کے کہے ہوئے اپنی ماں کے الفاظ گونجے۔

"دیکھو ایشال انسان کو زندگی صرف ایک بار ملتی ہے۔ لہٰذا یہ اس کا حق ہے کہ وہ اسے اچھی طرح سوچ سمجھ کر گزارے، اپنی زندگی دوسروں کی خوشی کے لیے برباد کرنا بالکل بھی عقل مندی نہیں ہے۔ اگر تم اپنے پاپا کے جوڑے گئے رشتے سے مطمئن نہیں ہو تو انہیں صاف صاف لفظوں میں یہ بات سمجھا دو یقین جانو آج تمہارا انکار ان کے دل کو دکھی ضرور کرے گا۔ مگر کل اس کا نتیجہ کئی زندگیوں کو تباہ ہونے سے بچا لے گا۔ سب سے پہلے تو تم خود ایک ناپسندیدہ زندگی گزارنے کے عمل سے بچ جاؤ گے۔ اس لیے میری مانو تو اپنے پاپا سے بات کر کے جتنی جلدی ممکن ہو سکے اس لڑکی کو طلاق دے دو۔ اس کے پاؤں میں پڑی اپنے نام کی زنجیر سے اسے بھی آزاد کر دو۔ اس سے نہ صرف تمہارا بلکہ اس کا بھی بھلا ہو گا۔ آج اس کی عمر ہے جو بھی کوئی اچھا لڑکا اس کے نصیب میں ہو گا اسے مل جائے گا اور تم بھی اپنی زندگی اپنے من پسند ساتھی کے ساتھ گزار سکو گے اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔"

اسے آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد تھا جب وہ اپنے پاپا کے ساتھ اس ٹوٹے ہوئے اندھیرے گھر میں گیا تھا جہاں وہ بیمار آنٹی اپنی سبز دوپٹے والی بیٹی کے ساتھ رہتی تھیں۔ اسے آج بھی یہ سوچ سوچ کر حیرت ہوتی کہ اس حبس زدہ گھر میں وہ دونوں سانس بھی کس طرح لیا کرتی تھیں۔ اس گھر کی سیلن زدہ بو وہ اتنے سالوں میں بھی نہ بھولا تھا اس کے لیے اس گھر میں ایک ایک پل گزارنا نہایت مشکل امر تھا، جبکہ اس کے پاپا نہایت اطمینان اور سکون سے ان

آنٹی کے قریب بیٹھے تھے جن کی شکل دیکھتے ہوئے بھی ایشال کو خوف محسوس ہو رہا تھا۔

اسے آج احساس ہوتا کہ اس کے پاپا کا اس وقت کا کیا ہوا فیصلہ جذباتی نہ تھا۔ بلکہ نہایت سوچ سمجھ کر کیا جانے والا ایک ایسا عمل تھا جس کی مکمل تیاری وہ پہلے سے کر کے اس گھر میں گئے تھے۔ اپنے پاپا کی اس وقت کی کیفیت وہ کبھی نہ بھول پایا اور جب جب وہ یہ سب سوچتا اسے لگتا اپنی ماں کی سمجھائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھیں۔ یہ تو سو فیصد طے تھا کہ وہ اپنی زندگی اس لڑکی کے ساتھ نہیں گزار سکتا تھا یا شاید گزارنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ مگر یہ بات اپنے پاپا کو کس طرح سمجھائے یہ فی الحال ایک قدرے مشکل امر تھا۔

"بہر حال جو بھی ہو پاپا مانیں یا نہ مانیں مجھے اس لڑکی سے کبھی شادی نہیں کرنی۔ جسے نہ میں جانتا ہوں اور نہ ہی کبھی دیکھا ہے۔ میری زندگی میں اگر کوئی لڑکی بیوی کی حیثیت سے داخل ہو گی تو وہ صرف عریشہ ہو سکتی ہے اور کوئی نہیں۔"

اور یہ اس کا کیا جانے والا آج کا آخری فیصلہ تھا جسے کرنے کے بعد اس کا دل قدرے مطمئن ہو گیا۔



"تم جانتی ہو آج میں نے سالار کے ساتھ شاپنگ سینٹر میں کیسے گھومتے دیکھا ہے۔"

صباحت کے فون اٹھاتے ہی وہ بنا کسی سلام دعا کے شروع ہو گئیں۔ ان کے لہجے میں دبا جوش و خروش کسی بہت ہی اہم خبر کی اطلاع دے رہا تھا اور ویسے بھی صباحت کو دبئی رہتے ہوئے پاکستان کے تمام حالات سے آگاہی صرف اور صرف فضا بھابھی کے دیے گئے خبر نامہ کی بدولت ہی ہوتی تھی جس کا اعتراف وہ اکثر بڑی صاف گوئی سے ان کے سامنے کیا کرتی۔

"کسے دیکھ لیا آپ نے سالار کے ساتھ؟ اب بھلا بتائیں اتنی دور بیٹھ کر مجھے کیسے پتا چلے گا کہ وہ پاکستان کے کسی شاپنگ مال میں کس کے ساتھ گھوم رہا تھا۔ جب تک آپ نہ بتائیں گی۔" یہ جان کے کہ فضا بھابھی کے پاس سالار کے حوالے سے کوئی اہم خبر ہے، وہ سر تاپا گوش ہوتے ہوئے بولی۔

"زینب کے ساتھ تھا وہ دونوں اتنے مزے سے گھوم رہے تھے کہ مانو مجھے تو یقین ہی نہ آیا۔"

بنا کوئی تجسس پھیلائے وہ کھٹ سے بولیں۔ اس بات میں کتنی مبالغہ آمیزی کا عنصر شامل تھا۔ یہ وہ خوب اچھی طرح جانتی تھیں اور ان کے اس جواب نے صباحت کے کسی نئی خبر کو جاننے کے جوش و خروش کو مکمل طور پر تہس نہس کر دیا۔

"یقین جانو مجھے تو دیکھ کر یقین ہی نہ آیا کہ وہ زینب ہے اتنی تیار کہ بس، میرا دل تو بہت چاہا کہ جا کر پوچھوں بی بی یہ تم یہاں کیا گل چھرے اڑا رہی ہو، کیونکہ تمہیں تو میرا پتا ہے کہ میں ہر بات منہ پر کہہ دینے کی عادی ہوں۔ دل میں بات رکھنے کی عادت نہیں ہے میری۔"

ہر بات بنا سوچے سمجھے لوگوں کے منہ پر کہہ کر ان کے دل خراب کرنے والی ان کی یہ عادت فضا بھابھی کے نزدیک ایک ایسی خوبی تھی جس کا ذکر وہ ہمیشہ بڑے فخر سے کیا کرتیں۔ صباحت کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ انہیں ان تمام باتوں کا کیا جواب دے۔

"لو تم تو اس خبر کو سن کر اتنی حیران ہوئی ہو کہ تمہاری تو لگتا ہے زبان ہی بند ہو گئی۔"

صباحت کی خاموشی سے انہوں نے یہ ہی نتیجہ اخذ کیا۔

"دراصل میں بھابھی شاید میں آپ کو بتانا بھول گئی تھی کہ نازیہ پچھلے دنوں سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔ جس کے باعث اس کا ابارشن ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ شادی کے تین سال بعد انہیں اولاد سے نوازنے لگا تھا کہ یہ حادثہ ہو گیا۔ مگر

چلیں جو اللہ کو منظور جب اس کی مرضی ہوگی ضرور دے گا۔

بہرحال' آپ کو تو شاید یہ بھی علم نہیں کہ نازیہ کی والدہ خاصی عمر رسیدہ ہیں' جبکہ اس کی بھابھی اور بہن بھی یہاں پاکستان میں نہیں' سالار کی اپنی والدہ کا انتقال بھی کئی سال قبل ہی ہوگیا تھا۔ ایسے میں جب اس نے انتہائی پریشانی کے عالم میں مجھے فون کیا تو میں نے ہی اسے زینب کا مشورہ دیا تھا۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ پریشانی کے ان لمحات میں نازیہ کے لیے اس سے بہتر ساتھی کوئی اور نہ ہوگا اور اپنے اس فیصلے کے درست ثابت ہونے کی حقیقی خوشی مجھے اصل میں کل اس وقت ہوئی جب نازیہ نے فون کرکے میرا شکریہ ادا کیا۔ وہ بہت خوش تھی۔ اس نے بتایا کہ بیماری کی حالت میں زینب نے اس کی اس قدر خدمت کی کہ کیا ہی کوئی سگی بہن کرے گی اور میرے ہی کہنے کے مطابق سالار نے اسے کچھ تحفے تحائف بھی دیے ہیں۔ کیونکہ میرے نزدیک اس کی تمام خدمات کا بدلہ اس سے بہترین اور کوئی نہ تھا اور شاید اسی سلسلے میں سالار اسے ایک' دو بار بازار بھی لے گیا تھا۔ وہیں آپ نے اسے دیکھ لیا ہوگا۔

ویسے بھی بھابھی اس نے نازیہ کی خدمت بڑے ہی خلوص اور محبت سے کی ہے اور اس طرح کے خلوص کا بدلہ کبھی ادا نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے اس کے کہ بدلے میں ہم بھی پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ کوئی اچھا سا تحفہ دے دیں۔"

صباحت نے مکمل وضاحت کے ساتھ انہیں ہر بات سمجھانے کی کوشش کی کیونکہ وہ فضا بھابھی کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھی۔ جانتی تھی کہ اگر انہیں یہاں ہی نہ روکا گیا تو یہ خبر مرچ مسالے کے ساتھ خاندان بھر میں نشر ہو جاتی ہے۔

"تو ضروری تھا کہ تحفہ لے کر دینے کے لیے اسے تن تنہا بازار لے جایا جائے۔"

وہ قطعی ہار ماننے کو تیار نہ تھیں۔

"ویسے بھی خوب صورت عورت ایک سانپ کی مانند ہوتی ہے' جہاں موقع ملا ڈسنے سے گریز نہیں کرتی۔ یہ بات تم اچھی طرح نازیہ کو بھی سمجھا دینا۔"

ان کا یہ بیان کردہ فلسفہ صباحت کی سمجھ میں بالکل بھی نہ آیا۔

"چلیں بھابھی چھوڑیں ہمیں' کیا جب ان دونوں کے اس طرح بازار جانے پر فریادیا نازیہ کو کوئی اعتراض نہیں ہے' تو پھر ہم کون ہوتے ہیں بلاوجہ کی انگلیاں اٹھانے والے' دفع کریں اتنی فضول باتیں سوچ سوچ کر آپ کیوں اپنا بلڈ پریشر ہائی کرتی ہیں۔"

صباحت کے جواب نے ہر بات کو یکسر ختم کردیا۔ فضا بھابھی تو ان دونوں کو ایک ساتھ شاپنگ سینٹر میں دیکھ کر جانے کون کون سی کہانیاں سوچے بیٹھی تھیں' جو انہوں نے صباحت کو سنائی تھیں۔ مگر یہاں تو صباحت نے سرے سے کسی بات میں دلچسپی ہی نہ لی۔ فی الحال تو اس مسئلے پر خاموشی اختیار کرنا ہی انہیں زیادہ بہتر لگا۔ مگر ان کا دل کسی بھی طرح یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ کوئی عام سا منظر تھا۔ اس عام سے منظر کے پیچھے کوئی خاص بات ضرور تھی۔ انہیں لگ رہا تھا کہ سالار اور زینب کی یہ غیر معمولی دوستی جلد ہی کوئی رنگ دکھائے گی۔ جس کا احساس ان دونوں سے منسلک لوگوں کو آہستہ آہستہ ہی ہوگا۔

"چلو جب چاند چڑھے گا کل عالم دیکھے گا۔"

صباحت کی پیش کردہ تمام وضاحت کا جواب انہیں اس سے بہتر کوئی اور نہ ملا۔ انہیں امید تھی کہ جس بات پر آج صباحت ان سے اختلاف کر رہی ہے آنے والے کل میں وہ خود انہیں ایسی ہی کوئی خبر ضرور دے گی' جانے کیوں وہ زینب سے منسوب کوئی نہ کوئی غلط بات سننے کے لیے ہمیشہ تیار رہتیں۔ حالانکہ انہیں اپنی اس کوشش میں فی الحال کوئی کامیابی نہ ہوئی تھی۔



زندگی پیار کا گیت ہے' اسے ہر دل کو گانا پڑے گا
زندگی غم کا ساگر بھی ہے جس کے اس پار جانا پڑے گا
زندگی ایک احساس ہے ٹوٹے دل کی کوئی آس ہے
زندگی ایک بن باس ہے کاٹ کر سب کو جانا پڑے گا
زندگی بے وفا ہے تو کیا اپنے روٹھے ہیں ہم سے تو کیا
ہاتھ میں ہاتھ نہ ہو تو کیا ساتھ پھر بھی نبھانا پڑے گا
زندگی پیار کا گیت ہے اسے ہر دل کو گانا پڑے گا
زندگی ایک مسکان ہے درد کی کوئی پہچان ہے
زندگی ایک مہمان ہے چھوڑ سنسار جانا پڑے گا

گانے کا ایک ایک بول اس کے دل میں اتر رہا تھا۔ وہ بالکل خاموش چت لیٹی اوپر چھت کو یک ٹک گھورے جارہی تھی۔

"زندگی کیا ہے۔" اس کی بہتر عکاسی اس گانے سے بہتر نہیں ہوسکتی تھی یا شاید یہ گانا اس کی زندگی کا مکمل عکاس تھا۔ اسی لیے اسے ایسا محسوس ہورہا تھا جو بھی تھا گانے کا ایک ایک بول اس کی ہر رگ میں درد بھر رہا تھا۔ اسے پتا بھی نہ چلا کب اس کی آنکھوں کے کونے پانی سے بھر گئے۔ پھر اس بہتے پانی نے پورا تکیہ بھگو دیا۔ وہ آہستہ آہستہ بے آواز رونے لگی۔ اپنے دل کا بوجھل پن اس طرح رو کر دور کرنا کبھی کبھی اسے بہت اچھا لگتا' جانتی تھی کہ کھل کر رونے کے بعد اس کے اگلے چند دن سکون سے گزر جائیں گے۔ وہ اپنی زندگی کے ایسے دوراہے پر کھڑی تھی جہاں سے آگے جانے والے سارے راستے بند تھے۔ اس کی ساری طنابیں وقت کے ہاتھ میں تھیں۔ وقت جس طرف چاہتا اسے لے جاتا۔ ایسے میں جب اسے اپنے چاروں طرف پھیلے اندھیرے میں روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہ دیتی تو وہ اسی طرح یاسیت کی کیفیت کا شکار ہو جاتی اور پھر رو' رو کر اپنے دل کا بوجھ اسی طرح ہلکا کرتی جیسے اس وقت کر رہی تھی۔



وہ کچن میں کام کر رہی تھی۔ جب باہر سے آتی سالار کی آواز سن کر اس نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا' جہاں اگلے ہی پل وہ آن کھڑا ہوا تھا۔

"کیا پکایا ہے؟" اس کا سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"آلو قیمہ۔" سالن میں چمچہ چلاتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔

"آپ کو کھانا دوں۔" سالار کی طرف سے کوئی جواب نہ پاکر اس نے پیچھے مڑ کر خود ہی پوچھ لیا۔

"ہاں۔" وہ ایک عجیب بے خودی کی کیفیت میں گرفتار اسے دیکھے ہی جارہا تھا۔ وہ سالن والا چولہا بند کرکے سنک کی جانب آگئی۔ تاکہ نل سے اپنے ہاتھ دھو سکے۔ جب وہ آہستہ آہستہ چلتا بالکل اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا اتنا پیچھے کہ اگر وہ مڑتی تو سر اس کے سینے سے ٹکرا جاتا۔

"آج جب آفس میں کام کرتے ہوئے مجھے یاد آیا کہ تم میرے گھر ہو تو دل چاہا پر لگا کر اڑتا ہوا آجاؤں اور تمہیں اپنے سامنے بٹھا کر اس وقت تک دیکھتا رہوں جب تک جی نہ بھرے' جانتی ہو اب تو مجھے اس وقت تک سکون نہیں ملتا جب تک دن میں ایک بار تمہارا دیدار نہ کرلوں۔"

اس نے آہستہ سے بڑے پیار کے ساتھ اس کے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے ہٹایا۔ زینب نے ایک گہری سانس کے ساتھ سالار کے جسم سے آتی کلون کی مخصوص خوشبو کو اپنے اندر اتارا' وہ آنکھیں بند کیے بے خود کھڑی اس کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کو اپنے دل میں اتارنا چاہتی تھی کہ ایسے میں باہر سے آتی نازیہ کی آواز سنتے ہی جیسے وہ ہوش میں آگئی' کرنٹ کھا کر پلٹی' تیزی سے آگے بڑھ کر دروازے پر لٹکا اپنا دوپٹا اتار کر کندھے پر ڈالا اور سلیب پر رکھے برتنوں کی جانب آگئی۔ سالار بھی فوراً" دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا' جب نازیہ کچن کے دروازے پر نمودار ہوئی۔

"یہ بشری پونچا مارنے میں اس طرح ڈنڈی مارتی ہے۔ آدھا فرش سوکھا پڑا ہے۔" اس نے اپنے زور' زور سے بولنے کی وضاحت کی۔

زینب نے بنا کوئی جواب دیے پاس رکھے ڈونگے میں سالن نکالنا شروع کردیا۔

"آپ کب آئے؟" نازیہ نے سالار کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ابھی ابھی آیا ہوں' سوچا تم سو رہی ہوگی۔ اسی لیے سیدھا کچن کی طرف آگیا۔ تاکہ زینب سے کہہ کر کھانا لگوالوں۔" زینب کو اس کا لہجہ عجیب شرمندہ سا لگا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"اب تو اللہ کا شکر ہے کافی بہتر ہوں۔ آپ چل کر ٹیبل پر بیٹھیں۔ میں کھانا لاتی ہوں۔"

سالن ڈونگے میں نکالتی زینب نے اپنا ہاتھ وہیں روک دیا۔

"بشری ہاتھ دھو کر اندر آؤ' صاحب جی کے لیے روٹی بنانی ہے۔"

بشری کو آواز دیتی وہ فریج کی جانب بڑھ گئی۔

"میں نے روٹیاں پکادی ہیں۔ تم جاؤ اپنا کام مکمل کرو۔"

بشری کے کچن میں آتے ہی زینب نے اسے واپس کردیا۔

"تم نے روٹیاں کیوں پکائیں۔ بشری کو کہتیں وہ بنادیتی۔"

نازیہ فریج سے دہی نکال کر سلیب کی طرف آگئی۔

"لاؤ مجھے دہی دو' میں رائتہ بنادیتی ہوں' تم باہر چل کر بیٹھو' ابھی تمہیں ڈاکٹر نے مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔"

زینب نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ میں پکڑا باؤل تھام لیا اور ایک نظر کچن سے ذرا دور رکھی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے سالار پر ڈالی جو جانے کس سوچوں میں گم تھا' کچھ دیر قبل اس کے دل میں پیدا ہونے والی شرمندگی اب کافی حد تک کم ہوچکی تھی۔

"میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتی' زینب تم نے اس موقع پر جس طرح میرا ساتھ دیا ہے کوئی سگی بہن بھی ہوتی تو شاید کبھی نہ دیتی' تمہاری وجہ سے ہی میں اپنے دکھ اور درد کو برداشت کرنے کے قابل ہوئی ہوں۔"

وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔ اظہار تشکر سے اس کا لہجہ قدرے بوجھل ہوگیا تھا۔ زینب کو ایسا لگا جیسے کسی نے اسے تپتے صحرا میں پھینک دیا ہو' وہ ایک بار پھر شرمندگی میں ڈوب گئی۔

"میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا' بلکہ انسانیت کے ناتے جو میرا فرض تھا اسے پورا کرنے کی ایک ہلکی سی کوشش ضرور کی ہے۔"

دہی پھینٹ کر اس نے جلدی جلدی رائتہ تیار کیا۔

"تم اندر چل کر لیٹو میں تمہارا دلیہ لے کر آتی ہوں۔"

وہ چاہتی تھی کہ نازیہ جلد از جلد وہاں سے ہٹ جائے۔ نازیہ کی موجودگی اسے بلاوجہ کی شرمندگی سے دوچار کررہی تھی۔

"نہیں میں لیٹ لیٹ کر تھک چکی ہوں۔ اس لیے ابھی باہر سالار کے ساتھ بیٹھتی ہوں' تم بشری کے ساتھ مل کر وہیں کھانا لگادو' ہم سب آج ایک ساتھ مل کر کھانا کھائیں گے۔"

اپنی ازلی سادگی سے جواب دیتی وہ کچن سے باہر نکل گئی' مگر زینب کو ایسا لگا جیسے وہ سالار اور اس کے دل میں چھپے چور کو بھانپ چکی ہے۔ شاید اب اس کے اور سالار کے درمیان کھیلا جانے والا گیم جلد ہی ختم ہونے والا ہے۔

"چلو جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

سالار نے چند دنوں میں ہی اسے خاصا بہادر بنادیا تھا اور اب اس نے ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے گھبرانا چھوڑ دیا تھا۔ بنا یہ جانے کہ آنے والا وقت اسے کن مشکلات سے دوچار کرنے والا ہے۔ فی الحال وہ اپنے حال میں مست تھی۔



وہ کٹہرے میں کھڑی تھی۔ اس کے سامنے پوری ایک عدالت سجی ہوئی تھی۔ پھر بھی اس کے چہرے پر چھایا اطمینان انتہائی قابل دید تھا۔ عدالت کیا فیصلہ سنانے والی ہے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہ تھی اور نہ ہی کسی قسم کا خوف اس پر سوار تھا۔ وہ بالکل مطمئن تھی' کیونکہ اپنا فیصلہ وہ خود کرچکی تھی۔ اب اسے کسی کے فیصلے کا کوئی انتظار نہ تھا۔

"اس جیسی فاحشہ کو تو سرعام پھانسی دے دینی چاہیے' تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔ استغفراللہ اتنا دھوکا اس قدر بے حیائی۔"

اپنے عقب سے ابھرنے والی آواز وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بنا بھی پہچان سکتی تھی کہ کس کی ہے۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔ اس نے ایک نظر اپنے سامنے موجود ڈائس پر رکھی اونچی سی کرسی پر ڈالی' جس پر بیٹھا شخص یقیناً" اس عدالت کا جج تھا' جو اپنے دونوں ہاتھوں کی کہنیاں ٹیبل پر ٹکائے وکیل صفائی کا بیان سننے میں بری طرح محو تھا۔ سامنے موجود کالے کوٹ والا شخص ضرور سرکاری وکیل تھا۔

اتنے دنوں میں اس پر جانے کتنے الزامات عائد کیے جاچکے تھے۔ اس کے کردار کی دھجیاں اس بری طرح اڑائی گئیں کہ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ وہ خود پر لگائے گئے کسی بھی الزام کا جواب دینے کے لیے بالکل بھی راضی نہ تھی۔ اسے اگر کوئی جواب دینا تھا تو اس عدالت میں' جو روز محشر لگائی جانے والی تھی اور جہاں موجود منصف کا ہر فیصلہ اسے منظور تھا۔ اس نے اپنی سزا اور جزا کا فیصلہ خدا پر چھوڑ دیا تھا۔

سرکاری وکیل نے دوبارہ اس کی طرف اشارہ کیا۔ پھر اس کا نام پکارتے ہوئے کچھ کہا۔ مگر اس کی کوئی بھی آواز اس کے کانوں تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ اس نے ذرا سی گردن ترچھی کرکے اپنے دائیں ہاتھ پر کھڑی پولیس والی پر ایک نظر ڈالی جو چہرے پر انتہائی سخت تاثرات لیے بالکل سیدھا سامنے دیکھ رہی تھی۔ اب اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی عدالت میں موجود حاضرین پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالی' بالکل سامنے والی پہلی رو میں

بیٹھے ہوئے ہر فرد کو وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی یہ تمام وہ لوگ تھے جنہیں بھی اس کے رشتے دار ہونے کا شرف حاصل تھا۔ مگر آج ان کے اجنبی چہروں پر اس کے لیے سوائے نفرت کے کچھ نہ تھا۔ ان سب کی آنکھوں میں اپنے لیے حقارت ہی حقارت نظر آئی۔ سوائے ایک شخص کے جس کی آنکھیں پانی سے بھری ہوئی تھیں۔ اس کے جھکے کندھے اپنی شکست کا اعتراف کر رہے تھے۔

ساری زندگی وہ اس ایک شخص کی ایک نظر کرم کی پیاسی رہی مگر شاید وہ عورت کے نازک جذبات و احساسات کو سمجھنے کے قابل بھی نہ تھا۔ روپیہ پیسہ جمع کرنا اس کے نزدیک دنیا کا سب سے بہترین فعل تھا۔ جب تک وہ اس کی دسترس میں تھی بالکل خالی دامن اور تہی دست رہی اور اب جب وہ یہ سب کچھ بہت پیچھے چھوڑ کر اندھا دھند آگے کی جانب نکل آئی تو وہ شخص اس کی محبت کا طلب گار بن کر راہ میں آگیا۔

واہ ری تقدیر لکھنے سب کچھ تب دیا جب میری ضرورت ہی ختم ہوگئی۔

اس نے اپنے ہاتھ کی لکیروں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سوچا' اس سوچ کے آتے ہی وہ بے اختیار ہنس دی۔ یہ سوچے بنا کہ وہ کہاں اور کس حال میں کھڑی ہے۔ وہ جو ہنسنا شروع ہوئی تو ہنستی ہی چلی گئی۔

"شاید پے در پے صدموں نے میری موکلہ سے ان کا دماغی توازن چھین لیا ہے۔"

جانے یہ کون بے وقوف تھا' جو اس قسم کے گھٹیا تجزیے پیش کر کے خود کو عقل مند ثابت کر رہا تھا۔ وہ ہنستے ہنستے رک گئی۔

"میرا خیال ہے وکیل صاحب آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے' ورنہ الحمدللہ میں دماغی طور پر بالکل ٹھیک ہوں۔"

اس کی پر اعتماد آواز عدالت میں گونجتے ہی ہر طرف ایک سناٹا سا چھا گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ اریشہ کے ساتھ گے ان ٹاور آیا تھا اسے ہمیشہ یہاں کی بلندیوں میں بیٹھ کر لنچ کرنا اچھا لگتا ڈن کے وقت اس ریوالونگ ریسٹورنٹ کے شیشے کی دیوار کے عین قریب بیٹھ کر پورے لندن کا نظارہ اتنا حسین لگتا کہ ایشال کا جی چاہتا کہ ہمیشہ یوں ہی یہاں بیٹھا رہا اور زندگی گزرتی جائے' وہ واپس جانے سے قبل اچھی طرح پورا لندن گھومنا چاہتا تھا ان دونوں کے ساتھ سریش اور رویینا بھی تھے پر تکلف ماحول میں ایک اچھا سا لنچ کر کے جیسے ہی وہ باہر نکلے اریشہ ایک جیولری شاپ کے سامنے رک گئی' ایشال جانتا تھا اچھی جیولری ہمیشہ سے اس کی کمزوری رہی ہے وہ بھی اس کے قریب ہی جا کھڑا ہوا جبکہ رویینا اور سریش آہستہ آہستہ چلتے آگے کی جانب بڑھ گئے۔

"اف ایشال یہ رنگ کس قدر حسین ہے۔"

اپنے قریب ایشال کی موجودگی محسوس کرتے ہی اریشہ نے اسے مخاطب کیا۔ ایشال نے دیکھا سامنے نظر آنے والے شیشے کے باکس میں موجود سفید نگ والی انگوٹھی نے اریشہ کی پوری توجہ اپنی جانب مبذول کروا رکھی تھی۔

"تمہیں پسند ہے؟"

ایشال نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"آف کورس اسی لیے تو تمہیں دکھا رہی ہوں۔"

جواباً" وہ اٹھلاتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے قیمت پوچھ لو کتنے کی ہے؟" ایشال کی بات سنتے ہی وہ شیشے کا ڈور دھکیلتی شاپ کے اندر داخل ہوگئی ایشال نے اس کے پیچھے جانے کے لیے جیسے ہی اپنا قدم اٹھایا اس کا سیل بج اٹھا' پاکستان کا نمبر دیکھتے ہی اس نے فوراً" کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم"

یس کا بٹن دبا کر سیل اپنے کانوں سے لگا کر وہ وہیں دروازے کے باہر رک گیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا کیسے ہیں آپ؟"

دوسری طرف ملک صاحب تھے' غیر متوقع طور پر اپنے بابا کی آواز سنتے ہی وہ خوش ہوگیا عام طور پر پاپا سے اس کی بات کم ہی ہوا کرتی تھی جبکہ مما سے تو وہ تقریباً" روز ہی بات کیا کرتا تھا اگر کسی دن کبھی کسی وجہ سے ان سے بات نہ ہو پاتی تو اسے ساری رات نیند ہی نہیں آتی تھی۔

"بالکل ٹھیک اور فٹ آپ سنائیں طبیعت کیسی ہے؟"

وہ بولا تو خوشی اس کے لہجے سے جھلک رہی تھی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں یہ بتاؤ واپس کب آرہے ہو' میرا خیال ہے تمہارا لاسٹ سمسٹر ختم ہوئے بھی کافی دن ہوگئے۔ آجاؤ یار ہم سب تمہیں بہت یاد کر رہے ہیں۔"

جواباً" وہ ہلکا سا ہنستے ہوئے بولے۔

"آپ کو مما نے نہیں بتایا۔" وہ تھوڑا سا حیران ہوا۔

"میں نے انہیں بتایا تھا کہ ہم لندن گھومنے کے بعد واپس آئیں گے آپ تو جانتے ہی ہیں کہ مجھے لندن ہمیشہ سے بہت پسند رہا ہے میرے خوابوں کا شہر ہے لندن۔"

"چلو اب واپس آجاؤ دوبارہ پھر چلے جانا لندن کون سا کہیں بھاگا جا رہا ہے۔" پاپا کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔

"پتا نہیں کیوں پاپا مجھے لگتا ہے کہ عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد انسان شاید زندگی کو اتنا انجوائے نہیں کر سکتا جتنا اس وقت ہم کر رہے ہیں۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"اچھا تو پھر ایسا کرتے ہیں تمہارے واپس آتے ہی تمہاری شادی کر دیتے ہیں اور تم اپنا ہنی مون لندن جا کر منانا

پھر تمہیں اندازہ ہوگا کہ شادی کے بعد کا سفر زیادہ انجوائے فل ہوتا ہے اور یقیناً تمہیں اس سے زیادہ اچھا لگے گا جتنا اس وقت تم محسوس کر رہے ہو۔"

ان کی سرسری انداز میں کی جانے والی گفتگو اس کے آس پاس ایک خطرے کی گھنٹی سی بجا گئی اس نے نظریں اٹھا کر شاپ کے اندر جھانکا سامنے کاؤنٹر کے قریب کھڑی اریشہ منتظر نگاہوں سے اس کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔

"کہیں ایسا نہ ہو میرے واپس جانے سے قبل ہی یہ میری ڈیٹ فکس کر دیں اور میرے پہنچتے پہنچتے کارڈ بھی تقسیم ہو چکے ہوں۔"

آج کی گفتگو نے یک دم ہی اسے کئی طرح کی منفی سوچوں میں پھنسا دیا۔

"فی الحال بابا مجھے ابھی شادی نہیں کرنی اور میں آپ کو کچھ دیر بعد کال بیک کرتا ہوں اللہ حافظ۔"

ان کا جواب سنے بغیر ہی اس نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کر کے فون بند کر دیا اسے اندازہ تھا کہ اندر موجود اریشہ کا موڈ اس وقت کافی خراب ہو چکا ہوگا یہ ہی سوچ کر اس نے تیزی سے شیشے کا دروازہ دھکیل کر اندر قدم رکھا ہی تھا کہ باہر آنے والی کسی شخصیت سے بری طرح ٹکرا گیا۔

"اوہ سوری آئی ڈیٹ ناٹ سی یو۔"

آواز کسی لڑکی کی تھی ایشال نے ناک رگڑتے ہوئے اپنا سر اٹھایا گرین ٹی شرٹ پر گرین ہی پرنٹنڈ اسکارف گلے میں ڈالے ایک گوری چٹی لمبی سی لڑکی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"اٹس اوکے۔" اس نے بمشکل جواب دیا' بابا کی بات ختم ہوتے ہی سبز لباس والی ایک لڑکی سے ٹکراؤ اسے وہم میں مبتلا کر گیا ایسا لگا جیسے یہ رنگ اس کے اور اریشہ کے درمیان حائل ہو گیا ہو حالانکہ وہ توہم پرست نہ تھا پھر بھی جانے کیوں اس عجیب و غریب سوچ نے اس کے دماغ کو بالکل ماؤف سا کر دیا اور وہ بنا کچھ کہے اریشہ کا بازو تھامے دکان سے باہر نکل آیا۔

☼ ☼ ☼

وہ جیسے ہی آفس میں داخل ہوا نگاہ ہال میں رکھی کرسی پر بیٹھی حبیبہ پر پڑی جس کے بالکل سامنے بلنگ سیکشن کا عمیر لغاری اپنی ٹانگیں لمبی کیے بیٹھا جانے ایسی کیا باتیں کر رہا تھا کہ حبیبہ کی ہنسی ہی نہیں رک رہی تھی' شاہ زین کا اچھا بھلا موڈ "فوراً" ہی آف ہو گیا وہ تیزی سے ان کے پاس سے گزرتا اپنے کمرے میں داخل ہوا اور آتے ہی گھنٹی پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جی سر۔" "فوراً" سے پیشتر ہی علی احمد حاضر ہو گیا وہ باہر ہی اپنے صاحب کے موڈ کا اندازہ لگا چکا تھا۔

"مس حبیبہ کو بلائیں۔" کرسی کھینچ کر بیٹھنے سے قبل ہی اس نے حکم صادر فرما دیا دوسرے ہی پل حبیبہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"آپ نے مجھے بلایا۔"

عام طور پر اسے کبھی بھی شاہ زین نے اس طرح نہیں بلایا تھا اسی لیے اس کی حیرانی بجا تھی جبکہ دوسری جانب شاہ زین خود بھی اپنی اس غیر اختیاری حرکت کو محسوس کرتے ہوئے کچھ نروس سا ہو گیا تھا اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ حبیبہ کو کیا جواب دے اس لیے خاموشی سے دراز کھولے اس میں مصروف ہو گیا جب حبیبہ نے ایک بار اپنا سوال پھر سے دہرایا۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا سر۔"

"لغاری صاحب کی فائل آپ کے پاس ہے؟" بروقت اس سے بہتر سوال اس کی سمجھ میں اور کوئی نہ آیا۔

"جی میرے پاس ہی ہے آپ کو چاہیے۔"

"پلیز اگر زحمت نہ ہو تو ابھی علی احمد کے ہاتھ بھیج دیں۔"

"اوکے سر۔" وہ جیسے ہی واپس پلٹی' شاہ زین کی آواز نے اس کے آگے بڑھتے قدم روک دیے۔

"ایک منٹ حبیبہ۔"

"جی سر۔" اس نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔

"یہ عمر لغاری کو آپ کیسے جانتی ہیں؟"

"مطلب؟" شاہ زین کے سوال نے اسے تھوڑا سا حیران کر دیا۔

"وہ یہاں ہمارے ہی آفس کا بندہ ہے سر یعنی میرا کولیگ تو پھر میں کیسے اسے نہیں جانوں گی۔" اس کا جواب خاصا معقول تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر چونکہ اس کا ڈیپارٹمنٹ بالکل علیحدہ ہے اس لیے پوچھ لیا اگر میرا سوال آپ کو برا لگا ہو تو معذرت چاہتا ہوں۔"

"برا تو لگا' کیونکہ کسی سے جان پہچان میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ اس کا تعلق میری جاب سے نہیں ہے مگر پھر بھی بتا دیتی ہوں' ہم دونوں ایک ہی یونیورسٹی میں ہوتے ہیں۔ میں جاؤں اب۔" بات ختم کر کے اس نے سوالیہ انداز میں شاہ زین کی جانب دیکھا۔

"جی۔" اس نے آہستہ سے جواب دے کر سامنے رکھی فائل قریب کر لی۔

"میں آپ کی مطلوبہ فائل بھیجتی ہوں۔"

اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں' تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس کے پیچھے شاہ زین کچھ خجل سا ہو گیا۔ اپنی جلد بازی میں کی جانے والی اس حرکت پر وہ خاصا شرمسار تھا۔

☼ ☼ ☼

"کتنے ہی دن ہو گئے زینب سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

اس نے کروٹ بدلتے ہوئے اپنے قریب بیٹھے سالار کو مخاطب کیا جو ٹیبل لیمپ کی روشنی میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھا۔

"خیریت۔۔۔ یہ تمہیں اتنی رات گئے زینب کیسے یاد آگئی؟"

سائیڈ ٹیبل پر رکھی چھوٹی سی گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے اس نے نازیہ پر اک حیرت بھری نظر ڈالی۔

"یاد تو خیر وہ ہمیشہ ہی رہتی ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"عام طور پر میری اس سے فون پر بات ہو جاتی ہے مگر اب ایک ہفتہ سے زیادہ ہو گیا مجھے اس سے بات کیے ہوئے' شاید اس کا فون خراب ہے' آج صبح بھی کیا تھا مگر کوئی رسپانس ہی نہیں ملا۔"

"اچھا چلو تم بھی کیا یاد کرو گی' کل شام میں تیار رہنا' اس کے گھر جا کر مل آتے ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" خوشی سے جواب دیتے ہوئے وہ کہنیوں کے بل اٹھ بیٹھی۔

"سالار۔۔۔" اسے پھر شاید کچھ یاد آگیا۔

"ایک بات پوچھوں۔۔۔" وہ پرسوچ نگاہیں سالار کے چہرے پر ڈالتے ہوئے بولی۔

"پوچھو یار کیا پوچھنا ہے' تمہیں کوئی بات پوچھنے کے لیے میری اجازت کی ضرورت کب سے پڑ گئی۔" وہ اپنی کتاب بند کر کے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آپ کے دل میں کبھی یہ خواہش نہیں جاگی کہ ہمارے بھی بچے ہوں جو ہم سے فرمائش کریں' چھوٹی چھوٹی باتوں پر ضد کریں اور..." اس کی آواز بھیگ گئی اور اس سے آگے وہ بول ہی نہ پائی۔

"دیکھو نازیہ یہ ایک فطری خواہش ہے۔ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی نہیں' کیونکہ مجھ سے زیادہ یہ خواہش تمہارے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ صحیح کہہ رہا ہوں نا۔"

اتنا کہہ کر وہ رکا اور نازیہ کی جانب تصدیق طلب نظروں سے دیکھا۔

"ہاں..." اس نے فوراً" اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اعتراف کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی پلکیں بھی بھیگ گئیں... جسے سالار نے دیکھا ضرور مگر نظرانداز کر دیا۔

"دیکھو نازیہ یہ ان خواہشوں میں سے ایک ہے جسے پورا کرنا کسی بھی انسان کے بس کی بات نہیں اور جو خواہش ہم خود پوری کرنے میں ایک فیصد بھی قادر نہ ہوں اس کے لیے بھلا اپنے دل کو برا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جس طرح زندگی اور موت پر ہمارا اختیار نہیں' بالکل اسی طرح اولاد بھی ہمارے اپنے اختیار کی چیز نہیں' اگر تمہارے نصیب میں ہوا تو یقیناً" وہ تمہاری اس خواہش کو ضرور پورا کرے گا اور اگر نہ کرے تو جان لینا اس میں بھی اس پروردگار کی کوئی مصلحت ہے۔ یہ ہی سوچ کر ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتی رہو' یاد رکھو وہ شکر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

نازیہ کے آنسو سالار کے دل کو دکھی کر گئے۔ اسی لیے وہ اسے اچھی طرح سمجھاتے ہوئے بولا۔

"ویسے میری ڈاکٹر زکیہ عالم سے بات ہوئی ہے۔ وہ اگلے ہفتے پاکستان آ رہی ہیں۔ پھر ہم ان سے ملیں گے تمہاری رپورٹس میں نے انہیں فیکس کر دی تھیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ضرور ہمیں کوئی اچھی خبر دیں گی۔ تمہاری خواہش پوری کرنے کی جس حد تک میں کوشش کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔"

اس نے نازیہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کے سارے بال بکھیر دیے۔

"پھر بھی سالار اگر کبھی آپ کو ایسا لگے کہ میرا وجود آپ کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے ادھورا ہے تو پلیز بنا کوئی خیال دل میں لائے آپ دوسری شادی کر لیجیے گا۔"

اس نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کھلے دل سے مشورہ دیا۔

"اچھا چلو اب تم سو جاؤ' ہم اس مسئلے پر پھر کبھی بات کریں گے۔"

سالار جانتا تھا کہ اس وقت وہ کافی اپ سیٹ ہے اس لیے بہتر تھا کہ اس لمحہ اس سے کوئی بحث نہ کی جائے۔ نازیہ اس کی بات سن کر بغیر کوئی ضد کیے اپنا تکیہ سیدھا کرتے ہوئے لیٹ گئی۔ سالار بھی ٹیبل لیمپ آف کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

اماں اپنا پرانا باکس کھولے جانے اس میں کیا تلاش کر رہی تھیں۔ اس نے ایک' دو بار نظر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر سے اپنے ہوم ورک میں مصروف ہو گئی۔ آج صبح سے ہی گرمی بہت زیادہ تھی۔ سورج چھ بجے سے ہی سوا نیزے پر کھڑا تھا۔ جس کی برستی گرم کرنوں نے ان کے کچے آنگن کو خوب اچھی طرح تپانے کے بعد اس اکلوتے کمرے کا رخ بھی کر لیا تھا۔ جہاں چھت پر لگا پنکھا بالکل ہولے ہولے گھوں گھوں کرتا ایسے گھوم رہا تھا۔ جیسے گرم آگ ہوا کی صورت اندر پھینک رہا ہو۔ ایک' دو بار اس نے اپنا ہوم ورک روک کر دھیرے دھیرے گردش کرتے پنکھے کی جانب بھی دیکھا۔ مگر شاید یہ گرمی صرف اس کو ہی زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ جبکہ اس کی ماں اس کی شدت سے بالکل بے نیاز اپنے کام میں بری طرح مصروف تھی کمرے میں چھائی خاموشی کا احساس ہوتے ہی وہ یک دم گھبرا

اٹھی اور اس خاموشی کو توڑنے کے لیے بے اختیار ماں کو پکار بیٹھی۔

خاموشی کو توڑتی اس کی آواز کچھ عجیب سی محسوس ہوئی۔

"کیا بات ہے؟" اماں نے ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے اپنا بکس بند کر دیا۔

"آج بہت گرمی ہے۔" وہ اپنی کاپی اٹھا کر بالکل پنکھے کے نیچے آگئی۔ اس کی قمیص پسینے سے بھیگ کر کمر سے چپک سی گئی تھی۔

"مئی کے مہینے میں ہمیشہ اتنی ہی گرمی ہوتی ہے۔" اماں اپنا بکس بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہاں مگر آج شاید کچھ زیادہ ہی ہے یا پھر ہمارا پنکھا بہت سلو چل رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" وہ ہمیشہ اتنی ہی مختصر بات کرنے کی عادی تھیں' جواب دے کر وہ کمرے کے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں۔"

اتنی کڑکتی دھوپ میں ماں کو کمرے سے باہر جاتا دیکھ کر وہ برداشت نہیں کر سکی اور فوراً" ہی بول اٹھی۔

"صبح کپڑے بھگوئے تھے سوچ رہی ہوں انہیں دھو کر خود بھی نہالوں۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔

"اماں نہا کر آئیں تو میں بھی نہا لیتی ہوں۔" یہ خیال دل میں آتے ہی وہ جلدی جلدی اپنا ہوم ورک ختم کرنے لگی اور جب فارغ ہو کر باہر نکلی تو دھوپ کی شدت میں خاصی کمی تھی۔ سامنے والی دیوار کا سایہ بڑھ گیا تھا۔ شاید آسمان پر بادل آگئے تھے۔ اس نے ہاتھوں کا چھجا سا بنا کر اوپر دیکھا۔ سورج بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔ اس نے اپنی کاپی بند کر کے بیگ میں ڈالی اور خود دروازے کی چوکھٹ پر آبیٹھی اسی دم اماں دھلے ہوئے کپڑوں کی بالٹی ہاتھ میں تھامے باتھ روم سے باہر نکلیں۔ وہ عام طور پر گرمیوں میں نہانے کے بعد تولیہ استعمال نہیں کرتی تھیں۔ اس سبب ان کی قمیص پانی سے گیلی ہو گئی تھی۔ اس نے غور سے اپنی ماں کے چہرے کو تکا' زمانے کے سرد و گرم نے انہیں بہت بدل دیا تھا' مگر آج بھی انہیں دیکھ کر یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں تھا کہ یہ کھنڈر زدہ عمارت کسی زمانے میں بہت عالی شان رہی ہوگی۔ وہ خاموشی سے انہیں تار پر کپڑے پھیلاتے دیکھ رہی تھی کہ جانے کہاں سے ایک خیال اس کے ذہن میں آیا۔

"اماں۔۔۔" اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک بار پھر انہیں پکارا۔

"اب کیا ہو گیا؟" اپنا دوپٹا اچھی طرح نچوڑ کر انہوں نے سارا پانی نکالا اور پھر اسے تار پر پھیلاتے ہوئے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"اماں آپ کی کوئی بہن نہیں ہے۔"

"نہیں۔۔۔" مختصر سا جواب دے کر وہ پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔

"اور بھائی۔۔۔" وہ پھر سے بول اٹھی۔

"نہیں۔۔۔" اماں نے بالٹی بھر کر پانی سارے صحن میں بہا دیا یا فرش کی گرمی پہلے سے کہیں کم ہو گئی۔

"ہمارا کوئی بھی رشتہ دار کیوں نہیں ہے؟"

کئی زمانے سے دل میں آئے سارے سوال دھیرے دھیرے اس کے لبوں پر آگئے۔ اماں نے حیرت سے پلٹ کر اسے دیکھا۔ انہوں نے شاید کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنے سالوں بعد اپنی اولاد کو ان تمام سوالوں کا جواب دینا ہو گا۔ اچانک ہوا چلی تار پر پھیلایا ہوا دوپٹا نیچے گر کر خراب ہو گیا۔ انہوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اپنا دوپٹا اٹھایا۔

"اماں آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

بیٹی نے ایک بار پھر جواب طلبی کی۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا وہ چوکھٹ پر بیٹھی ان ہی کی جانب متوجہ تھی۔

"کس بات کا جواب۔" وہ ایک دم ہی انجان بنتے ہوئے دوبارہ سے باتھ روم میں گھس گئیں۔ تاکہ دوپٹے کو ایک بار پھر سے صاف پانی سے نتھار لیا جائے اور خوب دیر لگا کر واپس نکلیں۔ وہ ابھی بھی چوکھٹ پر بیٹھی شاید ان کے جواب کی منتظر تھی۔ ایک ایسا جواب جو دینے والے کے دل کے اندر ترازو ہو گیا تھا۔

"تم نے اپنا ہوم ورک ختم کر لیا۔" وہ اس کی توجہ ہٹانے کے لیے بولیں۔

"تھوڑا سا رہ گیا ہے' ابھی کر لیتی ہوں مگر آپ پہلے میری بات کا جواب دیں' ہمارا کوئی ماموں' خالہ' پھوپھی کیوں نہیں ہیں۔ جیسے دوسروں کے ہوتے ہیں ہمارے گھر کبھی بھی کوئی رہنے کیوں نہیں آتا اور نہ ہی ہم کہیں جاتے ہیں ہمارے گھر کبھی بھی کوئی مہمان عید' بقرعید پر نہیں آتا۔ ایسا کیوں ہے۔ جواب دیں اماں۔" وہ اپنا چہرہ ہتھیلی پر دھرے پرجوش انداز میں بولتی چلی گئی۔

"کیا ہمارا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔" ماں کی خاموشی سے اس نے یہ ہی نتیجہ اخذ کیا' اک حسرت سی اس کے لہجے میں گھل گئی۔

"اللہ نہ کرے۔" وہ دہل اٹھیں' ایسا لگا جیسے کسی نے ان کا دل مٹھی میں لے کر مسل دیا ہو۔ لاکھ چاہا ہر رشتے سے انکار کر دیں مگر ہائے دل مانا ہی نہیں کہ سب کے ہوتے ہوئے انہیں جھٹلا دیا جائے۔

"سب ہیں مگر ہم سے کوئی نہیں ملتا' سمجھو ہم ان سب کے لیے مر گئے۔"

انہوں نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کے قریب ہی فرش پر بیٹھ گئیں۔

"کیوں ہم نے ایسا کیا کیا ہے اماں جو جیتے جی سب کے لیے مر گئے۔" ایک اور سوال۔

اب وہ کیا بتاتیں کہ سب ان کے اعمال کا کیا دھرا ہے جو وہ ساری دنیا سے کٹ کر اس طرح بے سرو سامانی کی حالت میں تن تنہا زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ انہیں آج زندگی میں پہلی بار افسوس ہوا کہ وہ اسے اپنے ساتھ کیوں لے آئیں اور اگر لے ہی آئی تھیں تو جب اس کے باپ نے اپنی بیٹی کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا تو بلا چون و چرا واپس کر دیتیں کم از کم آج وہ تو یہ زندگی نہ گزارتی جو ان کا مقدر بن گئی تھی۔ "اے کاش گزرا وقت ایک بار واپس آجائے تو شاید یہ معصوم اس گندی دلدل سے نکل جائے جو میں نے خود اپنے لیے منتخب کی اور ساتھ اسے بھی گھسیٹ لیا۔"

انہوں نے ایک افسوس بھری نگاہ اپنے قریب موجود اپنی بیٹی پر ڈالی جس کا اس بھری دنیا میں ان کے سوا کوئی نہ تھا۔ وہ ایک بار پھر پوری شدت سے پچھتائیں' یہ ایک پچھتاوا ہی تو تھا جو روگ کی طرح ان کی پوری زندگی پر محیط ہو گیا تھا۔ ان کا دل بھر آیا اور وہیں گھٹنوں میں سر دے کر بے اختیار رونے لگتیں۔

میں تو اسے اپنے ساتھ بھلے کے لیے لائی تھی' کیا پتا تھا کہ وہ وقت میرے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسل جائے گا' نہ میرے آگے کچھ رہے گا اور نہ ہی پیچھے کچھ باقی بچے گا' سب ملیا میٹ ہو جائے گا۔ اچھی زندگی کی خواہش سے میرا سب کچھ چھین لے گا۔ کاش میں جان جاتی کہ برائی کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔ انسان بہت کچھ سوچتا ہے مگر ہمیشہ وہ ہی ہوتا ہے جو وہ سوہنا رب چاہتا ہے جو اس کے نصیب میں لکھ دیا جاتا ہے۔"

"اماں۔۔۔" کندھا ہلانے پر انہوں نے اپنے گھٹنوں سے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

"بتائیں نا نہ اماں ہم سے کوئی کیوں نہیں ملتا۔"

پھر وہ ہی سوال شاید وہ اپنی تنہائی سے تنگ آچکی تھی مگر ابھی وہ خود اس قابل نہ تھیں کہ اپنی بیٹی کے اس سوال کا جواب دیتیں جانتی تھیں کہ ایک دفعہ انہیں اپنی بیٹی کے اس مشکل ترین سوال کا جواب ضرور دینا پڑے گا۔

"بتاؤں گی۔ ضرور بتاؤں گی مگر ابھی نہیں اور ہاں کوشش کرنا کہ مجھ سے ایسا سوال دوبارہ کبھی مت کرنا تم نہیں

جانتیں ایسے سوال میرے دل کو اندر تک چیر دیتے ہیں۔"

آخری جملہ انہوں نے اپنے لبوں میں اس طرح ادا کیا کہ آواز قریب کھڑی بیٹی تک نہ جاسکے اور پھر گھٹنوں میں سر دبا کے سسکنے لگیں۔

"سچ ہے جیتے جی انسان کبھی بھی اپنے ماضی سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا یہ ایک ایسی ٹھوس حقیقت ہے جسے سمجھانے کے وقت جیسا استاد درکار ہوتا ہے۔"



آج اس کا یونیورسٹی میں داخلہ انٹرویو تھا اور وہ خاصی نروس سی تھی اس سے پہلے اس نے کبھی اس قسم کا انٹرویو نہیں دیا تھا اس نے اچھی طرح تیار ہو کر قد آدم آئینہ میں اپنا جائزہ لیا لان کے بلیک اور وائٹ سوٹ کے ساتھ لمبے سے بالوں کی چوٹی میں اس کا چہرہ بالکل صاف اور شفاف نظر آرہا تھا۔ میک اپ کے نام پر صرف پنک لپ گلوس اس کے ہونٹوں پر تھا اپنے قریب رکھی کالی چادر اٹھا کر اس نے کھولی ہی تھی کہ یک دم سکینہ بول اٹھی۔

"ارے بچے تمہارے سوٹ کا دوپٹا بہت بڑا ہے اسے کھول کر اچھی طرح اوڑھ لو کیا ضرورت ہے اتنی بڑی چادر اوڑھنے کی ویسے بھی گاڑی میں جانا اور گاڑی میں ہی واپس آنا کون سا تم بس میں سفر کرنے جارہی ہو۔"

"اچھا۔۔۔" اس نے چادر کھولتے کھولتے ہاتھ روک کر سکینہ کو دیکھا۔

"ہاں بیٹا اس بار تو ملک صاحب بھی ڈھکے چھپے کہہ گئے کہ ایشال کو فیشن کرنے والی لڑکیاں پسند ہیں اور بات بھی ٹھیک ہے ساری زندگی یورپ میں گزارنے والا تم جیسی لڑکی کو کیسے پسند کرے گا سوچو ذرا وہ تو انگریزوں میں رہنے کا عادی ہو گیا ہے کچھ نہ سہی تو بچہ اپنے شوہر کی خواہش کے مطابق خود کو ڈھالو آخر ملک صاحب اسی لیے تو تم کو اتنی تعلیم دلا رہے ہیں ورنہ میٹرک کروا کے گھر بٹھا دیتے۔"

سکینہ خالہ اول تو بات ہی کم کیا کرتیں مگر جب کرتیں تو بنا مکمل وضاحت خاموش ہی نہ ہوتیں ابھی بھی ایسا ہی ہوا جانے ملک صاحب کی کہی ہوئی کس بات کو انہوں نے اپنی مرضی کے معنی پہنا کر ہر بات اسے سمجھا دی کیا سچ تھا اور کیا غلط وہ کچھ سمجھ نہ پائی مگر اتنا ضرور ہوا کہ ایشال کا نام سنتے ہی بنا کوئی بحث کیے اس نے خاموشی سے چادر اتار کر قریب رکھی کرسی پر ڈال دی' سوٹ کا دوپٹا استری اسٹینڈ سے اٹھا کر اوڑھتے ہوئے ٹیبل سے ہینڈ بیگ بھی اٹھا لیا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی باہر کی جانب چل دی' سکینہ اس کے پیچھے پیچھے ہی تھیں تاکہ باہر کا دروازہ بند کرسکیں جب وہ دروازے کے باہر نکلتے نکلتے رک گئی۔

"اللہ حافظ آنٹی۔" آہستہ سے کہہ کر وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ کامیاب کرے۔" اپنے پیچھے آتی سکینہ کی آواز اسے اپنی ماں کی یاد دلا گئی' وہ بھی ہمیشہ اس کے لیے اسی طرح دعا کیا کرتی تھیں اسے اچھی طرح یاد تھا وہ پانچ وقت کی نماز کے بعد ہمیشہ اماں کے سر پر جا کھڑی ہوتی۔

"اماں میرے لیے اچھی سی دعا کرنا۔"

"اللہ ہمیشہ میری بچی کو ہر امتحان میں کامیاب کرنا۔" ماں کا یہ جملہ ہمیشہ اس کے ساتھ ساتھ رہتا۔

"آمین۔" خالہ سکینہ کی دعا کا جواب دل ہی دل میں دیتی وہ سیڑھیاں اتر گئی۔



اسے بریانی بے حد پسند تھی' اس لیے آج وہ صبح سے کچن میں گھسی بریانی کی تیاری کر رہی تھی ساتھ ہی اس نے فریج سے کھیرے نکال کر ٹوکری میں دھو کر رکھ دیے تاکہ پانی خشک ہونے کے بعد انہیں کاٹ لے' بریانی کے

ساتھ وہ ہمیشہ دہی میں کھیرے ڈال کر رائتہ تیار کرتی جو اسے بے حد پسند تھا' اس نے سالن میں چاولوں کی تہ لگا کر دم دے دیا' بریانی کی خوشبو اس کے نتھنوں میں گھس کر اس کی بھوک کو مزید بڑھا گئی' اب اس کا ارادہ جلدی جلدی نہا کر کپڑے تبدیل کرنے کا تھا تاکہ اس کے بعد اطمینان سے اندر ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر اچھی طرح بریانی سے لطف اندوز ہوسکے کہ اچانک ہی کسی نے باہر کی بیل بجادی۔

"یہ اتنی گرمی میں اس وقت کون آگیا" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"مریم۔۔ مریم بیٹا دیکھو باہر کون ہے؟"

اس نے وہیں کھڑے کھڑے مریم کو آواز لگائی' دوسرے ہی پل مریم دوڑی دوڑی کچن میں داخل ہوئی اور پھولی ہوئی سانسوں میں بتایا۔

"اماں سالار انکل آئے ہیں۔"

"اس وقت۔۔۔" وہ تھوڑا سا حیران ہوئی اور دروازے پر لٹکا اپنا دوپٹا اتار کر تیزی سے باہر دروازے کی جانب آگئی جہاں سالار کے ساتھ نازیہ بھی موجود تھی۔

"ارے آپ لوگ باہر کیوں کھڑے ہیں اندر آجائیں۔"

ان دونوں کو اچانک اس طرح اپنے گھر کے دروازے پر دیکھ کر وہ اس قدر حواس باختہ ہوئی کہ سمجھ ہی نہ آیا کیا کرے۔

"میں صرف نازیہ کو چھوڑنے آیا ہوں یہ تم سے ملنے کے لیے خاصی بے قرار تھی' اس لیے سوچا ابھی چھوڑ دوں شام میں واپس جاتے ہوئے لے لوں گا تم ڈسٹرب تو نہیں ہوئیں۔"

اسی طرح بنا بتائے بھری دوپہر زینب کے گھر آنے پر ہلکی سی شرمندگی کا احساس سالار کو بھی ہوا۔

"نہیں میں نے بھلا کیوں ڈسٹرب ہونا ہے بلکہ اچھا ہوا یہ آگئی میرا وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔" وہ اس کی شرمندگی کو محسوس کرتے ہوئے بولی۔

"چلو میں چلتا ہوں پانچ بجے تک تمہیں پک کرلوں گا۔"

اس دفعہ اس نے نازیہ کو مخاطب کیا جو بالکل خاموش کھڑی تھی۔

"اللہ حافظ" وہ دھیرے سے کہتی اندر داخل ہوگئی' زینب اس کا ہاتھ تھامے اسے اپنے کمرے میں ہی لے آئی جہاں بستر پر سامنے ہی جگنو سو رہی تھی۔

"تم یہاں بیٹھو میں ابھی کھانا لے کر آتی ہوں۔"

اسے وہاں چھوڑ کر وہ واپس ہی پلٹی تھی کہ نازیہ نے آواز دے کر روک لیا۔

"ایسا کرو تم باہر برآمدے میں رکھی ٹیبل پر کھانا لگاؤ میں بھی وہیں کھاؤں گی۔"

نازیہ بنا تکلف کہتی اس کے پیچھے ہی باہر آگئی۔

زینب نے کھانے کے ساتھ اسکوائش بھی بنالیا اور پھر دونوں نے نہایت خوشگوار ماحول میں مزے کے ساتھ خوب ڈٹ کر کھایا۔

"تم بریانی بہت لذیذ بناتی ہو۔"

کھانے کے دوران کئی بار نازیہ نے اپنا یہ جملہ دوہرایا' اور ہر بار وہ اس جملے کو سن کر شرمندہ ہوتی گئی کیونکہ جانتی تھی کہ نازیہ بہت بہترین کوکنگ کرتی تھی' جس کی ہمیشہ سالار تعریف کیا کرتا اور پھر شام تک نازیہ اس کے ساتھ رہی تقریباً" پانچ بجے جب سالار اسے لینے آیا تو خوب لدا پھندا تھا ڈھیروں ڈھیر بیکری کے سامان کے ساتھ ساتھ کئی طرح کا فروٹ' مریم اور جگنو کے لیے کچھ کھلونے جسے لا کر اس نے ٹیبل پر ڈھیر کردیا' زینب بنا کسی جرح

کے تمام سامان اٹھا کر اندر کچن میں لے آئی عرصہ ہوا اُس نے سالار کے ساتھ روایتی مکالمہ بازی کا عمل ترک کر دیا تھا اس کی لائی ہوئی ہر چیز وہ پورے استحقاق سے استعمال کرنے کی عادی ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ایک بات تو بتاؤ۔" سامان پیک کرتے کرتے جیسے اریشہ کو یاد آگیا۔

"کون سی بات۔"

ایشال جو پیکنگ میں اس کی مدد کر رہا تھا پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"تم واپس جا کر اپنی اس کزن سے شادی کر لو گے جس سے کئی سال قبل نکاح کر کے آئے تھے۔"

دل میں دبا کئی سال پرانا خدشہ بالآخر اس کے لبوں تک آ ہی گیا کیونکہ دو دن بعد ان کی فلائٹ تھی اور وہ دونوں اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس جا رہے تھے اسی لیے شاید آج وہ چاہتی تھی کہ اپنی ہر بات کی وضاحت کرے تاکہ بعد میں کسی قسم کا کوئی مغالطہ اس کی زندگی خراب نہ کرے اور اس سوال کا کیا جواب دے یہ خود ایشال کی سمجھ میں بھی نہ آیا۔

"میں نے کوئی اتنا مشکل سوال نہیں کیا جس کا جواب دینے میں ہی تم نے پندرہ منٹ لگا دیے ہاں یا نہ کہو اور بات ختم کرو۔"

ایشال کی خاموشی نے اریشہ کا موڈ یک دم ہی آف کر دیا۔

"تمہیں کس نے یہ کہا کہ میں اس لڑکی سے شادی کر لوں گا جس کا آج تک مجھے نام بھی معلوم نہیں۔"

جواب دینے کے بجائے الٹا اس نے خود سوال کر ڈالا۔

"ظاہر ہے جب بنا نام پوچھے نکاح کے پیپرز پر سائن کر آئے تھے تو شادی بھی کرو گے ہی نا ویسے بھی اب تو صرف رخصتی باقی ہے باقی سب کچھ تو ہو گیا ہے۔"

وہ بیگ کی زپ بند کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے ہوئے بولی۔

ایشال نے صرف ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی جو شاید غصہ کے باعث ہلکا سا سرخ ہو گیا تھا اور ایسا یقیناً "اس کے نکاح کے ذکر کے باعث ہوا تھا" وہ خاموشی سے آگے بڑھا' اریشہ کے سامنے رکھا بیگ اپنی جانب کھسکایا اور خاموشی سے زپ بند کر دی۔

"ضروری نہیں ہے کہ اگر بچپن میں میری مرضی کے خلاف میرا نکاح کر دیا جائے تو میں اب اسے رخصت کروا کے اپنے گھر بھی لے آؤں میں اب بالغ اور سمجھ دار ہوں' شادی کا فیصلہ کرنے کا اختیار مجھے میرے مذہب نے بھی دیا ہے تو پھر میں کیوں وہ زندگی اپنے لیے منتخب کروں جو مجھے پسند نہ ہو۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا۔

"میں فیصلہ کر چکا ہوں واپس جاتے ہی اسے طلاق دے دوں گا۔" وہ فیصلہ کن لہجہ میں بولا۔

"تم کیا سمجھتے ہو یہ سب کچھ بہت آسان ہے اور انکل تمہیں ایسا کرنے دیں گے۔"

وہ جانتی تھی کہ بہت مشکل ہے ایشال کا اپنے فیصلہ پر عمل درآمد کرنا اور اس سلسلے میں اسے ملک انکل کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ وہ کبھی بھی یہ نہ چاہیں گے کہ ایشال ان کی بھتیجی کو چھوڑ کر اریشہ سے شادی کرے اس کے نزدیک جذبات سے زیادہ عقل ایسے تمام اعمال کے لیے ضروری تھی۔

"وہ بعد کی بات ہے فی الحال جو فیصلہ مجھے کرنا تھا میں نے کر لیا اور میرے اس فیصلے میں مما بھی میرے ساتھ کھڑی ہیں میں تنہا نہیں ہوں اور مجھے یقین ہے مما کے سامنے پاپا کی ایک نہیں چلنے والی۔"

باپ کے خوف پر ماں کی مدد کا جذبہ غالب آگیا ویسے بھی اسے اپنی ماں پر پورا بھروسا تھا کہ ان کی مرضی کے خلاف پاپا کبھی بھی اس کی شادی نہیں کر سکتے۔ "اللہ کرے ایسا ہی ہو۔"

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا تم فکر مت کرو میں تمام معاملہ حل ہونے کے بعد جلد ہی مما پاپا کو تمہارے گھر بھیج دوں گا بس اس مسئلے کے حل ہونے تک تمہیں تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا اور اگر کوئی مشکل پیش آئے تو میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

وہ اریشہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے ایک جذب کے عالم میں بولا۔

یہ پہلا عہد تھا جو آج اتنے سالوں میں اس نے کیا تھا اور یہ سب سننے کے لیے اریشہ کے کان جانے کب سے منتظر تھے وہ شروع سے جانتی تھی کہ ایشال اسے پسند کرتا ہے' ایشال بھی اس کی دل کی کیفیت سے آگاہ تھا مگر ایشال کے نکاح نے ان دونوں کے درمیان ایک ان دیکھی دیوار سی کھڑی کر رکھی تھی۔ جسے آج ایشال نے گرا دیا "بولو اریشہ میرا ساتھ دو گی۔"

اسے سوچوں میں ڈوبا دیکھ کر وہ پھر سے پوچھ بیٹھا۔

"میں تو ہمیشہ سے ہی تمہارے ساتھ ہوں بے شک جیسے بھی حالات ہوں۔" اس اقرار نے اسے پرسکون کر دیا۔

"ٹھیک ہے اب جو کچھ ہوگا اسے واپس جا کر اکٹھے' ایک ساتھ بھگتیں گے۔"

اس جواب نے ایشال کو ایک دم ہلکا پھلکا کر دیا اور وہ جیسے شانت ہوتا ہوا بولا۔

"ویسے ایک بات کہوں ایشال یہ مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا سمجھ رہے ہو تمہیں اس سلسلے میں انکل کی ایک زوردار مخالفت کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔"

اریشہ کا خدشہ سو فیصد درست تھا اور یہ بات ایشال خود بھی اچھی طرح جانتا تھا۔

"جانتا ہوں اور اس کے لیے میں ذہنی طور پر تیار بھی ہوں اسی لیے یہاں ایک کمپنی میں اپنی جاب کے لیے پیپرز دے کر جا رہا ہوں تاکہ اگر مجھے اپنا گھر بھی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دوں مگر میں کسی بھی صورت ایسی لڑکی کو بیوی بنا کر اپنے گھر نہیں لا سکتا جس کی ماں کی بدچلنی کے قصے پورے خاندان میں مشہور ہوں۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا اور اریشہ کے منتظر چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ "اور اگر میں یہ سب کچھ بھول کر اسے اپنانے کا سوچ بھی لوں تو تمہاری محبت مجھے کبھی اس کا ہونے نہ دے گی اور یہ بات تم بہت اچھی طرح جانتی ہو۔"

اریشہ کے چہرے پر اک اطمینان پھیل گیا' یہی تو وہ جملہ تھا جسے سننے کی وہ ہمیشہ سے منتظر تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ جب اسکول سے واپس گھر آئی تھی اماں کو اندر کمرے میں چارپائی پر بے سدھ ہی پڑے دیکھا بخار تو انہیں رات سے ہی تھا مگر شاید اس وقت اس کی شدت زیادہ ہو گئی تھی اب اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ ان حالات میں کیا کرے جس سے اس کی بستر پر پڑی ماں فوراً" سے پیشتر چاق و چوبند ہو جائے اسے ہمیشہ سے ہی گھر میں چھایا سناٹا کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا گھر میں پھیلی خاموشی سے اسے گھبراہٹ ہوتی تھی اب تو اس سے باتیں کرنے والی واحد ہستی بھی چپ چاپ آنکھیں موندے بستر پر نڈھال پڑی تھی آخر گھر میں چھائی ویرانی سے وہ گھبرا گئی اور ماں کی چارپائی کے قریب جا بیٹھی۔

"اماں۔۔۔ اماں۔"

ماں کا ہاتھ تھام کر اسے پکارتے ہوئے وہ بالکل روہانسی سی ہو گئی اور ٹپ ٹپ آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے

جب وہ ماں کے سرہانے بیٹھی بے اختیار' بے آواز روتے چلی جارہی تھی کہ اچانک اس پل کمرے کا پردہ ہٹا کر برابر والی فاطمہ خالہ فرشتے کی صورت اندر داخل ہوئیں انہوں نے اپنے ہاتھوں میں ایک بڑا سا سلور کا کٹورا اٹھا رکھا تھا۔

"آگئیں تم اسکول سے۔" اس پر نظر پڑتے ہی وہ بڑی محبت سے بولیں۔

"جی خالہ۔۔۔"

انہیں دیکھ کر وہ جلدی اپنی آنکھیں صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"امی کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے جب سے آئی ہوں ایسے ہی پڑی ہیں نہ آنکھیں کھولتی ہیں اور نہ ہی میری کسی بات کا جواب دے رہی ہیں۔"

انہیں بتاتے بتاتے وہ ایک بار پھر سے رونے لگی۔

"ارے بیٹا رو کیوں رہی ہو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو وہ اپنا کرم ضرور کرے گا۔"

اسے خود سے لگاتے ہوئے خالہ نے بڑے پیار سے تسلی دی' تھوڑی ہی دیر میں اس کے آنسو تھم سے گئے۔

"بیٹا یہ کٹورے میں برف ہے اسے کولر میں ڈال لو پھر کسی برتن میں ٹھنڈا پانی لاؤ تاکہ تمہاری ماں کی پٹیاں کریں اس سے ان شاء اللہ بخار کی شدت میں ضرور کمی ہوگی۔"

اس نے خالہ کے ہاتھ سے کٹورا تھاما اور جلدی سے کچن میں جا کر ان کی تمام ہدایات پر عمل کرتی ہوئی ٹھنڈا پانی اور ساتھ ہی کپڑے کا ایک ٹکڑا لیے واپس آگئی اور پھر جلدی جلدی پانی میں کپڑا بھگو کر ماں کے ماتھے پر رکھا۔

"تم نے کھانا کھایا؟" ٹھنڈے پانی سے اس کی ماں کے پاؤں گیلے کرتیں خالہ کو جیسے اچانک ہی یاد آیا اور وہ اس کے ستے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سوال کر بیٹھیں۔

"نہیں۔۔۔" جواب کے ساتھ ہی اس نے نفی میں اپنا سر ہلایا۔

"معاف کرنا بیٹا تین بج گئے اور مجھے یاد ہی نہ رہا کہ تم بھوکی ہو۔" وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم لگاتار پٹیاں کرواپنی ماں کو یہ ابھی ہوش میں آجائے گی اتنی دیر میں میں تم لوگوں کے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔"

"جی اچھا۔۔۔" اثبات میں جواب دے کر وہ پھر سے اپنی ماں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اسے اپنی ماں کے بعد اگر کسی کا تھوڑا بہت بھی سہارا تھا تو وہ واحد فاطمہ خالہ تھیں جو ان دونوں ماں بیٹی کا خیال بالکل اپنوں کی طرح رکھتی تھیں صرف پانچ منٹ بعد جب وہ واپس آئیں تو ایک بڑی سی پلاسٹک کی پلیٹ تھامے ہوئی تھیں۔

"یہ بریانی ہے رات میری بہن کے گھر دعوت تھی واپسی میں اس نے ڈھیروں ڈھیر ساتھ ہی دے دی اب جتنی تمہیں کھانی ہے سو کھا لینا باقی سنبھال لینا رات میں کام آئے گی پھر بھی اگر تمہیں کچھ ضرورت پڑے تو میری دیوار بجا دینا میں آجاؤں گی۔"

انہوں نے اسے پلیٹ تھماتے ہوئے سمجھایا' بریانی کی خوشبو ناک میں جاتے ہی اس کی بھوک چمک اٹھی ذرا سی دیر میں وہ اپنی ماں کی بیماری بھی بھول گئی اسے سوچنے پر بھی یاد نہ آیا کہ آخری بار اس نے بریانی کب کھائی تھی شاید کئی زمانے بیت گئے وہ تو اپنی ماں کے ساتھ روکھی سوکھی کھانے کی ہی عادی ہو چکی تھی جلدی سے پلیٹ تھام کر اس نے کچن کی جانب جانے کے لیے اپنا قدم اٹھایا ہی تھا کہ پیچھے سے آتی ہلکی سی ماں کے کراہنے کی آواز نے اسے پھر اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

"ہائے۔۔۔" اس نے پلٹ کر دیکھا وہ تکلیف کی شدت سے آہستہ آہستہ تکیہ پر سر مار رہی تھیں وہ وہیں رک گئی ایک ہی پل میں اس کی بھوک پیاس سب ختم ہو گئی۔

"تم جاؤ کھانا کھاؤ میں اسے دیکھتی ہوں۔"

خالہ نے اسے اپنی جگہ کھڑا دیکھ کر کہا اور خود جلدی سے ٹھنڈے پانی کا کٹورا اٹھاتے ماں کے سرہانے جا کھڑی ہوئیں۔

"میرا خیال ہے تمہاری ماں بھی بھوکی ہے۔"

شاید اس کی ماں کے چہرے پر چھائی زردی نے انہیں یہ احساس دلایا وہ کچن میں جاتے جاتے رک گئی اسے یاد آیا ماں نے رات سے کچھ نہ کھایا تھا۔ سوائے ایک کپ چائے کے جو بڑی مشکل سے ان کے حلق سے اتری تھی رات انہوں نے روٹی پکائی ضرور تھی مگر کھانے کو دل نہ چاہا بخار کی وجہ سے ان کا حلق کڑوا ہو گیا تھا اس لیے وہ کچھ بھی نہ کھا پا رہی تھیں۔

"ایسا کرو تم گلاس میں پانی لا کر اسے پلاؤ میں اس کے لیے بھی کچھ لاتی ہوں۔"

وہ ایک بار پھر پاؤں میں چپل پھنسا کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور اگلے ہی پل جب وہ واپس آئیں تو چائے کے ایک کپ کے ساتھ کچھ بسکٹ بھی تھے جنہیں چائے میں ڈبو ڈبو کر انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے ماں کے حلق میں اتارے دو ہی بسکٹ کھانے کے بعد اماں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں منع کر دیا وہ کچن میں کھانا کھاتے ہوئے مسلسل دروازے سے باہر جھانک رہی تھی ماں کے کراہنے کی آواز کچھ ہی دیر میں قدرے کم ہو گئی شاید وہ سو گئی تھیں جب خالہ اندر سے باہر نکلیں۔

"میں گھر کا ایک چکر لگا آؤں بہو کو پکانے کے لیے کچھ لا دوں ورنہ وہ سارا وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہے گی۔ سوچ رہی ہوں آج رات یہاں ہی سو جاؤں تمہارے پاس، بھلا تم اکیلی بچی بیمار ماں کو کیسے سنبھالو گی۔"

وہ بات جو وہ کہنا چاہتی تھی خالہ نے خود ہی کہہ دی۔

"ہاں خالہ آپ رات یہاں ہی آجائیں مجھے تو ویسے بھی اکیلے گھر میں بہت ڈر لگتا ہے۔" وہ ایک بار پھر روہانسی ہو گئی۔

"رومت بیٹا میں آتی ہوں۔" اسے تسلی دیتی وہ باہر نکل گئیں اور پھر اپنے وعدے کے مطابق عشاء پڑھ کر جب واپس آئیں تو ماں کے دلیہ بھی بنوا لائی تھیں۔ اس وقت تک ماں کا بخار بھی پہلے سے کم ہو گیا تھا انہوں نے تھوڑا تھوڑا کر کے اپنے ہاتھوں سے دلیہ بھی کھا لیا۔

"سچ ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔" فاطمہ خالہ کو دیکھ کر ساری رات یہ ہی ایک خیال اس کے دل میں آتا رہا۔

☼ ☼ ☼

اس کا انٹرویو بہت اچھا ہوا اور ملک صاحب کی منتخب کردہ ایک بہترین یونیورسٹی میں داخلہ بھی ہو گیا ویسے بھی اس کا کالج کوایجوکیشن تھا دو سال وہاں لڑکوں کے ساتھ پڑھ کر اس میں خاصی خود اعتمادی پیدا ہو چکی تھی جسے وقت نے خاصا بڑھا دیا تھا اسے یاد تھا۔

شروع میں جب وہ اپنے محلے کا سرکاری اسکول چھوڑ کر شہر کے ایک بہترین اسکول گئی تھی تو خاصی ڈری سہمی رہا کرتی تھی مگر جب وہ اسکول کے دو سال مکمل کر کے باہر نکلی تو خاصی تبدیل ہو چکی تھی شاید اچھا لباس، اچھی تعلیم اور بہترین گاڑی کی سہولت نے اس کے اندر موجود ڈر اور خوف نکال دیا تھا دو سال اسکول کی تعلیم کے دوران وہ اسکول ہی کے ہاسٹل میں رہی اور پھر ملک صاحب نے اسے شہر کے ایک پوش علاقے میں فلیٹ لے دیا جہاں فضل دین اور اس کی بیوی سکینہ اس کے ساتھ تھے اب وہ مغل پورہ کی پرانی گلیوں سے نکل کر سمن آباد کی باسی بن

چکی تھی ماں جیسا عظیم رشتہ کھونے کے بعد وہ ایک معزز شہری کا اعزاز حاصل کرنے کے قابل ہو گئی تھی اسے اچھی طرح یاد تھا کالج میں پڑھنے کے دوران کس طرح کلاس کے لڑکے اس سے خائف رہا کرتے تھے کیونکہ وہ کبھی کسی سے زیادہ فری ہو کر بات ہی نہ کیا کرتی تھی۔

عام طور پر لوگوں کا خیال تھا کہ وہ کسی وڈیرے یا جاگیردار کی بیٹی ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے لیے شہر میں رہ رہی ہے اس نے کبھی بھی کسی کے اس خیال کی تردید یا تصدیق نہ کی یہاں تک کہ اس کی اکلوتی اور بہترین دوست حفصہ بھی اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہ جانتی تھی مگر اب یونیورسٹی آتے ہی اس نے اپنا رویہ تھوڑا سا تبدیل کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ لوگوں میں تھوڑا بہت گھل مل جائے جس میں اسے خاصی کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

☼ ☼ ☼

اریشہ کا رشتہ آیا ہوا تھا شاہ زیب خان اس کے پاپا کے بزنس پارٹنر کا بیٹا تھا جو حال ہی میں لندن سے بینکنگ کی اعلا تعلیم حاصل کر کے وطن واپس لوٹا تھا اور یہ خبر اریشہ نے جب سے فون پر ایشال کو دی تھی وہ بے چین سا گھر میں پھر رہا تھا مما بازار گئی ہوئی تھیں ورنہ وہ ابھی انہیں ساتھ لے کر ماموں کی طرف چلا جاتا اس ساری ٹینشن میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ خود کسی کی ذات سے منسوب ہے اور جب تک اس کا نام اس انجان لڑکی کے ساتھ رہے گا ماموں کبھی بھی اریشہ کا رشتہ نہ دیں گے۔

اریشہ خود بھی پاکستان آتے ہی فوراً "سر پر پڑنے والی اس شاہ زیب نامی افتاد سے خاصی پریشان تھی جس کا اندازہ اس کی کچھ قبل آنے والی فون کال سے ایشال کو ہو چکا تھا اب یہ لازمی ہو گیا تھا کہ ایشال اپنی زندگی کے اس سب سے بڑے مسئلے کو فوری طور پر حل کرے اسے محسوس ہوا جسے وہ ایک دوراہے پر کھڑا ہے جہاں سے ایک راستہ اسے اریشہ کی طرف لے جاتا ہے جس کے ساتھ اس کی دنیا بھر کی خوشیاں جڑی تھیں اور دوسرا راستہ پاپا کے ساتھ چلتے ہوئے اس سبز دوپٹے والی لڑکی تک جاتا تھا جہاں پہنچ کر شاید زندگی کی ہر خوشی اس پر ختم ہو جاتی اور یہ دوسرا راستہ اپنانا اس کے نزدیک موت کو گلے لگانے کے مترادف تھا۔

اب وہ وقت آچکا تھا کہ وہ اپنے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب کرے اور وہ راستہ کون سا تھا اس کا فیصلہ تو وہ بہت پہلے ہی کر چکا تھا اور اب یہ فیصلہ صرف اپنے پاپا تک پہنچانا تھا تاکہ وہ جلد از جلد اس قید سے رہائی پا سکے جس میں جانے کتنے سالوں سے اسے پاپا کی محبت نے جکڑ رکھا تھا اور پھر بہت سوچنے کے بعد اس نے اریشہ کا نمبر ملایا دوسری ہی بیل پر فون ریسیو کر لیا گیا وہ شاید اسی کے فون کی منتظر تھی۔

"بولو۔" اریشہ کی بھیگی ہوئی آواز یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ وہ رو رہی ہے۔

"پلیز اریشہ پریشان مت ہو میں آج ہی مما کے ساتھ تمہارے گھر آکر ماموں سے بات کرتا ہوں۔"

یقیناً" وہ جو فیصلہ کر چکا تھا اب اس پر عمل درآمد کا وقت آ گیا تھا۔

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا۔

اب اسے صرف مما کی واپسی کا انتظار تھا تاکہ انہیں ساری صورت حال سمجھا کر اپنے ساتھ ماموں کے گھر لے جانے پر آمادہ کر سکے اور اسے یقین تھا اس کی ماں کبھی بھی اسے انکار نہیں کرے گی۔

(باقی آئندہ)

نفیسہ سعید

ایسا کب ہے زندگی

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال کی دلچسپی اپنی کزن عریشہ میں ہے۔

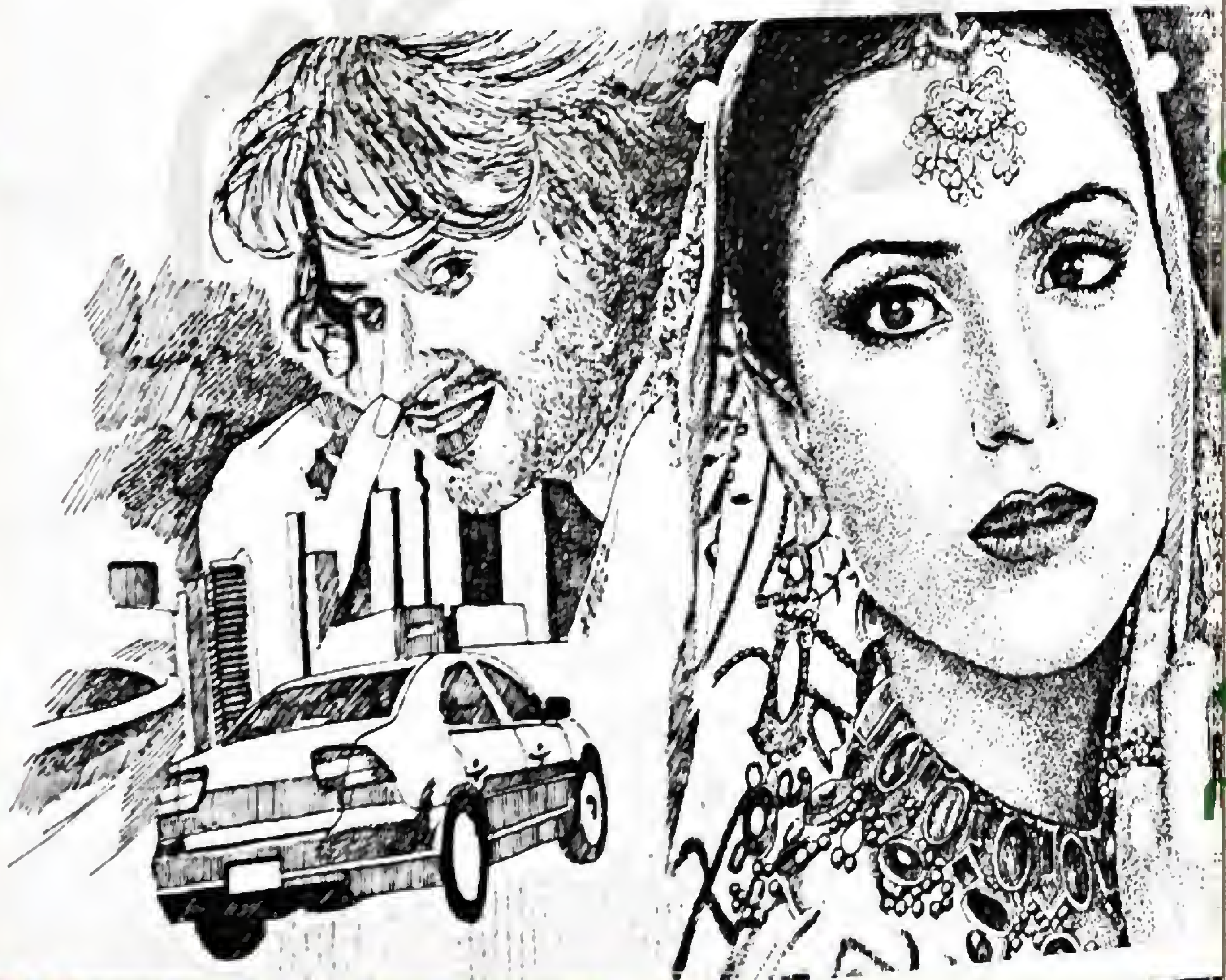
حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد سے کراچی آئی ہے۔ شاہ زین کے والد نے اسے اپنے آفس میں اپائنٹ کر لیا شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگا۔

فرہاد تین بھائی ہیں۔ فرہاد کے دونوں بھائی معاشی طور پر مستحکم ہیں اور دونوں اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرتے ہیں جبکہ فرہاد اپنی بیوی زینب اور بچیوں کی ضروریات پوری کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتا ہے۔ جو زینب کو بالکل پسند نہیں۔

فرہاد کے بڑے بھائی کی بیوی نغمہ زینب کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہیں اور آئے دن اس حسد کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۵ پانچویں قسط



صحن میں کرسی ڈالے بیٹھی ہوئی جانے کن خیالوں میں گم تھی' مریم اس کے قریب ہی رکھے تخت پر بیٹھی اپنا ہوم ورک کر رہی تھی آج اس نے ٹیوشن کے بچوں کو چھٹی دے دی تھی کیونکہ جگنو کو رات سے ہی بخار تھا اور وہ ابھی ابھی فیڈر لے کر سوئی تھی کہ اچانک ہی باہر کا دروازہ کھول کر فضہ بھابھی اندر داخل ہوئیں جس کے ساتھ ہی ان کے قیمتی پرفیوم کی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی وہ انہیں دیکھتے ہی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''السلام علیکم بھابھی آج آپ کیسے راستہ بھول گئیں۔''

اتنے دنوں بعد انہیں اپنے گھر دیکھ کر زینب کو حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی وہ ویسے بھی شاید دوسروں کے رویے جلد بھلا دینے کی عادی تھی۔

''چلو میں تو خیر پھر بھی بھول گئی تم تو وہ بھی نہیں بھولتیں۔''

اسے گلے سے لگاتے ہوئے وہ جتانا نہیں بھولیں۔

''بس بھابھی ٹائم ہی نہیں ملتا' مریم کے امتحان ہونے والے ہیں جبکہ جگنو کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور آپ تو جانتی ہی ہیں کہ وہ کس قدر کمزور سی ہے اس عمر کے بچے تو بھاگنے دوڑنے لگتے ہیں مگر وہ ہے کہ گود سے ہی نہیں نکل رہی۔''

''ہاں یہ تو ہے اور پھر تم پر تو آج کل دوسرے گھر کی ذمہ داری آن پڑی ہے۔''

اندر برآمدے کی طرف جاتے جاتے انہوں نے پلٹ کر کہا۔

''دوسرا گھر.....''

زینب کی کچھ سمجھ میں نہ آیا اور اس نے سوالیہ انداز میں پوچھتے ہوئے ان کی کرسی عین پنکھے کے نیچے رکھ دی ویسے تو اب موسم خاصا تبدیل ہو چکا تھا مگر پھر بھی فضہ بھابھی کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ شاید انہیں ابھی بھی گرمی محسوس ہو رہی ہے۔

''ہاں بھئی سنا ہے سالار کا گھر بھی تم نے ہی سنبھالا ہوا ہے۔''

ذو معنی جملہ کہتے ہوئے وہ کرسی پر بیٹھ چکی تھیں جب زینب ان کے لیے پانی کا گلاس لے کر آئی جسے خلاف توقع انہوں نے تھام بھی لیا۔

''گھر تو خیر میں نے کیا سنبھالنا ہے ان کے ہاں نوکروں کی کمی نہیں ہے البتہ نازیہ پچھلے دنوں خاصی بیمار رہی ہے بس اس کو تھوڑا بہت سنبھالا وہ بھی اس لیے کہ اس بے چاری کا کوئی قریبی عزیز یہاں نہیں ہے۔''

بنا فضہ بھابھی کی بات کی گہرائی جانچے اس نے نہایت سادگی سے ہر بات کی وضاحت کر دی۔

فضہ بھابھی نے اس کی بات کا جواب دینا شاید ضروری نہ سمجھا اور خاموشی سے گھونٹ گھونٹ کر کے پانی حلق سے اتارنے لگیں۔

''میں اور اسفند صمد سے ملنے دبئی جا رہے ہیں' بچوں کی بھی چھٹیاں ہونے والی ہیں سوچا اسی بہانے وہ بھی تھوڑا گھوم پھر لیں گے۔''

انہوں نے خالی گلاس زینب کو تھماتے ہوئے اس پر ایک نظر ڈالی۔

''اس لیے سوچا جانے سے پہلے تم سے بھی ملتی جاؤں۔'' ٹانگ پر ٹانگ دھرتے وہ ایک ادا سے بولیں۔

''چلیں یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔'' صرف اتنا کہہ کر وہ کچن میں آ گئی الماری کھول کر دیکھا دو دن قبل لائے گئے سالار کے سامان میں سے کافی کچھ بچا پڑا تھا اس نے اسٹول رکھ کر اوپر والے خانے سے شیشے کی سفید پلیٹیں نکالیں جو مہمانوں کے لیے سنبھال کر رکھی تھیں' ایک پلیٹ میں بسکٹ نکالے اور پھر فریج کھول کر بچا ہوا کیک نکالا' کچھ فروٹ پلیٹ میں رکھ کر وہ ٹرے لیے اندر آ گئی۔

"مریم یہ ٹیبل تائی اماں کے سامنے رکھو۔"
مریم نے اس کے پکارتے ہی قریب رکھی پلاسٹک کی ٹیبل فضہ بھابھی کے قریب کردی جس پر زینب نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ٹرے رکھ دیا آج شاید زندگی میں پہلی بار اس نے فضہ بھابھی کی اتنی خاطرداری کی تھی وہ بھی ان کے معیار کے مطابق۔
وہ ٹرے رکھ کر واپس ہی پلٹی تھی کہ فضہ بھابھی کی پیچھے سے آتی آواز نے اس کے بڑھتے قدم روک دیے۔
"ارے یہ کیک کون لایا ہے؟" عقب سے آتی فضہ بھابھی کی آواز میں حیرت کے ساتھ ساتھ تجسس کا عنصر بھی نمایاں تھا اب اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ انہیں کیا جواب دے۔
"جانتی ہو یہ میرا فیورٹ کیک ہے اور خاصا مہنگا آتا ہے۔"
کیک کا ایک پیس کاٹ کر اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے ہی انہوں نے جتلایا۔ وہ کچھ نہ بولی اور خاموشی سے کچن میں آگئی جلدی جلدی دو کپ چائے کے بنائے اور ٹرے میں لیے واپس اندر برآمدے میں آگئی۔
"میرا خیال ہے میرے آنے سے پہلے تم سے ملنے سالار یا نازیہ دونوں میں سے کوئی ایک آیا تھا۔"
وہ اپنے لہجے میں معنی خیزی بھرتے ہوئے بولیں۔
زینب ان کے اندازے کی سو فیصد درستگی پر حیران ہی رہ گئی۔
"آج تو نہیں البتہ دو دن قبل نازیہ آئی تھی۔"
"ہاں میں یہ سب سامان دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی۔"
انہوں نے کیک کا ایک اور پیس پلیٹ میں نکالا۔
زینب نے خاموشی سے اپنے سامنے رکھا چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگالیا اسے بالکل سمجھ نہیں آیا کہ فضہ بھابھی سالار اور نازیہ کے معاملے میں اتنی ٹوہ کیوں لے رہی ہیں۔
"اچھا اب میں چلتی ہوں تمہیں کچھ دبئی سے منگوانا ہو تو بتادو۔"
کھڑے ہوتے ہوئے انہوں نے رسمی سے انداز میں پوچھا۔
"نہیں بھابھی اللہ کا شکر ہے یہاں سب کچھ مل جاتا ہے۔"
وہ جانتی تھی کہ فضہ بھابھی کا یہ جملہ محض روایتی ہے ورنہ وہ کبھی بھی کسی کے لیے کچھ لانے والوں میں سے ہرگز نہ تھیں۔ "اچھا بھئی جیسے تمہاری مرضی اللہ حافظ"
اس سے گلے مل کر انہوں نے مریم کو پیار کیا اور پھر داخلی دروازے سے باہر نکلی تھیں اور وہ وہیں کھڑی انہیں جاتا دیکھتی رہی "جانے کیوں خدا کبھی کبھی ایسے بندوں کو اتنا نواز دیتا ہے جو اپنے پیسے کے زور پر دوسروں کو نیچا دکھانے سے کبھی نہیں چوکتے۔" یہ سوچتی ہوئی وہ کچن کی جانب آگئی تاکہ رات کے کھانے کی تیاری کرسکے کیونکہ فرہاد آٹھ بجے آتے ہی کھانا کھانے کا عادی تھا اور اس سلسلے میں ذرا سی دیر اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتی جس پر اکثر ہی وہ زینب سے الجھ جاتا بے شک زینب کی اپنی طبیعت خراب ہو یا مریم، جگنو میں سے کسی کی وہ اس معاملے میں کبھی بھی کمپرومائز نہیں کرتا تھا اور اس کی یہ ہی عادت زینب کو سخت ناپسند تھی۔

❁ ❁ ❁

"لگتا ہے آج کل تمہاری دوست تم سے ناراض ہے۔"
فتح محمد نے اپنی مونچھوں پر خضاب لگانے کے بعد ایک بار اچھی طرح سامنے رکھے چھوٹے آئینے میں اپنا جائزہ لیا اور پھر چارپائی پر بیٹھی کپڑے تہہ کرتی سادیہ کو مخاطب کیا۔
"کون سی دوست؟" فوری طور پر وہ فتح محمد کی بات سمجھ نہ سکی۔
"ایک ہی تو دوست ہے تمہاری۔"

اب وہ وہیں صحن میں لگے نلکے کے قریب کھڑا خوب رگڑ رگڑ کر اپنے ہاتھ دھو رہا تھا کہیں کوئی کالا دھبا اس کے ہاتھوں پر نہ لگا رہ جائے۔

"میرا خیال ہے آپ زینب کی بات کر رہے ہیں۔" بالآخر سادیہ اس کی بات کی تہہ تک پہنچ ہی گئی۔

"ہاں وہ ہی کئی دن ہو گئے تم سے ملنے نہیں آئی اور نہ ہی تم خود اس کی طرف گئی ہو۔"

بظاہر فتح محمد کا انداز بالکل سرسری سا تھا۔

"ہاں آج کل وہ کچھ مصروف ہے شاید اس کی کوئی کزن بہت زیادہ بیمار ہے۔ جس کا یہاں کوئی قریبی عزیز نہیں رہتا اسی سبب زینب اس کی تیمارداری کے لیے اکثر اس کے گھر چلی جاتی ہے۔" سادیہ نے مکمل تفصیل بتائی۔

"ویسے آج وہ آپ کو کیسے یاد آ گئی؟"

تہہ کیے ہوئے کپڑے اٹھا کر اندر کی طرف جاتی سادیہ کو جیسے کچھ یاد آ گیا اور اس نے وہیں اپنے کمرے کے داخلی دروازے کے قریب رک کر فتح محمد سے سوال کیا۔

"میں بھلا اسے کیوں یاد کروں گا وہ تو ایک دو دفعہ میں نے اسے کسی بڑی سی گاڑی میں جاتے دیکھا تو سوچا تم سے پوچھوں کیا قصہ ہے۔" وہ اپنے دل کا چور چھپاتے ہوئے بولا۔

"ہاں وہ شاید زینب کا وہ ہی کزن ہو گا جس کی بیوی بیمار ہے۔"

وہ اب سمجھی کہ فتح محمد کے اس قدر کریدنے کے پیچھے کیا راز ہے دراصل زینب کا روز روز اس طرح گاڑی میں بیٹھ کر جانا اسے مشکوک کر رہا تھا سادیہ نے بہتر سمجھا کہ اسے ہر بات واضح کر کے بتا دے دوسری صورت وہ پورے محلے میں زینب کی فرضی کہانیاں سناتا پھرتا وہ کچھ ایسا ہی تھا۔

"فرہاد بھائی کے علاوہ زینب کا سارا خاندان خوب پیسے والا ہے سب ہی کے پاس بڑی بڑی گاڑیاں ہیں اور وہ دونوں میاں بیوی اکثر ان میں ہی بیٹھ کر جاتے ہیں اور یہ بات سارا محلہ جانتا ہے ان کے تو سارے رشتہ دار بھی ایسی بڑی بڑی گاڑیوں میں آتے ہیں پھر بھلا آپ کو کیا تجسس ہوا جو زینب کو کسی گاڑی میں جاتے دیکھا آخر اپنے گھر کے دروازے سے بیٹھ کر گئی تھی تو ضرور فرہاد بھائی کو علم ہو گا کہ کس کے ساتھ گئی ہے پھر بلاوجہ ہمیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔"

وہ مختصر جواب دے کر خاموش ہو گیا کیونکہ سادیہ نے جو کچھ کہا تھا وہ سو فیصد درست تھا اس لیے اب فتح محمد کے پاس اس کی کوئی بھی بات جھٹلانے کی گنجائش باقی نہ رہی تھی جانتا تھا کہ زینب کے امیر خاندان کا رعب پورے محلے پر ہی تھا سب کو پتا تھا کہ فرہاد کے بہن بھائی خوب پیسے والے لوگ ہیں یہ ہی سبب تھا جو اس کے گھر آنے والی کوئی گاڑی یا کسی بھی آتے جاتے شخص کو دیکھ کر کوئی بھی محلے دار کسی بھی قسم کی غلط بات کرنے کا سوچتا بھی نہیں تھا پورا محلہ فرہاد سے متاثر رہا کرتا اس کا شمار محلے کی باعزت شخصیت میں ہوتا تھا۔



"کیا آپ کو ہم سے یہ بات کرنے سے پہلے ایک دفعہ سوچنا تو چاہیے تھا۔"

فرزانہ مامی نے برا سا منہ بنا کر مما کی جانب دیکھا۔

"چلو اور کوئی نہ سہی پر ہم تو جانتے ہیں کہ ایشال ایک نکاح شدہ مرد ہے اور آج نہیں تو کل خیر سے ماشاء اللہ شادی شدہ بھی ہو جائے گا پھر ایسے میں آپ کس طرح اس گھر میں ایشال کا رشتہ لیے چلی آئی ہیں مجھے تو یہ ہی اب تک سمجھ نہیں آیا کہ آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ ہم سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنی اکلوتی بیٹی کا ہاتھ آپ کے

بیٹے کے ہاتھ میں دے دیں گے اور معاف کیجیے گا آپا اگر وہ اکلوتی نہ بھی ہوتی تو بھی کون اس طرح اپنی بچی کا رشتہ آپ کو دے گا۔ہماری جگہ اگر آپ ہوتیں تو کیا اس طرح اپنی بیٹی کی شادی کے لیے ہاں کر دیتیں۔"

وہ انہیں ایک کے ایک بعد آئینہ دکھاتے ہوئے بولتی چلی گئیں جبکہ ان کے عین سامنے والے صوفے پر ماموں بالکل خاموش بیٹھے تھے اس طرح جیسے مما بولتیں اور اس کے پاپا خاموش ہوتے شاید ہر مرد بیوی کے سامنے یوں ہی خاموش ہو جاتا ہے۔بہر حال جو بھی تھا مامی کے الفاظ ماموں کی مرضی کے مطابق ادا ہو رہے تھے جس کا اندازہ ان کا چہرہ دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

ایشال نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر ایک نظر مما پر ڈالی جو اسے ہی دیکھ رہی تھیں وہ شرمندہ سا ہو گیا اس کی ماں نے پہلے بھی اسے سمجھایا تھا کہ جب تک اپنے پاپا سے بات کر کے مسئلہ حل نہیں کر لیتے اس طرح اریشہ کے گھر نہیں جانا چاہیے مگر وہ نہیں مانا۔

اسے ڈر تھا کہیں پاپا سے بات کرنے کے چکر میں زیادہ دیر نہ ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ ماموں شاہ زیب کے لیے ہاں کر دیں اسی خوف کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ رات سونے سے قبل ہی انہیں یہاں اپنے ساتھ لے آیا تھا اور اب ایسے تھا جیسے اس کی ماں کے پاس کسی بات کا کوئی جواب ہی نہ ہو اسے محسوس ہوا جیسے وہ جنگ جو ابھی شروع ہی نہیں ہوئی تھی اسے شکست سے ہم کنار کر کے ، جلد ہی ختم ہونے والی ہے اور خاص طور پر اس وقت اگر آج وہ اپنے دفاع کی کوشش میں کچھ نہیں بولا تو مانو کچھ باقی نہیں بچے گا یہ ہی سوچ کر اس نے ہمت کی اور مما کی جگہ خود مامی کی ساری باتوں کا جواب دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے بولا۔

"پلیز مامی جان آپ تو اس طرح بات نہ کریں آپ تو ہر ایک بات سے خوب اچھی طرح واقف ہیں جانتی ہیں وہ نکاح میرے ماضی کی ایک تلخ یاد کے سوا کچھ نہیں میرے نزدیک وہ بالکل بے حیثیت ہے میں اسے نہیں مانتا وہ اس وقت کی بات ہے جب میں نکاح کی اصل حقیقت سے بھی ناواقف تھا ورنہ شاید آج صورت حال خاصی تبدیل ہوتی، بہر حال، جو ہونا تھا وہ ہو چکا آج یہاں مما میری مرضی سے میرا رشتہ لے کر آئی ہیں اور یہ حق مجھے میرے مذہب نے دیا ہے کہ میں جسے چاہوں اسے اپنی زندگی کے لیے منتخب کروں چونکہ میں خود اریشہ کو پسند کرتا ہوں اس لیے اس کو اپنی شریک حیات کے طور پر اپنانا چاہتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اس میں آپ میں سے کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

اس نے گلا کھنکھارتے ہوئے مامی کو جواب دینے کے ساتھ ساتھ ماموں پر بھی ایک نظر ڈالی جو اس ماحول سے یکسر بے نیاز بنے بیٹھے تھے۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا مجھے تمہاری کسی بات سے کوئی اختلاف نہیں ہے مگر صرف اتنا سوچو کہ جب تک تم ایک رشتے کی ڈور سے بندھے ہو دوسرا کس طرح استوار کرو گے یہ کوئی معمولی سی بات نہیں ہے جو میں تمہیں سمجھانا چاہ رہی ہوں۔"

اس دفعہ مامی کی کہی ہوئی بات خاصی معقول تھی۔

"میں بہت پہلے ہی اس ڈور کو کاٹنے کا فیصلہ کر چکا ہوں اور یہ بات مما بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔"

وہ مضبوط لہجے میں اپنی ماں کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔

"اور یہ بات تو میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ ایشال اس لڑکی کو جلد ہی طلاق دینے کا فیصلہ کر چکا ہے پھر بھی تم نے بنا سوچے سمجھے اتنا سب کچھ کہہ ڈالا۔"

ایشال کی باتوں نے مما کا حوصلہ بھی بڑھایا اور وہ ساتھ دینے کے لیے اس کے مد مقابل آن کھڑی ہوئیں۔

"تمہاری سب باتیں ٹھیک ہیں مگر سچ یہ ہے کہ بھائی صاحب کئی بار باتوں ہی باتوں میں مجھے یہ بتلا چکے ہیں کہ وہ

جلد ہی اپنی بھتیجی کو بہو بنا کر اس گھر میں لانے والے ہیں ابھی انہوں نے چند روز قبل ہی مجھے یہ بھی بتایا کہ ایشال کے واپس آتے ہی اس کی رخصتی کی تقریب منعقد کرنی ہے پھر بھلا بتاؤ ان تمام حالات میں جو کچھ تمہاری بھابھی نے کہا کیا وہ غلط تھا؟"

ماموں نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا جن کی باتیں سن کر ایشال کو اندازہ ہوا کہ جس رشتہ کو وہ دھاگے کی ایک معمولی ڈور سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا' اس کے پاپا اسے دن دگنی مضبوطی کی گرہیں لگا رہے ہیں غصے سے اس کا دماغ سن سا ہو گیا۔

"ماموں میں نے ابھی ابھی یہ بات واضح کی کہ شادی مجھے کرنی ہے' پاپا کو نہیں اور میں ماشاءاللہ بالغ اور باشعور ہوں اور اپنے فیصلہ خود کر سکتا ہوں' اس لیے آپ سب بے کار باتیں چھوڑیں اور مجھے صرف یہ بتائیں کہ اگر میں پاپا کے ساتھ اس گھر میں آپ سے اریشہ کا ہاتھ مانگنے آؤں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔"

"ٹھیک ہے' اگر تم ایسا کر سکو تو یقین جانو مجھے تم سے بڑھ کر کوئی اور نہیں۔"

جاوید ماموں نے خلوص دل سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

"تو بس پھر ٹھیک ہے آپ شاہ زیب کو اریشہ کے رشتے سے انکار کر دیں۔"

"فی الحال ہم اسے انکار نہیں کریں گے' بلکہ کچھ ٹائم دے دیں گے' تاکہ اس وقت تک تم اپنے پاپا سے بات کر کے سب کچھ فائنل کر لو۔" مامی نے حتمی انداز میں کہتے ہوئے بات ختم کر دی' اب کوئی گنجائش باقی نہ بچی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اس کے ساتھ ہی مما بھی اٹھ گئیں۔

"ارے بیٹا بیٹھو تو سہی' اتنی بھی کیا جلدی ہے' آرام سے کھانا کھا کر جانا' اریشہ تیار کروا رہی ہے۔" اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر مامی جلدی سے بولیں۔

"نہیں آج تو نہیں' البتہ اب جب دوبارہ آیا پاپا کے ساتھ تو پھر ضرور کھا کر ہی جاؤں گا" آئیں مما چلیں۔"

مامی کو جواب دینے کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی مما کو بھی پکارا' جو ماموں کے قریب کھڑی جانے آہستہ آہستہ کیا باتیں کر رہی تھیں۔ ایشال کے پکارتے ہی اپنی بات ختم کر کے وہ اس کے پیچھے ہی باہر نکل آئیں۔



زندگی ہے یا کوئی طوفان
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ہم کہہ نہیں سکتے کہ زندگی کے بارے میں میر درد کا یہ فلسفہ کس حد تک درست ہے' کیونکہ زندگی سب کی نظروں میں الگ الگ اہمیت رکھتی ہے۔ کہیں خوشی' کہیں غم' کہیں دھوپ' کہیں چھاؤں' موسم کے ہر بدلتے رنگ کا نام ہے زندگی' صحیح یا غلط۔"

سر اعظم ہمدانی اتنا کہہ کر رک گئے۔ اپنے چشمہ کی اوٹ سے انہوں نے پوری کلاس پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔

"یہ تو زندگی کے بارے میں میرا ایک چھوٹا سا نظریہ تھا۔ آپ سب کے نزدیک زندگی کیا ہے۔"

انہوں نے پوری کلاس پر ایک بار پھر نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

اسے سر اعظم ہمدانی کا اردو پڑھانے کا انداز خاصا پسند تھا۔ وہ اپنے لیکچر میں ساری کلاس کو ساتھ لے کر چلتے اس وقت بھی پوری کلاس کو نہایت دلچسپی سے سر کی باتیں سنتے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا کچھ ایسا مشکل نہ تھا کہ تمام طلبہ ان کی کلاس میں مکمل دلچسپی کے ساتھ شریک ہیں۔

اگر آپ خوش ہیں تو زندگی بہار

اور اگر دکھی ہیں تو پھر اک عذاب

جانے یہ کس کی آواز تھی 'ابھی وہ پوری کلاس سے صحیح طرح واقف نہیں ہوئی تھی 'مگر جو کوئی بھی تھا اس کا پیش کردہ تجزیہ سراعظم ہمدانی کی طرح بالکل مکمل تھا۔

''میرا خیال ہے کہ سر زندگی اک ایسا خواب ہے 'جس کے کبھی ختم نہ ہونے کی امید میں ہم پوری زندگی اپنی آنکھیں بند کرکے گزار دیتے ہیں۔'' اس کے برابر بیٹھی **حفصہ** نے کھڑے ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''اور میرا خیال ہے کہ سر مس **حفصہ** کے برابر بھی ایک مکمل زندگی بیٹھی ہے۔''

ایک زوردار آواز اسے پیچھے سے سنائی دی 'جس کے ساتھ ہی پوری کلاس ہنس دی۔

''بدتمیزی کوئی نہیں کرے گا۔'' سر نے مسکراکر اسے دیکھتے ہوئے پوری کلاس کو تنبیہہ کی۔

''جی سر ایک ایسی زندگی 'جس کے بعد موت لازمی امر ہے۔''

وہ اسے دیکھے بنا تیز آواز میں بولی اور اس سے بیشتر کہ وہ مزید کچھ کہتی **حفصہ** نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''کیوں ہر بات پر اتنی جلدی خفا ہو جاتی ہو' وہ غریب تو صرف مذاق کر رہا تھا۔'' کلاس ختم ہوتے ہی **حفصہ** نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''مجھے اس طرح کے فضول مذاق بالکل پسند نہیں ہیں۔''

اپنا بیگ کندھے پر ڈالے 'نہایت سنجیدگی سے **حفصہ** کو جواب دیتی وہ کلاس سے باہر نکل آئی۔ ''مگر یہ بات صرف میں جانتی ہوں کہ تمہیں مذاق پسند نہیں 'تو پھر کیا ضرورت ہے 'دو گھنٹے کی کلاس موڈ آف کرکے گزاری جائے اور تم تو خوامخواہ ہی برا مان گئیں 'ہو سکتا ہے اس نے یہ جملہ تمہارے لیے کہا ہی نہ ہو۔'' **حفصہ** نے ہنستے ہوئے اس کا موڈ درست کرنے کی کوشش کی۔

''اچھا تو پھر کس کے لیے کہا ہوگا۔''

''شاید میرے دائیں ہاتھ پر بیٹھے توقیر احمد کے لیے۔'' جواب کے ساتھ ہی وہ زور سے ہنس دی۔

''اچھا چلو اب بات ختم کرکے اپنا موڈ درست کرو اور جلدی سے کینٹین آجاؤ میڈم رخشندہ کا پیریڈ شروع ہونے میں صرف پندرہ منٹ رہ گئے ہیں اور تم اچھی طرح جانتی ہو وہ خبطی عورت لیٹ ہونے کی صورت میں غیر حاضری لگا دیتی ہیں۔''

اس کے جواب کا انتظار کیے بنا اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹتی وہ کینٹین کی جانب آگئی 'جبکہ وہ بھی بنا کوئی جرح کیے چپ چاپ اس کے ساتھ ہولی۔



''کیوں مارا ہے تم نے اسے۔'' وہ مریم کے بازو کو سختی سے اپنی گرفت میں لیتے ہوئے نہایت غصے سے بولی۔

''میں نے تو صرف اس کے گال پر پیار کیا تھا اور یہ رونے لگی۔''

ماں کو اس قدر غصے میں دیکھ کر وہ تھوڑا سا گھبرا گئی۔ مارے خوف کے اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ زینب نے اسے گھورتے ہوئے اس کا بازو چھوڑ دیا اور نیچے فرش پر بیٹھی روتی ہوئی جگنو کو جھک کر اپنی گود میں اٹھا لیا۔

جانے کیوں آج صبح سے ہی اس کے سر میں درد تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اس نے اپنے اس درد کا ذکر صبح ناشتے کے وقت فرہاد کے سامنے بھی کیا تھا 'جو بنا کوئی توجہ دیے جلدی جلدی اپنا ناشتا ختم کرکے دکان پر چلا گیا۔ اسی باعث اب وہ بہت زیادہ چڑچڑی سی ہو رہی تھی۔ اور سے ٹیوشن کے لیے آئے

بچوں نے بھی اسے خوب تھکا ڈالا تھا۔ دل تو چاہا سب کو چھٹی دے دے 'مگر کیا کرتی تقریباً" سب کے امتحان شروع ہونے والے تھے۔ اسی لیے انہیں یاد کرنے کا کام دے کر وہ کچن کی جانب آ گئی۔ تاکہ ایک کپ چائے بنا کر پی سکے۔ ہو سکتا ہے اس سے بھی درد کچھ کم ہو جائے۔ ابھی اس نے پتیلی میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھا ہی تھا کہ مریم دوڑی دوڑی کچن میں آ گئی۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"اماں باہر سالار انکل آئے ہیں۔"

"سالار انکل اس وقت....."

اس نے حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان ہوتے ہوئے اپنے حلیے پر ایک نظر ڈالی۔ شلوار الگ رنگ کی اور قمیص کسی اور رنگ کی 'وہ یک دم ہی شرمندہ سی ہو گئی۔

"اماں کیا کروں انہیں اندر بلاؤں یا نہیں۔"

اس کی طویل خاموشی سے تنگ آ کر منتظر کھڑی مریم نے خود سے ہی پوچھ لیا۔

"آں.... ہاں.... تم انہیں اندر برآمدے میں بٹھاؤ 'میں اتنی دیر میں کپڑے تبدیل کر کے آتی ہوں۔"

وہ جلدی جلدی مریم کو ہدایت دیتے ہوئے 'بسورتی جگنو کو کندھے سے لگائے اندر کمرے میں آ گئی۔ الماری کھول کر سامنے ہی رکھا سوٹ نکالا اور باتھ روم میں گھس گئی۔ جتنی دیر میں اس نے کپڑے تبدیل کیے جگنو باہر بیٹھی رو' رو کر ہلکان ہوتی رہی 'جانے کیوں وہ جیسے جیسے بڑی ہو رہی تھی چاہتی تھی' ہر دم زینب اس کی نگاہوں کے سامنے رہے۔ ذرا سا جو زینب یہاں وہاں ہوتی وہ رو' رو کر پورا گھر سر پر اٹھا لیا کرتی۔ زینب کے لیے اس صورت حال میں گھر کا کام کرنا بھی خاصا مشکل ہو چکا تھا۔ باہر نکل کر اس نے جگنو کو گود میں لیا اور باہر برآمدے میں آئی جہاں سامنے ہی سالار بیٹھا تھا۔

"السلام علیکم!" اسے دیکھتے ہی سالار نے خوشدلی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" زینب نے سلام کا جواب دیتے ہوئے سامنے رکھی پلاسٹک کی ٹیبل پر ایک نظر ڈالی۔ جہاں بہت سارا سامان رکھا تھا جو یقیناً" سالار ہی لایا تھا۔

"آج آپ کیسے رستہ بھول گئے۔" اب کے اس نے ہنستے ہوئے گلہ کیا۔

"میں تو یہ رستہ روز بھولنے کو تیار ہوں۔ بس ذرا دنیا والوں سے ڈر جاتا ہوں' خاص طور پر وہ دنیا جس میں آپ کی فضہ بھابھی بھی شامل ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے اس کے انداز میں اپنے دل کی ہر بات کہہ گیا۔

"اور سناؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

زینب کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"پتا نہیں صبح سے سر میں نہایت ہی شدید قسم کا درد ہو رہا ہے۔ اوپر سے جگنو کو جانے کیا ہوا ہے' بلاوجہ تنگ کیے جا رہی ہے۔" بات کرتے کرتے وہ تھوڑی سی روہانسی ہو گئی۔

"اپنی طبیعت کی خرابی میں بھی تم ان بچوں کو پڑھا رہی ہو۔"

وہ برآمدے میں بیٹھے چھوٹے چھوٹے بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حیرت سے بولا۔

"کیا کروں ان سب کے ایگزامز قریب ہیں' ایسے میں چھٹی بھی نہیں دے سکتی۔" تھکن کا عنصر اس کی آواز میں نمایاں تھا۔

"لعنت بھیجو یار.... کیوں یہ سب جھنجٹ اپنے گلے میں ڈالا ہے۔ فارغ کرو سب کو' اپنی حالت دیکھو کس قدر خراب ہو رہی ہے۔ بلاوجہ چند سو روپوں کے لیے اپنی جان عذاب میں ڈالی ہوئی ہے۔"

سالار ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ چند سو روپے جو ٹیوشن کے نام پر اس کے پاس آتے تھے۔ ابھی تک وہ انہیں کسی

خاص مصرف میں بھی نہ لاسکی تھی۔ وہ پیسے گھر میں ہی کہیں خرچ ہو جاتے۔ اسے پتا بھی نہ چلتا' سوائے اس کے کہ اگر کبھی بازار سے اپنے لیے کوئی اچھی چیز منگوا کر کھالی ہو اتنے مہینوں میں وہ ان پیسوں سے صرف ایک سوٹ ہی بنا سکی تھی۔ الٹا جب سے وہ ٹیوشن پڑھا رہی تھی فرہاد جو دو جوڑے لاتا تھا' ابھی تک وہ بھی نہ لایا تھا۔ ابھی پچھلے ہفتہ ہی اس نے جب سردیوں کے لیے ایک شال کی فرمائش کی تو فوراً ہی فرہاد نے حیرت سے پلٹ کر سوال کیا تھا۔

"تمہارے ٹیوشن کے پیسے کہاں جاتے ہیں' میں تو تم سے ایک روپیہ نہیں لیتا۔"

"کیا مطلب۔" وہ حیران ہوئی۔

"مطلب یہ کہ جب عورت خود کفیل ہو تو اسے کم از کم اپنے کپڑے تو خود بنا لینے چاہئیں۔"

فرہاد کے جواب نے اسے سلگا دیا۔ آگ اس کے سر سے لے کر تلوؤں تک جا پہنچی اور اب سالار کی بات سنتے ہی اس نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کیا۔

"بس ان کے ایگزامز ختم ہو جائیں' پھر نہیں پڑھاؤں گی۔" فوری طور پر اپنا فیصلہ اس نے سالار کو بھی سنا دیا۔

"گڈ... تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے اور اگر اب درد زیادہ ہے تو آجاؤ ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" وہ فکرمندی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں ابھی فرہاد آجائے تو اس کے ساتھ جاؤں گی۔" وہ اپنی شرمندگی اور خفت جھوٹ میں چھپاتے ہوئے بولی۔

"چلو جیسے تمہاری مرضی۔" اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے آپ بیٹھیے تو سہی' میں چائے بناتی ہوں۔" اپنی باتوں میں اسے یاد ہی نہ رہا کہ سالار سے چائے یا پانی پوچھتی اسے اٹھتا دیکھ کر وہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔

"اس وقت تمہاری طبیعت خراب ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم آرام کرو میں چائے پینے پھر کسی وقت آجاؤں گا۔"

"اور ہاں..." وہ باہر نکلتے نکلتے رک گیا۔

"یہ نازیہ نے تمہارے لیے کچھ سامان بھیجا ہے۔"

"اچھا... مگر یہ ہے کیا؟" ڈھیروں ڈھیر سامان دیکھ کر وہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"پتا نہیں' میں نے نہیں دیکھا اور نہ ہی پوچھا' مجھے تو جیسے اس نے دیا' میں نے تمہیں پہنچا دیا اور اب تم خود دیکھ لو کہ اس میں کیا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے' مگر اس سب کی ضرورت کیا تھی۔"

"یہ بھی تم اس سے پوچھنا فی الحال میں چلتا ہوں' اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" وہ دھیرے سے کہتی اس کے پیچھے ہی باہر آگئی۔ جب وہ داخلی گیٹ سے باہر جاتے جاتے رک گیا اور زینب کے چہرے پر ایک بھرپور نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"اپنا خیال رکھا کرو' آج تمہارے چہرے پر چھائی تھکن مجھے بالکل اچھی نہیں لگی۔"

اتنا کہہ کر وہ پھر نہیں رکا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا گیٹ سے باہر نکل گیا۔ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی رہ گئی۔ وہ سب کچھ جو وہ ہمیشہ فرہاد سے سننا چاہتی تھی۔ آج سالار کہہ گیا زینب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے پلٹ کر برآمدے میں لگے چھوٹے سے آئینے میں اپنا جائزہ لیا تو محسوس ہوا سالار نے جو کہا تھا وہ سو فیصد درست ہے۔ ایک دم ہی اپنا چہرہ تھکن زدہ محسوس ہونے لگا۔ ایسا لگا جیسے چہرے کی ساری شادابی دھیرے دھیرے ختم ہو رہی ہو۔ وہ خوف زدہ سی ہو گئی۔

"کیا ضرورت تھی مجھے بلاوجہ یہ ٹیوشن کا کھٹ راگ پالنے کی فضول کی دردسری بس اب اگلے ماہ سے یہ سب ختم۔"
حتمی طور پر فیصلہ کرتی وہ کچن میں آ گئی' تاکہ اپنے لیے چائے بنا سکے جب اچانک اسے باہر سے فرہاد کی آواز سنائی دی۔
"ماں کہاں ہے تمہاری۔" یقیناً "اس کا یہ سوال مریم سے تھا۔ اگلے ہی پل وہ کچن کے دروازے پر آن کھڑا ہوا۔
"مجھے بھی ایک کپ چائے بنا دو۔"
"اچھا۔۔۔" آہستہ سے کہہ کر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔
"آج تم نے گھر کی صفائی نہیں کی' دیکھو سارا صحن گندا پڑا ہے۔"
وہ صفائی کے معاملے میں بھی خاصی مین میخ نکالنے کا عادی تھا۔
"میں نے صبح بتایا تھا ناکہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"
"ہاں تو ایک سر میں درد ہی تھا۔ ڈسپرین کھالیتیں۔ ٹھیک ہو جاتا ہے' اب اس کا یہ مطلب تو نہ ہوا کہ سارا گھر ہی گندا پڑا رہے۔ اوپر سے بچوں کو دیکھو کتنے گندے حلیے میں ہیں۔ خود کو دیکھو لگ رہا ہے کئی دنوں سے منہ ہی نہیں دھویا۔"
وہ جب بولتا اسی طرح بے تکان ہی بولتا۔
زینب کا بالکل دل نہ چاہا کہ وہ اس کی کسی بھی بات کا جواب دے۔ اس نے خاموشی سے چائے میں دودھ ڈالا۔ فرہاد کی چائے کپ میں نکالی اور ٹرے میں رکھ کر برآمدے میں آ گئی' جبکہ وہ کپڑا ہاتھ میں لے کر برآمدے کے دروازے کی جالی جھاڑنے لگا۔
"لاؤ مجھے دو' میں صاف کر دیتی ہوں۔"
نہ چاہتے ہوئے بھی زینب نے اس کے ہاتھ سے کپڑا پکڑنے کی کوشش کی۔
"رہنے دو' اگر تمہیں صاف کرنا ہوتا تو یہ اتنی گندی ہی کیوں ہوتی' سمجھ نہیں آتا سارا دن کیا کرتی ہو' ایک یاسمین آپا کا گھر ہے' کبھی دیکھو جا کر کس قدر صاف ستھرا ہوتا ہے' کہیں فرش پر ایک ذرہ نظر نہیں آتا اور ایک ہمارا گھر ہے' گھر کے اندر داخل ہوتے ہی طبیعت خراب ہونے لگتی ہے' ہر طرف مٹی ہی مٹی دکھائی دیتی ہے۔"
صرف ایک دن طبیعت کی خرابی کے باعث اسے اس قدر باتیں سننی پڑیں' اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ سر درد پھر سے بڑھ گیا۔ اپنی چائے وہیں کچن میں چھوڑ کر وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ کیونکہ وہ فرہاد کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔ جانتی تھی کچھ دیر بعد جب باہر نکلے گی وہ بالکل ایسے نارمل ہو گا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو' کتنا فرق تھا فرہاد اور سالار کے رویے میں' باتھ روم میں خود پر پانی ڈالتے وہ مسلسل یہ ہی ایک بات سوچتی رہی' بنا کسی کوشش کے اس نے کئی بار فرہاد کا موازنہ سالار سے کیا اور آج پھر اسے مقابلے میں سالار ہی بلندیوں پر دکھائی دیا۔



"پتا ہے کیا مجھے کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے۔۔۔" کرن نے بات ادھوری چھوڑ کر اپنے سامنے بیٹھی حبیبہ پر ایک نظر ڈالی۔
"جیسے کیا۔۔۔" حبیبہ نے ادریوشیک میں اسٹرا چلاتے ہوئے پوچھا۔
"جیسے یہ کہ۔۔۔" وہ اپنی بات کہتے کہتے ایک بار پھر سے رک گئی۔

بھیلا رہی ہو۔"

"کیا مصیبت ہے کرن، تمہیں جو کہنا ہے کہہ دو کیوں اتنا سسپنس پھیلا رہی ہو۔"

اس نے شیک کا ایک سپ لیتے ہوئے کرن کو پیار سے لتاڑا۔

"تمہیں کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا کہ سر شاہ زین تمہیں پسند کرنے لگے ہیں۔" آہستہ آہستہ وہ اپنی بات مکمل کرتی گئی۔ جسے سنتے ہی حبیبہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس نے اپنے ہونٹوں میں دبا اسٹرا باہر نکال کر کرن کو گھورنا شروع کر دیا۔

"کیا ہو گیا؟ اتنے غصے میں کیوں دیکھ رہی ہو۔" کرن اسے دیکھتے ہوئے ہنسی۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا، جو منہ میں آتا ہے بولے چلی جاتی ہو، بنا سوچے سمجھے کیا کہنا ہے اور کیا نہیں تمہیں کچھ پتا نہیں چلتا۔"

کرن کی بات سن کر اسے حقیقی معنوں میں شاک سا لگا۔

"سوری حبیبہ تمہیں اگر میری کوئی بات بری لگی ہو، مجھے تو جو محسوس ہوا میں نے تمہیں بتا دیا۔ اگر تم خود بھی شاہ زین کے رویے پر غور کرو گی تو تمہیں خود محسوس ہو گا جو میں نے کہا وہ کچھ ایسا بھی غلط نہیں ہے۔"

"بہر حال تمہارا تجزیہ نہایت ہی فضول ہے اور میرا خیال ہے تمہیں اس سلسلے میں کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

وہ دوبارہ سے اپنے شیک کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔"

کرن بات ختم کر کے اپنے سامنے رکھے زنگر میں مصروف ہو گئی، جب اچانک ٹیبل پر رکھا حبیبہ کا فون بج اٹھا اس نے اپنا سیل اٹھا کر دیکھا۔

"سوری میرے چچا کا فون ہے، میں ذرا بات کر کے آتی ہوں۔"

وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور سیل کان سے لگائے ذرا سا آگے بڑھ گئی۔ کرن نے اسے پشت کی جانب سے دیکھا اور ایک بار پھر سے اپنے لنچ میں مصروف ہو گئی۔



"تم نے ابھی تک انکل سے بات نہیں کی؟" وہ سوال جس سے وہ کئی دنوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار پھر سے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"نہیں یار.... آج کل وہ اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ ٹائم ہی نہیں مل رہا، میں سوچ رہا تھا کہ وہ خود مجھ سے شادی کے حوالے سے کوئی بات کریں۔ مگر....."

"تم کبھی بھی ان سے بات نہیں کر سکتے۔"

اریشہ نے اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی۔

"میرا خیال ہے کہ میں ہی کوئی بہت بڑی بے وقوف ہوں جو تمہارے پیچھے بلاوجہ ہی اپنا وقت ضائع کر رہی ہوں۔"

وہ کھانا درمیان میں ہی چھوڑ کر غصے سے اپنی کرسی پیچھے کھسکاتی اٹھ کھڑی ہوئی "بہتر یہ ہے کہ میں بھی اب بنا سوچے سمجھے شاہ زیب کے رشتے کے لیے ہاں کر دوں اور تم بھی اسی سے شادی کر لو، جسے آج سے کئی سال قبل آپ نے اپنی منکوحہ ہونے کا اعزاز بخشا تھا۔"

ٹیبل پر رکھا اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر وہ تیزی سے باہر کی جانب چل دی.... اس کے غصے سے خائف ایشال کو

جیسے اچانک ہی ہوش آگیا اور وہ اس کے پیچھے لپکا۔

"ایک منٹ یار میری بات تو سنو کیوں اتنا ناراض ہو رہی ہو۔"

اس کے قریب جا کر اس نے اریشہ کا بازو تھام کر اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بازو چھوڑو میرا' مجھے گھر جانا ہے' پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔"

وہ بدستور اپنے روٹھے انداز میں منہ بناتے ہوئے بولی۔

"میں سوچ رہا تھا کہ پاپا مجھ سے خود شادی کی بات کریں تو میں انہیں صاف انکار کر دوں..... مگر جانے کیوں' جب سے میں واپس آیا ہوں انہوں نے کبھی اس موضوع پر بات ہی نہیں کی' جبکہ میرے واپس آنے سے قبل تو انہیں اپنی بھتیجی کی رخصتی کی بہت فکر تھی۔ اب سمجھ نہیں آرہا ہے کہ وہ کیوں خاموش ہیں اور میں کس طرح بات شروع کروں۔ بس اسی ادھیڑبن میں ہوں اور تم ہو کہ بلاوجہ ہی ناراض ہو رہی ہو۔"

اریشہ کے ساتھ چلتا وہ ڈائننگ ہال سے باہر نکل آیا۔

"جو بھی ہے ایشال اب میرے پاس تمہارے ان تمام ایکسکیوز کو سننے کا وقت نہیں رہا۔ اب مجھے صرف فیصلہ کرنا ہے کہ تم یا شاہ زیب تو بہتر ہو گا کہ تمہیں جو بھی کچھ کرنا ہے دو دن میں کر لو۔"

"دو دن میں....." وہ اس کی بات سمجھ نہ پایا۔

"ہاں آج جمعہ ہے' تم پیر تک انکل سے بات کر کے اگر انہیں میرے گھر لانے میں کامیاب ہو گئے تو ٹھیک' ورنہ اس کے بعد یہ سمجھنا کہ ہمارے درمیان کبھی کچھ تھا ہی نہیں کیونکہ پیر کی رات تمہارے نہ آنے کی صورت میں' میں ماما کو شاہ زیب کے رشتے کے لیے ہاں کر دوں گی۔" وہ اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سناتے ہوئے بولی۔

"صرف دو دن..... مگر اریشہ....."

"اگر..... مگر کچھ نہیں' میں تمہارے پیچھے اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتی۔" وہ اپنے فیصلے پر برقرار تھی۔

"ٹھیک ہے۔" ایشال نے ہار مان لی اور خاموشی سے اریشہ کے ساتھ چلتا باہر گیٹ کی جانب آگیا' جہاں ڈرائیور اس کی گاڑی لیے کھڑا ان دونوں کا منتظر تھا۔

"شاہ زین"

"جی مما"

اس نے لفٹ کا بٹن پریس کرتے ہوئے پلٹ کر اپنی ماں کی جانب دیکھا جو اسے پکارنے کے بعد جانے کس سوچ میں غرق ہو چکی تھیں۔

"مما"

ان کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ پھر سے بول اٹھا۔

"آں۔۔۔ہاں۔"

وہ اپنے خیالوں سے بری طرح چونکیں۔

"آپ شاید مجھ سے کچھ کہہ رہی تھیں۔"

بات کرتے کرتے وہ دونوں لفٹ میں داخل ہو چکے تھے' مما اپنے کسی کام سے آفس آئی تھیں جب واپسی میں شاہ زین بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔

"وہ لڑکی جو ہمارے آفس میں کام کرتی ہے کیا نام ہے اس کا۔"

وہ کچھ سوچتے ہوئے دھیرے سے بولیں۔

"حبیبہ۔"

وہ سمجھ چکا تھا مما کس کی بات کر رہی ہیں کیونکہ ابھی آفس سے باہر آتے ہوئے اس نے مما کو حبیبہ کے کیبن کے دروازے کے پاس رک کر ایک ہلکی سی ترچھی نظر اندر ڈالتے دیکھ لیا تھا ہمیشہ کی طرح اسے ابھی بھی ایسا ہی محسوس ہوا جیسے مما اس سے کچھ خائف سی رہتی ہیں اس کی کیا وجہ تھی بہت سوچنے پر بھی وہ کبھی نہ جان پایا۔

"پورا نام۔"

وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولیں' شاہ زین کا اندازہ سو فیصد درست تھا وہ حبیبہ کی بات کر رہی تھیں۔

"مطلب؟"

وہ ان کی بات قطعی طور پر سمجھ نہیں پایا۔

"مطلب اس کا سر نیم وغیرہ کیا ہے؟"

"اوہ آئی تھنک حبیبہ خان۔"

وہ ان کے اس قدر تفتیشی انداز سے کچھ حیران سا ہوتے ہوئے بولا۔

"حبیبہ خان۔"

انہوں نے یہ نام زیر لب دہرایا اور ایک گہری سانس خارج کی' لفٹ رک چکی تھی وہ دونوں باہر نکل کر پارکنگ کی جانب آ گئے جہاں ان کا باوردی ڈرائیور گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا ان کا منتظر تھا۔

"دین محمد تم گاڑی لے جاؤ میں شاہ زین کے ساتھ گھر جا رہی ہوں۔"

ڈرائیور کو آہستہ آواز میں حکم دیتے ہوئے وہ شاہ زین کے ساتھ آگے بڑھ گئیں شاہ زین نے فرنٹ ڈور کھول دیا وہ خاموشی سے اندر جا بیٹھیں۔

"تم اس کے والد کا نام جانتے ہو کیا ہے؟"

شاہ زین کے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہی وہ ایک بار پھر سے اپنے پسندیدہ موضوع پر آ گئیں۔

"نہیں مما میں نے کبھی پوچھا نہیں' مگر آپ یہ سب کچھ کیوں جاننا چاہتی ہیں؟"

دل میں بار بار آنے والا یہ سوال بالآخر اس کی زبان پر بھی آ ہی گیا۔

"جانے کیوں اسی کی شکل دیکھ کر میں ہمیشہ کئی سال پیچھے اپنے ماضی میں چلی جاتی ہوں۔"

وہ اتنا آہستہ بولیں کہ شاہ زین بڑی مشکل سے سن پایا۔

"کبھی کبھی مجھے ایسا بھی لگتا ہے کہ میں اسے پہلے سے ہی جانتی ہوں حالانکہ یہ ناممکن ہے اور یقیناً" مجھے کوئی بڑی غلط فہمی ہو رہی ہے کیونکہ اگر میرا لگایا ہوا اندازہ ایک فیصد بھی درست ہوتا تو اس کے نام کے آخر میں خان نہیں ہونا چاہیے تھا میرا خیال ہے کہ یہ وہ نہیں ہے۔"

وہ بات کرتے کرتے رک گئیں۔

"آپ کس کی بات کر رہی ہیں مما۔"

ان کے خاموش ہوتے ہی زین جلدی سے بول اٹھا وہ اپنی ماں کے تسلسل کو مسلسل برقرار رکھنا چاہتا تھا اسے لگتا تھا' جیسے ان کے دل میں کوئی ایسی خاص بات ضرور ہے جو وہ چاہتے ہوئے بھی شاہ زین سے شیئر نہیں کر پا رہیں۔

"مما آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔"

انہیں اپنے ہی خیالوں میں گم دیکھ کر وہ پھر سے ٹوک بیٹھا۔

"کچھ نہیں تم گاڑی دھیان سے چلاؤ' سامنے دیکھو کتنا بڑا ڈمپر آ رہا ہے۔"

شاہ زین سمجھ گیا اب ان سے کچھ بھی کریدنا بے کار ہے کیونکہ وہ مزید اس موضوع پر کوئی بات اب نہیں کریں گی۔

"یقیناً" مجھے کوئی بڑی غلط فہمی ہوئی ہے' بہرحال تم جانے دو۔"

شاہ زین کے خاموش ہوتے ہی وہ آہستہ سے بولیں' شاہ زین بنا کچھ جواب دیے خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔



"آنٹی۔"

"جی بچے۔"

"میری گریجویشن کی تقریب میں ملک انکل آ رہے ہیں نا۔"

وہ پر سوچ نگاہیں سکینہ کے چہرے پر جماتے ہوئے بولی۔

"ظاہر ہے بیٹا ضرور آئیں گے اور یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو پھر کیوں پوچھ رہی ہو۔" اس کے سوال نے سکینہ کو حیران سا کر دیا۔

"پتا ہے آنٹی میرا دل چاہتا ہے کہ......"

وہ اپنی بات کرتے کرتے جھجک کر رک گئی۔

"بولو بچہ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

اسے خاموش دیکھ کر سکینہ نے فوراً" ہی ٹوک دیا۔

"میں چاہتی ہوں کہ اس دفعہ جب انکل آئیں تو ایشال بھی ان کے ساتھ ہو' میں اس سے ملنا چاہتی ہوں آنٹی اسے دیکھنا چاہتی ہوں میں جاننا چاہتی ہوں کہ اتنے پرانے رشتے پر اس کے کیا تاثرات ہیں؟ آیا وہ مجھے قبول کرتا بھی ہے یا نہیں۔"

وہ بڑی حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی خواہش کا اظہار کر بیٹھی جسے سنتے ہی سکینہ ایک پل کے لیے تو

چپ سی ہو گئیں۔

"کیوں آنٹی میں نے کسی غلط خواہش کا اظہار کر دیا ہے؟"

سکینہ کی اس خاموشی سے وہ یہی نتیجہ اخذ کر پائی۔

"نہیں بیٹا تمہاری خواہش بالکل جائز ہے اتنے سالوں میں کم از کم ایک دفعہ تو ملک صاحب کو تمہیں ایشال سے ملوانا چاہیے تھا' کسی ایک چھٹیوں میں تمہیں اپنے ساتھ کچھ دنوں کے لیے ہی سہی اپنے گھر لے کر جاتے مجھے تو حیرت ہے ایشال نہ سہی آج تک اس کی والدہ بھی کبھی تم سے نہ ملیں اور میں تو یہ خود کئی بار فضل دین سے کہہ چکی ہوں مگر جانے اس نے ملک صاحب سے کہا یا نہیں۔"

سکینہ کے دل میں دبی یہ تمام باتیں آہستہ آہستہ لبوں تک آہی گئیں۔

"بہر حال میں تمہارے چاچا تک تمہاری یہ خواہش ضرور پہنچاؤں گی اور کہوں گی کہ وہ ملک صاحب کو فون کر کے کہہ دے کہ تمہاری گریجویشن کی تقریب میں اپنے ساتھ ایشال کو ضرور لے کر آئیں ٹھیک ہے نا۔"

سکینہ نے تصدیق طلب نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا' وہ اثبات میں ہلکا سا سر ہلا کر خاموش ہو گئی۔



"میرے ساتھ مارکیٹ چل رہی ہو؟"

نازیہ کے اس سوال پر زینب نے ریسیور کان سے ہٹا کر ایک نظر سامنے موجود گھڑی پر ڈالی' جہاں تقریباً" بارہ بجنے والے تھے۔

"کب تک جانا ہے؟"

اس نے دل ہی دل میں مریم کے اسکول کی چھٹی کے ٹائم کا حساب لگاتے ہوئے پوچھا۔

"جب تم فارغ ہو بتا دو میں تمہیں پک کر لوں گی۔"

"مریم کو اسکول سے لے آؤں' پھر چلتے ہیں' بلکہ ایسا کرو تم مجھے تین بجے تک پک کر لینا میں تمہیں تیار ہی ملوں گی۔"

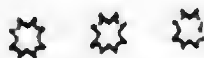
"شکریہ زینب۔" وہ تشکر بھرے انداز میں بولی۔

"دراصل آج کل سالار کے پاس بالکل ٹائم نہیں ہے اور میں کبھی اکیلی اس طرح شاپنگ کے لیے نہیں گئی اور آج کچھ ضروری سامان خریدنے کے لیے بازار جانا ازحد ضروری ہے' اس لیے سوچا کیوں نہ تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں اور مجھے امید ہے تمہارے ساتھ میں بڑے اطمینان سے اپنی شاپنگ مکمل کر لوں گی۔"

نازیہ کی دی جانے والی وضاحت نے اسے کچھ شرمندہ سا کر دیا۔

"ارے اس میں اتنا شکریہ ادا کرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ تم تین بجے تک آجاؤ' میں ان شاء اللہ تمہیں تیار ہی ملوں گی۔"

دو بجے تک زینب اپنا تمام کام مکمل کر کے فارغ ہو چکی تھی۔ فرہاد کو دکان پر فون کر کے اس نے نازیہ کے ساتھ جانے کا بتا دیا۔ اسے کوئی اعتراض نہیں تھا ورنہ وہ فوراً" سے پیشتر منع کر دیتا۔ ٹیوشن کے بچوں کو بھی اس نے آج آنے کا منع کر دیا۔ اب وہ تیار ہو کر باہر برآمدے میں بیٹھی نازیہ کی آمد کی منتظر تھی۔ پورے تین بجے نازیہ کی گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر اس نے جلدی سے جگنو کو گود میں اٹھایا اور مریم کی انگلی تھامے گھر کو لاک لگاتی ہوئی نازیہ کے ساتھ گاڑی میں جا بیٹھی۔ اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے بڑی سبک روی سے گاڑی آگے کی جانب بڑھا دی۔



کرن اپنے نکاح کی خوشی میں سارے آفس کو ایک ٹریٹ دینا چاہتی تھی اور اسی سلسلے میں آج آفس آتے ہوئے وہ اپنے ساتھ ایک قریبی ریسٹورنٹ کا بروشر بھی لے آئی۔ جس میں تفصیل کے ساتھ مینو موجود تھا۔ آفس میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے بروشر نکال کر حبیبہ کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟"

اپنے موبائل کو چارجنگ پر لگاتے ہوئے حبیبہ نے پلٹ کر کرن سے سوال کیا۔ "یہ ایک فوڈ بروشر ہے۔ تم ذرا چیک کر کے میری مدد کرو اور مجھے بتاؤ کہ اپنے نکاح کی ٹریٹ کے سلسلے میں مجھے کیا آرڈر کرنا چاہیے۔"

"ارے اس قدر جھنجٹ پالنے کی کیا ضرورت ہے۔ چپ چاپ آفس کی کینٹین سے ہی کچھ منگوالو۔"

بروشر کا طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے حبیبہ نے اسے مخلصانہ مشورہ دیا۔

"تم اپنے نکاح کی ٹریٹ کینٹین سے آرڈر کر کے دے دینا۔ مجھے تو فی الحال اسی ریسٹورنٹ میں آرڈر کرنا ہے۔ کیونکہ میرا ارادہ سر شاہ زین کو بھی انوائیٹ کرنے کا ہے۔"

"اچھا۔۔۔"

بنا کچھ کہے حبیبہ نے بروشر ٹیبل پر واپس رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے کے تاثرات بھی کچھ عجیب سے ہو گئے۔ کچھ دیر قبل والی جو ایک شرارتی مسکراہٹ اس کے چہرے پر تھی۔ وہ یکسر غائب ہو گئی۔ اس کی جگہ ایک عجیب سی کرختگی نے لے لی۔

"تمہیں کیا میرا سر شاہ زین کو انوائیٹ کرنا برا لگا ہے۔"

اس کے چہرے کے تاثرات سے کرن نے فوری طور پر یہ ہی نتیجہ اخذ کیا۔

"نہیں بھلا مجھے کیوں برا لگے گا؟"

اپنی دراز کھولے اس میں سے کچھ تلاش کرتے ہوئے الٹا اس نے کرن سے ہی سوال کر لیا۔

"پتا نہیں شاید مجھے ایسا لگا۔"

حبیبہ کا سوال سنتے ہی کرن کچھ بوکھلا سی گئی۔

"تمہیں غلط لگا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

اس کے چہرے پر چھائی کچھ دیر قبل والی کرختگی خاصی کم ہو چکی تھی۔

"اچھا تو پھر کیا میں انہیں انوائیٹ کر لوں۔"

"یہ تمہارا اپنا ذاتی مسئلہ ہے۔ اگر تم سمجھتی ہو کہ تمہیں انوائیٹ کرنا چاہیے تو ضرور کرو۔"

"اوکے۔۔۔ تو پھر ٹھیک ہے، میں انہیں آج ہی انوائیٹ کر لیتی ہوں اور مجھے امید ہے کہ وہ ضرور آئیں گے۔ کیونکہ وہ عادتوں میں بالکل اپنے والد جیسے ہیں پر خلوص اور محبت کرنے والے اور اگر خدانا خواستہ اپنی والدہ جیسے ہوتے تو جانے ہمارا کیا بنتا۔"

کرن ہنستے ہوئے مذاقاً بولی۔

"کیوں۔۔۔ ان کی والدہ کیسی ہیں؟"

بظاہر حبیبہ کا انداز خاصا سرسری سا تھا۔

"بڑی نخرے والی خاتون ہیں تم تو شاید ابھی تک ان سے ملی بھی نہیں ہو؟"

"ملی تو نہیں۔۔۔ البتہ انہیں ایک، دو بار آفس میں دیکھا ضرور ہے اور ویسے ایک بات کہوں۔۔۔"

بات کرتے کرتے یک دم اس نے رک کر کرن کی جانب دیکھا۔

"بعض دفعہ لوگ وہ ہوتے نہیں جو ہمیں دکھائی دیتے ہیں اس لیے کوشش کیا کرو کسی سے ہونے والی سرسری

ملاقات میں اس کی شخصیت کے بارے میں غلط اندازے قائم مت کرو کیونکہ بعد میں اپنے اندازے کی غلطی کا احساس ہمیں کافی حد تک شرمندہ کردیتا ہے اس وقت جب ہمیں پتا چلتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں سوچا جانے والا ہمارا خیال کس قدر غلط تھا۔"

پتا نہیں وہ یہ بات کس کے لیے کہہ رہی تھی۔ شاہ زین اس کے والد یا والدہ کے لیے کرن سمجھ نہ پائی مگر اس سے کچھ پوچھ کر وہ بحث کو طول نہ دینا چاہتی تھی۔

"تم کہاں جارہی ہو؟"

اسے ہاتھ میں فائل تھامے باہر نکلتا دیکھ کر کرن نے سوال کیا۔

"ہمدانی صاحب کو یہ فائل دینی ہے۔"

آہستہ آواز میں جواب دیتی وہ باہر نکل آئی۔ کرن نے اس کی پشت کی جانب دیکھا اور کندھے اچکا کر اپنا بروشر ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے خود بھی باہر نکل گئی۔



اماں کو جانے کیا ہوا تھا بخار ختم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔ اتنے دنوں تک تو وہ کبھی بیمار نہیں ہوئی تھیں اور یہی بات اس کے لیے باعث تشویش تھی۔ کئی بار فاطمہ خالہ نے انہیں نکڑ والے ڈاکٹر سے دوائی بھی لا کر دی مگر بخار تھا کہ بالکل ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ البتہ اس کی شدت میں کبھی کبھار کمی ضرور ہوجاتی تھی۔ اسی طرح پچھلے دو دنوں سے وہ کچھ بہتر تھیں۔ انہوں نے مشین رکھ کر اپنا کچھ سلائی کا کام بھی مکمل کیا۔ انہیں اس طرح کام کرتے دیکھ کر وہ خاصی مطمئن سی ہوگئی تھی۔ مگر آج پھر اچانک ہی انہیں رات سے دوبارہ بخار ہوگیا۔ جس کی شدت صبح تک کافی بڑھ گئی تھی۔ ان کی تمام دوائیاں بھی ختم ہوچکی تھیں۔ رات میں تو بخار اتنا زیادہ نہیں تھا۔ مگر جو صبح اٹھ کر اس نے انہیں بے سدھ پڑے دیکھا تو یک دم گھبرا اٹھی۔ کچن میں کھانے کے لیے بھی کچھ نہ تھا۔ جبکہ اس کے پیٹ میں بھوک سے بل پڑ رہے تھے۔ ایسے میں اسے سمجھ نہیں آیا کہ اس حال میں بیمار ماں کی فکر کرے یا اپنی۔

اپنی بھوک کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے اس نے صحن میں رکھے مٹکے سے پانی کا کٹورا بھرا اور ایک کپڑے کا ٹکڑا لیے ماں کی چارپائی کی جانب آئی۔ پہلے کٹورے کے پانی سے ان کے پاؤں دھوئے اور پھر ان کے سرہانے جا بیٹھی، کپڑا اچھی طرح پانی میں بھگو کر نچوڑا اور ان کے ماتھے پر رکھ دیا۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اور نہ کرسکتی تھی۔

فاطمہ خالہ بھی دو دن قبل اپنی بیٹی سے ملنے فیصل آباد گئی تھیں۔ ابھی تک واپس نہ آئی تھیں' ورنہ وہ جاکر انہیں ہی بلا لاتی۔ آج اتوار کے سبب نکڑ والے ڈاکٹر کی دکان بھی یقیناً" بند ہی تھی۔ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ پانی کی پٹیاں کرے۔ شاید اسی طرح ان کا بخار کچھ کم ہوجائے۔ وہ ان ہی سوچوں میں گم تھی۔ جب ماں کے کراہنے کی ہلکی سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہائے۔۔۔"

اتنی دیر میں یہ پہلا لفظ تھا جو اس کی ماں کے لبوں سے ادا ہوا۔ ماں کی تکلیف نے اس کے دل کو دکھی کردیا اور آنکھیں پانی سے لبالب بھر گئیں۔

"ہائے ربا۔۔۔"

تکیے پر ادھر ادھر سر مارتے ہوئے انہوں نے اپنے سوکھے لبوں پر زبان پھیری۔ وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاتھ میں پکڑا کٹورا ساتھ والی ٹیبل پر دھرا۔ بھاگم بھاگ پانی کا گلاس بھرے وہ ایک بار پھر ان کے قریب آن پہنچی۔

"اماں پانی پی لو......"
ماں کے کندھے کو ہلکے سے ہلاتے ہوئے اس نے متوجہ کیا۔ اماں نے مارے نقاہت کے بمشکل اپنی آنکھیں کھولتے ہوئے اس پر نظر ڈالی۔
"تم نے کچھ کھایا ہے؟"
اتنی بیماری اور تکلیف میں بھی اسے اگر کوئی احساس تھا تو وہ صرف اپنی بیٹی کی بھوک کا' جبکہ بھوکی تو وہ خود بھی تھیں۔ اسے آج پتا چلا اللہ تعالیٰ نے ماں کے قدموں کے نیچے جنت کیوں رکھی ہے۔
"مجھے بھوک نہیں ہے۔"
جب وہ بولی تو لہجہ گلوگیر سا ہو گیا۔ جس کا اندازہ خود اسے بھی نہ تھا۔ "میرے تکیے کے نیچے کچھ پیسے رکھے ہیں۔ وہ نکال کر بھائی فرید کی دکان سے چاول لے آؤ...... اور ہاں اپنے ناشتے کے لیے بھی کچھ لے آنا۔"
اس نے دھیرے سے سرہلاتے ہوئے تکیے کو ایک سائڈ سے اونچا کرکے اندر ہاتھ ڈالا' کچھ مڑے تڑے نوٹ اس کے ہاتھ میں آ گئے جنہیں لیے وہ خاموشی سے باہر آ گئی کچھ دور موجود کریانہ کی دکان سے مطلوبہ سامان خرید کر واپس پلٹی ہی تھی کہ جانے کہاں سے یک دم محلے کا ایک اوباش نوجوان اس کے سامنے آن کھڑا ہوا اسے ایک دو بار وہ پہلے بھی اسکول سے واپس آتے ہوئے اپنے ساتھ ساتھ چلتا دیکھ چکی تھی مگر اپنی غلط فہمی سمجھ کر اس نے کوئی توجہ نہ دی مگر اب یک دم اس طرح اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ گھبرا سی گئی' اس کے ہاتھ پاؤں کانپ اٹھے چاہا کہ کترا کر سائیڈ سے نکل جائے' مگر وہ اس کی نیت بھانپتے ہی فوراً" دوسری جانب ہو گیا۔
"ہٹو میرے آگے سے۔"
ایک کپکپاتی موٹی آواز اس کے حلق سے بمشکل نکلی۔
"یہ تم صبح صبح کیا لینے نکلی ہو۔"
اس وقت جب وہ مارے خوف کے شاید بے ہوش ہی ہو جاتی کہ اچانک اسے اپنے عقب سے فاطمہ خالہ کی بہو شبانہ باجی کی آواز سنائی دی تھی اس نے نظر اٹھا کر دیکھا سامنے موجود نوجوان شاید خطرہ بھانپ کر کھسک گیا تھا اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور شبانہ باجی کی جانب دیکھا جو اس کے جواب کی منتظر کھڑی تھیں۔
"ناشتا لینے آئی تھی۔"
آہستہ آواز میں جواب دیتی وہ ان کے ساتھ چل دی۔
"اور یہ شوکت تمہیں کیا کہہ رہا تھا۔"
"کون شوکت......"
اس نے حیرت سے اپنی آنکھیں پھیلاتے ہوئے سوال کیا۔
"وہ ہی جو تمہارے پاس کھڑا تھا۔"
"اچھا اس کا نام شوکت ہے۔"
اسے آج پہلی بار اس نوجوان کا نام معلوم ہوا۔
"کہا تو کچھ نہیں مگر جانے کیوں میرا راستہ روکے کھڑا تھا۔"
کچھ دیر قبل والی صورت حال کو ذہن میں لاتے ہی وہ گھبرا اٹھی۔
"بڑا ہی بدمعاش لڑکا ہے۔"
شبانہ باجی نے بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔
"تمہاری امی کہاں ہیں جو تم صبح صبح اکیلی دکان پر آئی ہو۔"

شبانہ باجی جانتی تھیں کہ وہ کبھی بھی اس طرح دکانوں پر سودا خریدنے نہیں آتی تھی اس لیے وہ قدرے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔

"ان کی طبیعت خراب تھی اس لیے مجھے آنا پڑا۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"طبیعت خراب تھی؟" شبانہ کو مزید حیرت ہوئی۔

"مگر کل تک تو وہ ٹھیک تھیں ابھی کل شام ہی تو انہوں نے میرا سوٹ سی کر بھیجا تھا پھر اب کیا ہوا۔"

"پتا نہیں' رات سے ہلکا ہلکا بخار تھا جو دن چڑھتے ہی شدید ہو گیا۔"

وہ آنکھوں میں آئی نمی چھپانے کی کوشش میں سر جھکاتے ہوئے بولی۔

"اچھا مجھے تو پتا ہی نہ تھا اب ایسا کرو تم گھر جاؤ میں اپنے بچوں کو مدرسے سے واپس لا کر تمہاری طرف ہی آتی ہوں دیکھوں تو سہی ذرا ۔۔۔ آپا کو کیا ہوا۔"

"جی اچھا۔۔۔"

وہ جواب دیتے ہوئے تیزی سے گھر کی جانب بڑھی تاکہ اندر جا کر اپنی بیمار ماں کا حال دیکھ سکے اور انہیں کچھ کھانے کو بھی دے جبکہ اس کی پشت پر کھڑی شبانہ اس وقت تک اسے دیکھے گئیں جب تک اس نے اندر داخل ہو کر لکڑی کے دروازے کی کنڈی نہ لگائی۔

"بے چاری بچی جس کا نہ کوئی آگے نہ پیچھے' آج اگر بیمار ماں کو کچھ ہو گیا تو یہ غریب کہاں جائے گی۔"

اس سوچ کے دماغ میں آتے ہی انہیں ایک جھرجھری سی آ گئی۔

"اللہ معاف کرے میں کیسی گھٹیا بات سوچ بیٹھی خدا اس کی ماں کو لمبی عمر دے۔"

دل میں آتے اپنے ہی خیال پر وہ تیزی سے لعنت بھیجتی مدرسے کی طرف جانے والی گلی کی سمت بڑھ گئیں۔



اریشہ کی دی ہوئی مدت ختم ہونے میں صرف دو دن باقی تھے اور ایشال کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کسی طرح پاپا سے بات کرے کہاں تو پہلے وہ ہر وقت ہی بہانے بہانے سے اس کی شادی کا ذکر کیا کرتے اور کہاں اب یہ حال ہے کہ بالکل ایسے خاموش تھے جیسے انہیں ایشال کا کروایا جانے والا نکاح بھی بھول گیا ہو جبکہ اب وہ خود چاہتا تھا کہ پاپا اس کے نکاح کا تذکرہ کریں اور وہ اپنے دل کی بات ان تک پہنچائے مگر اب تیزی سے گزرتے وقت کے ساتھ پاپا کی طویل خاموشی اسے بے چین کر رہی تھی۔

بہرحال جو بھی تھا یقیناً "فیصلہ کا وقت قریب آ گیا تھا آنے والے چند گھنٹے اس کے لیے نہایت اہم تھے ان ہی گھنٹوں میں کیا جانے والا کوئی ایک فیصلہ اس کی پوری زندگی کو بدل دینے پر قادر تھا وہ زندگی جس کے ایک طرف عریشہ اور دوسری طرف سبز دوپٹے والی وہ لڑکی جس کا نام بھی آج تک وہ نہ جان پایا اور نہ ہی جاننا چاہتا تھا لیکن یہ ضرور جانتا تھا عریشہ کے ساتھ زندگی کی ہر خوشی اس کا مقدر بن جاتی جبکہ دوسری صورت میں سوائے ایک دردناک اذیت کے کچھ ہاتھ نہ آتا اور اس دردناک اذیت سے نجات پانے کا بہتر طریقہ یہ تھا کہ پاپا سے بات کر کے اپنا انکار ان تک پہنچائے تاکہ اس رشتے کو ختم کر کے وہ عریشہ سے اس کے رشتے کی بات شروع کریں اور اس کے لیے ضروری تھا کہ اب وہ بنا کسی انتظار کے خود ہی ان سے بات کر لے یہ خیال دل میں آتے ہی اس کی بے چینی کسی حد تک کم ہو گئی۔

"ٹھیک ہے اب جو بھی ہو پاپا کے گھر آتے ہی مناسب وقت دیکھ کر میں خود ہی ان سے بات کر لوں گا۔"

یہ حتمی خیال دل میں آتے ہی وہ مطمئن سا ہو گیا اب اسے انتظار تھا تو صرف پاپا کے آفس سے واپسی کا' وہ چاہتا

تھا کہ پاپا کھانے کے بعد جب اسٹڈی جائیں تو وہ بھی وہیں جا کر ان سے ہر بات کرے حالانکہ یہ ایک کافی مشکل امر تھا مگر جو بھی تھا اسے پایہ تکمیل تک تو پہنچانا تھا اس طرح خاموشی سے سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر طوفان کا اندازہ کرنے سے زیادہ اچھا تھا کہ طوفان آنے سے قبل ہی اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نکال لی جائے اور یقیناً" عریشہ کی محبت اب اسے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار کر چکی تھی۔



وہ نازیہ کے ساتھ جیسے ہی سپر اسٹور میں داخل ہوئی دنگ رہ گئی یہ وہ وقت تھا جب یورپی انداز سے بنے ایسے سپر اسٹور پاکستان میں اکا دکا ہی متعارف ہوئے تھے اور جہاں تک صرف ایک مخصوص طبقہ ہی کی رسائی تھی عام آدمی کا ان مہنگے ترین سپر اسٹور اور شاپنگ مال میں جانا بھی ایک خواب تھا۔ اب جو زینب اندر داخل ہوئی تو وہاں ایک وسیع و عریض دنیا دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"اس طرف آجاؤ مجھے کچھ کراکری اور بیڈ شیٹس لینی ہیں۔"

نازیہ ایک خالی ٹرالی لیے اس کی طرف آتے ہوئے بولی' وہ بنا کچھ بولے خاموشی سے اس کے ساتھ ہولی' نازیہ نے کچھ گلاس اور کپ اٹھا کر ٹرالی میں ڈالے پھر کچھ بیڈ شیٹس اور تولیہ کے پیکٹ بھی ٹرالی میں ڈال لیے' وہ خاموشی سے ہر طرف کا طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

"تم بھی لے لو اگر کچھ چاہیے ہو تو......"

اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے یک دم نازیہ نے اسے مخاطب کیا۔

"نہیں تمہارا شکریہ میرے گھر یہ سب سامان فرہاد خود لے کر آتا ہے۔"

اپنے دل کو اطمینان دلاتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی۔

وہاں سے فارغ ہوتے ہی نازیہ دوسرے حصے کی جانب آگئی' جہاں کھانے پینے کی اشیاء یہاں سے وہاں تک بھری پڑی تھیں' جگنو سوگئی تھی جسے نازیہ کی ملازمہ نے اپنی گود میں اٹھا رکھا تھا نازیہ نے کچھ جوس کے پیکٹ اٹھا کر ٹرالی میں رکھ لیے' وہ خاموشی سے سب اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے چل رہی تھی کہ اچانک ہی مریم نے قریبی ریک میں موجود چاکلیٹ کا بڑا سا پیکٹ اٹھالیا۔

"اماں مجھے یہ لینا ہے۔"

ہاتھ میں پیکٹ تھامے وہ زینب کی جانب امید بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی' اب زینب کی سمجھ میں نہ آیا کیا کرے وہ یک دم ہی گھبرا سی گئی۔

"بری بات بیٹا واپس رکھو اسے۔"

اس نے جلدی سے مریم کے ہاتھ میں تھما پیکٹ پکڑ لیا۔

"اُفوہ کیا کر رہی ہو زینب رکھو اسے ٹرالی میں۔"

نازیہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر وہ پیکٹ واپس اٹھا لیا زینب شرمندہ سی ہو گئی۔

"لینے دو مریم کو جو بھی لینا ہے پلیز تم اسے مت ٹوکو۔"

زینب کا دل چاہا اپنے قریب کھڑی مریم کو ایک زوردار تھپڑ رسید کرے مگر جانے کیسے اس نے اپنی اس خواہش کو دبا لیا۔

"آؤ بیٹا میرے ساتھ تمہیں جو لینا ہے لے لو۔"

نازیہ مریم کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ گئی۔

"دوبارہ اگر کبھی نازیہ کے ساتھ آنا پڑا تو مریم کو کبھی نہیں لاؤں گی' مجھے تو اس نے آج ذلیل ہی کر دیا۔"

دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہوئے اس نے پکا عہد کر لیا۔

"آگے آؤ زینب وہاں اکیلی کیوں کھڑی ہو۔" اسے اپنی جگہ پر ساکت دیکھ کر' نازیہ نے پکارا۔

"آرہی ہوں۔"

نازیہ کو جواب دے کر وہ تیزی سے اس سمت بڑھ گئی' جس طرف نازیہ جا رہی تھی وہاں یقیناً کاؤنٹر تھا جہاں بل جمع کروا کر اپنا تمام سامان وصول کرنے کے بعد انہوں نے باہر نکل جانا تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ نازیہ نے مریم کے لیے مزید کیا کیا لے لیا ہے مگر گھر پہنچتے ہی جو نازیہ نے ایک بڑا سا پلاسٹک کا بیگ اس کے حوالے کیا تو وہ مزید شرمندہ ہو گئی۔

"کیا ضرورت تھی نازیہ یہ سب کچھ لینے کی۔"

شاپر ہاتھ میں تھامتے ہوئے وہ کچھ جھجکی۔

میں نے تمہارے لیے کچھ نہیں لیا یہ سب سامان میری بیٹی کا ہے اور ہاں خبردار میرے جانے کے بعد اب اسے کچھ مت کہنا۔"

شاید وہ زینب کے دلی خیالات بھانپ چکی تھی۔

زینب نے خاموشی سے شاپر لے لیا' یہ پہلی دفعہ نہیں ہوا تھا اس سے پہلے بھی نازیہ اور سالار اکثر و بیشتر اسے قیمتی تحائف دیتے رہے تھے مگر اس کے لیے زیادہ شرمندگی کا باعث مریم کی اسٹور میں کی جانے والی حرکت تھی اسے محسوس ہوا کہیں نازیہ یہ نہ سوچے کہ میرے ہی ایما پر مریم نے یہ حرکت کی ہو اور یہ ہی سوچ اسے بار بار شرمندہ کر رہی تھی جب کہ جانتی تھی کہ نازیہ اتنی چھوٹی سوچ رکھنے والی عورت نہیں ہے۔

"بہرحال اب جو بھی ہو آئندہ میں نے کبھی بھی مریم کو اپنے ساتھ نہیں لے کر جانا۔"

مریم کو تیزی سے چاکلیٹ کا پیکٹ کھولتے ہوئے دیکھ کر اس نے دل ہی دل میں کیے جانے والے اپنے سابقہ فیصلے کو ایک بار پھر دہرایا اور کچھ مطمئن سی ہو گئی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

نفیسہ سعید

ایسا کب ہے زندگی

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال کی دلچسپی اپنی کزن عریشہ میں ہے۔

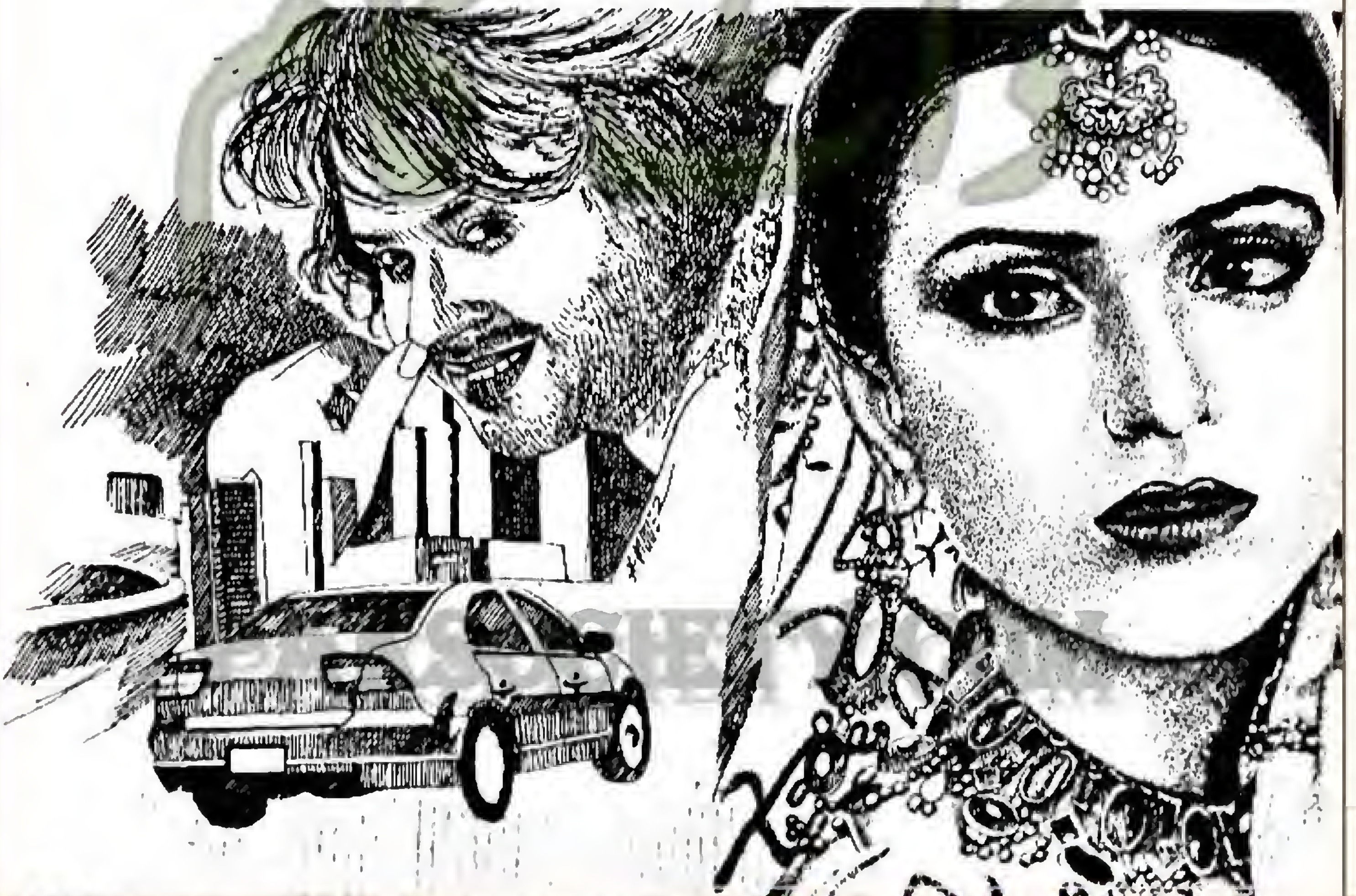
حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد سے کراچی آئی ہے۔ شاہ زین کے والد نے اسے اپنے آفس میں اپائنٹ کر لیا شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگا۔

فرہاد تین بھائی ہیں۔ فرہاد کے دونوں بھائی معاشی طور پر مستحکم ہیں اور دونوں اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرتے ہیں جبکہ فرہاد اپنی بیوی زینب اور بچیوں کی ضروریات پوری کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتا ہے۔ جو زینب کو بالکل پسند نہیں۔

فرہاد کے بڑے بھائی کی بیوی فضہ زینب کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہیں اور آئے دن اس حسد کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

چھٹی قسط





شاہ زین جیسے ہی اپنے آفس کے ہال میں داخل ہوا دروازے کے قریب ہی ٹھٹک کر رک گیا کرن نے اپنے نکاح کی خوشی میں رکھی جانے والی اس چھوٹی سی تقریب کے حوالے سے ہال کو خاصا اچھا ڈیکوریٹ کر رکھا تھا' اس نے ستائشی انداز میں یہاں سے وہاں تک ایک نظر دوڑائی اس سیکشن کے تمام ہی لوگ ہال میں موجود تھے سوائے ایک ہستی کے جس کی خاطر آج وہ بڑے نک سک سے تیار ہو کر آیا تھا' حبیبہ پورے ہال میں کہیں موجود نہ تھی۔

''کہیں وہ آج پھر اپنے گاؤں نہ چلی گئی ہو۔''

یہ خیال دل میں آتے ہی وہ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا۔

''ارے سر اندر آئیں نا آپ یہاں کیوں رک گئے۔''

اسے ہال کے دروازے کے قریب پریشان سی کیفیت میں گھرا دیکھ کر کرن تیزی سے اس کی جانب آئی۔

''دیکھ رہا تھا آج تو یہ ہال ہمارے آفس کا حصہ ہی نہیں لگ رہا۔'' اس نے بڑے دل سے ہال کی سجاوٹ کو سراہا۔

''یہ سب حبیبہ کا کمال ہے دراصل اکاؤنٹنٹ کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھی انٹیریئر ڈیکوریٹر بھی ہے اور آپ کی طرح اس کی یہ صلاحیت مجھ پر بھی آج ہی آشکار ہوئی ہے۔''

شاہ زین کی حیرت کو بھانپتے ہی وہ ہنس دی۔

''اچھا ویسے آپس کی بات ہے میں تو آج تک اسے ایک خشک مزاج سی اکاؤنٹنٹ ہی سمجھتا رہا۔''

شاہ زین نے ہنستے ہوئے ہاتھ میں پکڑا بکے اس کی جانب بڑھایا۔

''تھینک یو سر۔''

کرن نے اس کے ہاتھ سے پھولوں کا بکے تھاما ہی تھا کہ یک دم اس کی نگاہ اپنے کیبن سے باہر نکلتی حبیبہ پر پڑی سلک کی بلیک پرنٹڈ لانگ شرٹ کے ساتھ وہ ہمیشہ سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی یا شاید ہر گزرتے دن کے ساتھ شاہ زین کی بڑھتی ہوئی محبت نے اس کے دیکھنے کا انداز بھی تبدیل کر دیا تھا ہر گزرتے دن اسے محسوس ہوتا حبیبہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوتی جا رہی ہے وہ ابھی بھی اپنی جگہ مبہوت سا کھڑا اسے تکے گیا جب اچانک کرن کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''ایسا محسوس ہو رہا ہے سر جیسے آپ دونوں نے یہ بلیک کلر ایک دوسرے کے ساتھ باہمی مشورے سے پہنا ہے۔''

وہ شاہ زین پر ایک نظر ڈالتے ہوئے شرارتاً مسکرائی۔

''کاش ایسا ہی ہوتا مگر آپ جانتی ہیں کہ یہ سب خام خیالی ہے آپ کی دوست کو اگر ذرا بھی علم ہوتا کہ میں آج بلیک کلر پہن کر آرہا ہوں تو وہ کبھی بھی یہ سوٹ نہ پہنتی اور یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔''

شاہ زین کی بات بالکل درست تھی' جواباً کرن ہلکا سا مسکرائی اور اسے اپنے ساتھ لیے ٹیبل کی جانب آگئی جہاں تقریباً تمام لوگ اپنی اپنی کرسیاں سنبھال چکے تھے اسے دیکھتے ہی سب لوگ اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''پلیز آپ لوگ تشریف رکھیں مجھے اس طرح کا پروٹوکول بالکل بھی پسند نہیں ہے۔''

ان سب کو مخاطب کرتے ہی وہ حبیبہ کے ساتھ موجود خالی کرسی پر بیٹھ گیا جو اسے قطعی نظرانداز کیے اپنے ہینڈ بیگ میں ہاتھ ڈالے کچھ تلاش کر رہی تھی۔

''السلام علیکم کیسی ہیں آپ۔''

شاہ زین نے اپنی شرٹ کا کالر درست کرتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔
"ویسی ہی ہوں سر جیسی آپ کو نظر آرہی ہوں۔"
بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے وہ سیدھی ہو گئی۔
"مجھے تو خاصی خوبصورت دکھائی دے رہی ہیں۔" وہ شرارتاً ہنسا۔
"دکھائی نہیں دے رہی میں ہوں ہی خوبصورت۔"
اپنی خوبصورتی پر اتراتے ہوئے اس نے بالوں کو ہلکے سے جھٹکے سے پیچھے کیا۔
"یقیناً" اس میں کوئی شک نہیں تم واقعی بے حد خوبصورت ہو۔"
اس دفعہ بڑی سنجیدگی سے اس نے حبیبہ کی خوبصورتی کو سراہا۔
"پتا نہیں کیوں سر مجھے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مرد کے نزدیک عورت کی سب سے بڑی خوبی صرف اور صرف اس کی خوبصورتی ہے اگر اس خوب صورتی کو عورت کی ذات سے علیحدہ کر دیا جائے تو شاید پھر اس کے پاس کچھ باقی نہیں بچتا جس سے وہ مرد کے دل پر راج کر سکے...... صحیح کہہ رہی ہوں نا میں۔"
اپنی بات ختم کرکے اس نے شاہ زین سے تصدیق طلب کی۔
"دراصل میں حبیبہ خوبصورتی دیکھنے والے کی اپنی نگاہ میں ہوتی ہے اگر ہمیں کسی سے محبت ہو جائے تو دنیا کی بدصورت چیز بھی حسین ترین دکھائی دیتی ہے اور جو محبت نہ ہو تو زمانے بھر کا حسن ماند پڑ جاتا ہے سچ تو یہ ہے کہ ہر انسان کے نزدیک خوبصورتی کا اپنا اپنا معیار ہوتا ہے ہو سکتا ہے تم جو مجھے بے حد خوبصورت دکھائی دیتی ہو کسی دوسرے شخص کی نگاہ میں تمہاری خوبصورتی کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو اس کے نزدیک خوبصورتی کا وہ معیار ہی نہ ہو جو میرا ہے صحیح یا غلط۔"
"آپ صحیح کہہ رہے ہیں سر اور میرا خیال ہے یہ بات مجھ سے زیادہ اچھی طرح کوئی اور نہیں جان سکتا کیونکہ آپ نے تو شاید کسی کتاب میں یہ سب پڑھا ہو مگر میرا اپنا تو یہ ذاتی تجربہ ہے۔"
اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر سے اپنے ہینڈ بیگ کی زپ کھول کر کچھ تلاش کرنے لگی۔
"تمہارا ذاتی تجربہ......" شاہ زین تھوڑا سا حیران ہوا۔
"میں کچھ سمجھ نہیں پایا۔"
"کچھ نہیں سر ویسے ہی مذاق کر رہی تھی۔"
جانے جو کچھ اس نے کہا وہ واقعی مذاق تھا یا اس نے بات بدل دی تھی شاہ زین کچھ سمجھ نہ پایا۔
"ایک بات پوچھوں حبیبہ۔"
وہ اس کے چہرے پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے بولا۔
"جی ضرور پوچھیں۔"
حبیبہ اپنا ہینڈ بیگ بند کرکے ایک بار پھر سے سیدھی ہو بیٹھی۔
"تم شاید گاؤں اپنے چچا سے ملنے جاتی ہو؟"
"جی اور یہ بات تو آفس میں تقریباً" تمام لوگ ہی جانتے ہیں۔"
حبیبہ شاہ زین کی باندھی جانے والی تمہید سمجھ نہ سکی۔
"تمہارے والدین حیات نہیں ہیں؟"
وہ اپنی ماں کی اس دن والی باتوں کے باعث خاصا الجھا ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ حبیبہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ

بنیادی معلومات ضرور حاصل کرلے تاکہ آئندہ اپنی مما سے ہونے والی گفتگو میں حبیبہ کی ذات کے حوالے سے ان کی تشویش کو دور کرسکے۔

"نہیں۔۔۔"

وہ مختصر سا جواب دے کر خاموش ہو گئی۔

"کوئی بہن بھائی۔۔۔"

شاید آج شاہ زین اس کی شخصیت کے تمام اسرار جان لینا چاہتا تھا۔

"ایک بہن ہے مگر وہ یہاں پاکستان میں نہیں ہوتی۔"

اتنا کہتے ہی وہ کرسی کھسکاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایکسکیوز می سر مجھے کرن بلا رہی ہے۔"

"او کے۔۔۔" شاہ زین نے جواب دے کر آگے کی طرف بڑھتی حبیبہ پر ایک نظر ڈالی۔

"افوہ اس کے والد کا نام تو میں نے پھر نہیں پوچھا۔"

یہ ہی تو وہ سوال تھا جسے جاننے کے لیے مما کچھ بے چین سی تھیں اور یہ ہی میں بھول گیا یہ خیال ذہن میں آتے ہی اسے افسوس ہوا آج پہلی بار حبیبہ نے اس سے اتنی ساری باتیں کیں اور پھر بھی جو وہ پوچھنا چاہتا تھا وہ پوچھ نہ پایا "چلو پھر کبھی سہی اب جب بھی میری اس سے تفصیلی بات ہوئی یہ بھی پوچھ ہی لوں گا۔"

ویسے بھی حبیبہ کے حوالے سے جو کچھ وہ دل میں ٹھانے بیٹھا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ یہ تمام ضروری معلومات حاصل کرلے تاکہ بعد میں اپنی مما کو آسانی سے مطمئن کرسکے۔



شبانہ باجی آئیں تو اپنے ساتھ نکڑ والے ڈاکٹر کو بھی لیتی آئیں۔

"تم یہ ناشتا کرواتنی دیر میں ڈاکٹر صاحب تمہاری امی کا ذرا اچھا سا معائنہ کرلیں۔"

وہ اپنی ماں کے سرہانے بیٹھی ان کے ماتھے پر پٹیاں رکھ رہی تھی جب شبانہ باجی نے اس کے قریب آکر اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اس نے ان کے ہاتھوں سے ناشتے کی ٹرے پکڑ کر قریب ہی موجود چھوٹی سی ٹیبل پر رکھ دی اپنی ماں کو اس حال میں دیکھ کر اس کی بھوک پیاس بالکل ختم ہو چکی تھی وہ وہیں اپنی ماں کے قریب ہی کھڑی ڈاکٹر صاحب کو دیکھے گئی جو اس کی ماں کا نہایت تفصیل سے معائنہ کر رہے تھے پہلے سینہ پر اسٹیتھسکوپ رکھا' پھر پیچھے کمر پر لگایا' زبردستی انگوٹھے کی مدد سے ان کی آنکھیں کھول کر اندر جھانکا اور پھر ایک پرچی پر کچھ لکھ کر وہ پرچہ شبانہ باجی کی جانب بڑھا۔

"یہ کچھ ٹیسٹ لکھ کر دے رہا ہوں میرا خیال ہے کہ آپ پہلی فرصت میں ہی کروالیں۔"

"یہ کس چیز کے ٹیسٹ ہیں ڈاکٹر صاحب۔" وہ فوراً" ہی گھبرا کر بول اٹھی۔

"کچھ خاص نہیں ہیں' آپ گھبرائیں مت۔"

ڈاکٹر اس کے چہرے پر چھائی گھبراہٹ بھانپتے ہوئے بولے پھر انہوں نے اپنا بیگ بند کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"پہلی فرصت میں تو آپ یہ سامنے والی کھڑکی کھولیں تاکہ تازہ ہوا اور کچھ دھوپ اندر آئے' بہت حبس ہے اس کمرے میں' اور ان کے لیے یہ حبس بھی کافی نقصان دہ ہے۔"

ڈاکٹر نے چاروں طرف ایک نظر ڈالتے ہوئے ہدایت جاری کی وہ اپنی جگہ بالکل خاموش کھڑی رہی شبانہ باجی

نے آگے بڑھ کر باہر گلی میں کھلنے والی کھڑکی کھول دی جس کے ساتھ ہی باہر کھیلتے بچوں کا شور تیزی سے اندر کمرے میں داخل ہو گیا یہ ہی وہ سبب تھا جس کے باعث وہ ہمیشہ اس کھڑکی کو بند رکھتی تھی کیونکہ اسے شور وغل کی یہ آوازیں خاصی ناپسند تھیں مگر آج اس پر اس شور شرابے کا بالکل اثر نہ ہوا وہ دوبارہ اپنی ماں کی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''آپ پہلے یہ تمام ٹیسٹ مکمل کروالیں تاکہ اس کے بعد میں صحیح طریقے سے ان کا علاج شروع کر سکوں یہ گولیاں ہیں انہیں کچھ کھلانے کے بعد دے دیجیے گا۔''

پرچی کے بعد انہوں نے ہاتھ میں تھامی گولیوں کا چھوٹا سا پیکٹ بھی شبانہ باجی کی طرف بڑھایا جو انہوں نے ایک بار پھر خاموشی سے تھام کر ماں کے تکیے کے قریب ہی رکھ دیا' شبانہ باجی ڈاکٹر کو دروازے تک چھوڑ کر واپس آئیں تو ایک نظر اس پر ڈالی جو اپنی ماں کے قریب بیٹھی رو رہی تھی۔

''تم یہ ناشتا کرو۔'' اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر انہیں۔بے حد دکھ ہوا۔

''پانی۔۔۔۔''

ماں کی نقاہت زدہ آواز اس کے کانوں سے ٹکراتے ہی اس کے جسم میں بجلی سی بھر گئی وہ تیزی سے اٹھی اور بھاگ کر باہر صحن میں رکھے کولر سے پانی کا ایک گلاس بھر لائی' ماں کے لبوں سے لگایا جسے وہ غٹاغٹ پی گئیں۔

''آپا کیسی طبیعت ہے اب تمہاری۔''

اماں کو آنکھیں کھولتا دیکھ کر شبانہ باجی چارپائی کے قریب رکھی واحد کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

جواباً''اماں نے نفی میں سر ہلایا' مارے نقاہت کے ان کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔

''اللہ تمہیں صحت و تندرستی عطا فرمائے۔'' اماں کے ماتھے کو چھوتے ہوئے انہوں نے آہستہ سے کہا۔

''آمین۔۔۔بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

''ایک مشورہ دوں آپا برا مت منانا۔''

جانے کیا سوچ کر شبانہ باجی ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولیں۔اماں نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔

''جیسے ہی تمہاری طبیعت کچھ بہتر ہو اپنے پچھلے لوگوں کو بتاؤ کہ تم کہاں ہو اور کس حال میں ہو بے شک تم سے ان کا ہر رشتہ ختم ہو گیا ہو گا مگر یہ بچی تو ان ہی کی ہے نا' ایسا نہ ہو یہ تمہارے بعد بالکل تنہا رہ جائے تم تو جانتی ہو زمانہ بہت خراب ہے اپنوں کے ساتھ تو دھوپ بھی چھاؤں جیسی ہوتی ہے اور اگر کوئی اپنا ساتھ نہ ہو تو چھاؤں بھی اندھیرے کے خوف سے ڈرتی ہے' موت تو برحق ہے آپا کسی بھی وقت آسکتی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم سے پہلے مجھے آجائے کوئی پتا نہیں مگر آنی تو ضرور ہے اس لیے کہتی ہوں اس بچی کا اپنی زندگی میں ہی کچھ انتظام کر لو۔''

اماں آنکھیں بند کیے خاموشی سے ساری باتیں سن رہی تھیں جس کا بخوبی اندازہ ان کی آنکھوں کے کنارے سے بہتے پانی کو دیکھ کر لگایا جا سکتا تھا وہ یقیناً''رو رہی تھیں ٹپاٹپ ان کی آنکھوں سے بہتے آنسو تکیے کو بھگوتے جا رہے تھے۔

''اماں۔۔۔۔''

وہ بے اختیار اپنی ماں کا کندھا ہلا بیٹھی۔

''آپا اٹھ کر بیٹھو تھوڑی سی ہمت کر کے کچھ کھالو پھر میں تمہیں دوائی کھلا کر اپنے گھر جاؤں۔''

شبانہ باجی اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

''چائے تو بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے لاؤ میں گرم کر لاؤں تم اتنی دیر اپنی ماں کا ہاتھ منہ دھلا دو۔''

برتن ہاتھ میں لیے وہ باہر نکلتے ہوئے بولیں' اور پھر ڈاکٹر صاحب کی دی ہوئی دوا اور انجکشن کی بدولت شام تک ماں کی حالت کافی سنبھل گئی ان کے بخار کی کم ہوتی شدت' نے اسے خاصا مطمئن سا کر دیا اور صبح تک ماں کا بخار کافی کم ہو گیا۔

نازیہ کی طبیعت پچھلے کچھ دنوں سے خراب تھی' یہی سبب تھا جو زینب آج اس سے ملنے اس کے گھر چلی آئی' گھنٹی بجاتے ہی گیٹ نازیہ کی خاص ملازمہ سکینہ نے کھولا جو زینب کو اپنے سامنے موجود پا کر یک دم ہی کھل اٹھی۔

"السلام علیکم بی بی جی۔"

گیٹ کھول کر ایک سائیڈ پر ہوتے ہوئے سکینہ نے اسے راستہ دیا سکینہ کی تقلید میں وہ اندر داخل ہوئی' پورے گھر پر طاری سناٹے سے یک دم ہی اس کا دل ہول اٹھا بے شک نازیہ اس گھر میں اپنے ملازمین کے ہمراہ اکیلی ہی رہتی تھی مگر اس سے بیشتر جب بھی کبھی زینب آئی وہ اسے' ہمیشہ لاؤنج یا کچن میں ہنستی بولتی ملتی' ٹی وی یا ڈیک کی تیز آواز اور میوزک گھر کے سناٹے پر غالب رہتا مگر آج تو ہر طرف ایک عجیب سی خاموشی کا راج تھا جس نے زینب کو بھی بوکھلا دیا اور وہ ایک دم ہی بول اٹھی۔

"نازیہ کہاں ہے؟"

"وہ تو جی اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں انہوں نے آپ کو بھی وہیں بلایا ہے۔" اس دفعہ جواب دیتے ہوئے ملازمہ کی آواز میں ایک اداسی سی گھل گئی جس میں چھپی نازیہ کی محبت صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

"اچھا۔"

مزید کوئی بات کیے بنا وہ تیزی سے آگے بڑھی' لاؤنج عبور کر' اوپر جانے والی سیڑھیاں تیزی سے پار کرتی وہ بالکل سامنے نظر آنے والے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی' اس تمام عمل کے دوران جگنو آنکھیں موندے اس کے کندھے سے لگی رہی یہ ہی سبب تھا جو نازیہ کے روم میں داخل ہونے تک اس کی سانس بے ترتیب ہو چکی تھی اس نے دھیرے سے دروازہ کھولا سامنے بیڈ پر موجود نازیہ کو دیکھتے ہی وہ حق دق رہ گئی نازیہ اپنے بستر پر بالکل بے سدھ پڑی تھی' زینب کے پیچھے پیچھے سکینہ بھی اندر داخل ہوگئی اور سوئی ہوئی جگنو کو زینب کی گود سے لے لیا' وہ تیزی سے نازیہ کی سمت بڑھی۔

"نازیہ.....نازیہ۔"

قریب جا کر اس کا کندھا چھوتے ہوئے زینب نے پکارا۔

"ہاں....." بمشکل آنکھیں کھولتے ہوئے وہ سیدھی ہوئی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں۔"

اس کی اس قدر مخدوش حالت دیکھ کر زینب قدرے گھبرا سی گئی۔

"کچھ نہیں شاید فوڈ پوائزن ہوگیا ہے رات سے کچھ ہضم ہی نہیں ہو رہا جو کھاتی ہوں وہ نکل جاتا ہے اس قدر الٹیاں ہو رہی ہیں کہ پانی کا ایک گھونٹ حلق سے اترنا بھی کسی عذاب سے کم محسوس نہیں ہو رہا۔"

"اوہ یہ تو اچھی بات ہے۔" دل ہی دل میں قیاس آرائی کرتی زینب خوش ہو اٹھی۔

"جانتی ہو مریم اور جگنو دونوں کی دفعہ میری حالت بھی قدر خراب تھی۔"

"مطلب؟ میں کچھ سمجھی نہیں تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" نازیہ نے اٹھ کر تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے نا سمجھی کے عالم میں زینب کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"مطلب یہ کہ تم ماں بننے والی ہو۔" بنا کچھ جانے' بنا کچھ پوچھے زینب نے اپنے لگائے گئے اندازے کی خود ہی تصدیق بھی کر دی۔

"اچھا۔"

نازیہ تھوڑا سا حیران ہوتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"تم ڈاکٹر کے پاس نہیں گئیں؟" زینب نے تیزی سے سوال کیا۔
"گئی تھی اس نے کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیے ہیں جو آج ہوں گے پھر رپورٹس آئیں گی تو پتا چلے گا اصل مسئلہ کیا ہے کیونکہ میں تو اس تکلیف سے اب تھک گئی ہوں جانے کیا سبب ہے۔ جو بخار ختم ہونے میں بھی نہیں آرہا۔"
تھکن نازیہ کے لہجے سے عیاں تھی۔
"ان شاء اللہ تمہارے لیے ضرور کوئی خوش خبری آنے والی ہے' تم مٹھائی تیار رکھو۔" زینب اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولی۔
"اللہ کرے۔"
جانے کیوں نازیہ کے لہجہ میں کچھ بے یقینی سی تھی جسے اپنے خیالوں میں ڈوبی زینب نے محسوس ہی نہیں کیا اور پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ واپسی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ارے اتنی جلدی ابھی تو سکینہ تمہارے لیے کھانا تیار کر رہی ہے۔"
نازیہ اسے اس قدر جلد واپسی کے لیے تیار دیکھ کر حیران رہ گئی۔
"دراصل مریم اسکول ہے مجھے اسے واپس لیتے ہوئے گھر جانا ہے اس کی چھٹی ہونے میں ایک گھنٹہ رہ گیا ہے اور تقریباً" اتنا ہی وقت مجھے یہاں سے اس کے اسکول جانے میں لگے گا پھر کسی دن آؤں گی اور تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤں گی۔" زینب نے نازیہ کے ہاتھ تھامتے ہوئے بڑی محبت سے جواب دیا۔
"رک جاؤ میں خان بابا سے کہتی ہوں وہ تمہیں چھوڑ آئیں۔"
"ارے رہنے دو میں خود ہی چلی جاؤں گی۔"
مگر نازیہ نہ مانی اور پھر خان بابا نے اس کے ساتھ جا کر اسکول سے مریم کو اور پھر انہیں گھر چھوڑ کر ہی واپس گیا' نازیہ کی یہ ہی محبت تھی جو اس کی کوئی بھی تکلیف زینب کو بالکل ایسے دکھی کر دیتی تھی جیسے کسی سگی بہن کا دکھ یا تکلیف۔



وہ اسکول سے گھر آئی تو اماں کو اپنے کمرے میں موجود نہ پا کر ایک دم گھبرا اٹھی شاید وہ کئی دنوں سے ماں کو اپنے کمرے میں ایک مخصوص جگہ پر دیکھنے کی عادی ہو چکی تھی۔
"اماں.... اماں۔"
زور زور سے آواز لگاتی وہ تیزی سے کچن کی جانب آئی جو بالکل خالی پڑا تھا وہ دھک سے رہ گئی ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ وہ اسکول سے گھر آئے اور ماں موجود نہ ہو اور پھر گھر کا دروازہ بھی اس طرح کھلا ہو۔
"اماں کہاں گئیں؟"
اس سے قبل کہ وہ گھبرا کر دروازہ کھول کر باہر نکلتی کہ اسی پل باتھ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا' اماں کو باہر نکلتے دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی ماں باتھ روم میں ہو گی یہ خیال تو اسے آیا ہی نہیں تھا اپنی کچھ دیر قبل والی گھبراہٹ یاد کر کے وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔
"کیا ہوا کیوں اس طرح شور مچا رہی ہو۔" اماں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے دھیرے سے سوال کیا۔
"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"
آج کئی دنوں بعد ماں کو اس طرح اپنے پاؤں پر کھڑا دیکھ کر اس کا دل یک دم ہی خوشی سے بھر گیا خوشی نے اس کی بھوک کو بھی دوچند کر دیا۔

"ہاتھ منہ دھو کر کپڑے تبدیل کرلو میں کھانا لگاتی ہوں۔"

اور پھر اگلے ہی پل وہ بڑی پھرتی کے ساتھ کپڑے تبدیل کر کے دستر خوان پر آ گئی جہاں موجود آلو کے پراٹھے' سلاد اور رائتہ نے اس کی بھوک میں کئی گنا اضافہ کر دیا ماں کی محبت اور من پسند کھانا یہ دونوں احساس اسے اندر تک خوش کر گئے۔

"اماں آپ کو کیسے پتا چلا آج میرا دل آلو کے پراٹھے کھانے کو چاہ رہا تھا۔" وہ ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے لاڈ سے بولی۔

"اگر ماں اپنی اولاد کے دل کا حال نہ جانے تو کون جانے گا۔ جانتی ہوں اتنے دنوں کی بیماری کے باعث تمہارے لیے کچھ اچھا نہ بنا پائی تھی اس لیے جیسے ہی آج طبیعت کچھ بہتر ہوئی میں نے اپنی بیٹی کا من پسند کھانا بنا دیا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے آہستہ آہستہ ساری وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں کھانا کھا کر یہ کپڑوں کا تھیلا سامنے والی شمیم خالہ کو دے آؤ ان سے کہنا کہ پیسے ابھی دے دیں' ہمیں ضرورت ہے۔"

روٹی کا نوالہ توڑ کر منہ میں رکھتے ہوئے انہوں نے آہستہ سے کہتے ہوئے سامنے چارپائی پر موجود تھیلے کی جانب اس کی توجہ مبذول کروائی۔

"آج ہی تو آپ کی طبیعت ٹھیک ہوئی تھی پھر کیا ضرورت تھی مشین پر بیٹھ کر سلائی کرنے کی' ایک دو دن تو مزید صبر کر لیتیں طبیعت مزید بہتر ہوتی تو کپڑے بھی سل جاتے۔"

اس نے ماں کے ستے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

"شکر الحمدللہ آج میں پہلے سے بہت بہتر ہوں اس لیے سوچا جلدی جلدی تمام کام نمٹالوں اور تم فکر نہ کرو اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اللہ کرے آپ ایسے ہی ٹھیک رہیں۔"

دھیرے سے جواب دے کر وہ اپنے سامنے رکھا پراٹھا بڑی رغبت سے کھانے میں مصروف ہو گئی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے آج جانے کتنے دنوں بعد اسے کھانا نصیب ہوا ہو۔



"کیا بات ہے آج کل تمہارے ٹیوشن کے بچے نہیں آ رہے۔"

پچھلے دو دن سے خالی صحن دیکھ کر فرہاد نے اپنے دل میں آیا سوال پوچھ ہی لیا۔

"آج کل میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور پھر جگنو بھی دانت نکالنے کے باعث خاصی چڑچڑی سی ہو گئی ہے ہر دم روتی رہتی ہے اس لیے میں نے انہیں کچھ دنوں کی چھٹی دے دی ہے' ویسے بھی سب کے امتحانات بھی ختم ہو چکے ہیں اور کرنے کے لیے کوئی کام بھی نہیں تھا۔"

مٹر چھیل کے ٹوکری میں ڈالتے ہوئے زینب نے دھیرے دھیرے تمام وضاحت کی۔

"اچھا ایسا نہ ہو اس دوران انہیں کوئی اور اچھا ٹیچر مل جائے۔"

بظاہر ہنستے ہوئے فرہاد نے مذاق کیا' مگر جانے کیوں اسے فرہاد کا اس طرح کہنا کچھ اچھا نہ لگا وہ بنا کوئی جواب دیے خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہ کر اس بات کی منتظر رہی کہ شاید فرہاد اس سے پوچھے کہ تمہاری طبیعت کو کیا ہوا ہے؟ مگر لاحاصل وہ جانتی تھی کہ فرہاد شروع سے ہی اس طرح کی کوئی روایت نبھانے کا کبھی بھی قائل نہ رہا تھا یہ سب جانتے ہوئے بھی جانے کیوں آج زینب کا دل چاہا تکلفاً" ہی سہی' فرہاد اس کا دل رکھنے کے لیے اس کی

طبیعت کے حوالے سے اپنی تھوڑی سی پریشانی ظاہر کردے سوال کرے کہ تمہاری طبیعت کو کیا ہوا ہے؟ تم اتنی تھکی تھکی سی کیوں ہو؟ مگر وہ منتظر ہی رہی اور فرہاد خاموش بیٹھا چائے پیتا رہا وہ مڑ سے بھری باسکٹ اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی جب کچھ سوچتے ہوئے اسے فرہاد نے پکارا۔

"جتنے دن تم نے بچوں کو پڑھایا ہے اس کی ٹیوشن فیس تمہیں مل گئی تھی۔"

وہ پرسوچ نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑے بیٹھا تھا۔

"کیوں...؟"

فرہاد کا یہ سوال اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

"ایسے ہی پوچھ رہا ہوں جب تم نے اتنے دن محنت کی تو فیس ملنا تو تمہارا حق تھا نا۔" اس کی یہ ہمدردی زینب کو قطعاً" پسند نہیں آئی۔

"فیس میں ایڈوانس میں لیتی ہوں۔" دل نہ چاہتے ہوئے بھی اسے وضاحت کرنا پڑی۔

"ویسے ایک بات بتاؤ تمہاری طبیعت کو ایسا کیا ہوا تھا جو تم نے اچھے خاصے ٹیوشن کے بچے چھوڑ دیے ایک لگی بندھی رقم اگر ہاتھ میں آجاتی تھی تو کیا برا تھا۔"

یہ تھی وہ اصل وجہ جس کی تمہید شروع سے باندھی جارہی تھی۔

"میں بہت تھکنے لگی تھی اور یہ تھکن میرے چہرے پر چھا کر اس کے نقوش خراب کرنے لگی تھی۔ اس ٹیوشن نے تو میرے چہرے کی تمام رونق ہی ختم کردی تھی۔"

یہ تمام الفاظ سالار کے ادا کیے ہوئے تھے اس نے کہا تھا کہ "چند سو روپوں کے لیے دو گھنٹے تک اپنا جو دماغ کھپاتی ہو اس کے اثرات تمہارے چہرے پر نمایاں ہونے لگے ہیں" سالار کے پیش کردہ اس تجزیہ سے خوف زدہ ہو کر اس نے ٹیوشن چھوڑ دی۔

اس کا حسن ہی تو ایک ایسا ہتھیار تھا جس کے باعث وہ کئی لوگوں میں نمایاں تھی اور جو یہ حسن ہی نہ رہتا تو شاید اس کے پاس کچھ باقی نہ بچتا اور وہ بھی دنیا کی عام سی عورتوں میں ہی شامل ہو جاتی مگر اسے خود کو خاص رکھنا تھا اور اس کے لیے اسے اپنی حفاظت کرنی ہے۔ جس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے آپ کو ریلیکس کرتی۔

"اچھا بھلا چہرہ ہے تمہارا کوئی رونق ختم نہیں ہوئی اور جہاں تک تھکنے کا تعلق ہے وہ ایک الگ مسئلہ ہے ورنہ تین، چار بچے پڑھانے سے کون تھکتا ہے؟ اب اپنی دوست سادیہ کو ہی دیکھ لو پانچ گھنٹے اسکول میں دماغ کھپا کر آتی ہے مگر پھر بھی کتنی فریش نظر آتی ہے! تمہاری ٹیوشن کے بہانے تو مریم بھی پڑھ لیا کرتی تھی۔"

"مریم کو تو ظاہر ہے ابھی بھی میں نے ہی پڑھانا ہے اور پڑھا بھی رہی ہوں کیونکہ وہ میری ذمہ داری ہے۔"

اس کا انداز خاصا جتاتا ہوا سا تھا، جسے فرہاد نے محسوس ہی نہیں کیا اور ریموٹ ہاتھ میں لے کر چینل سرچ کرنے لگا، زینب کو اس کا اس طرح ٹیوشن پڑھانے پر زور دینے والا عمل بالکل بھی پسند نہیں آیا یا شاید اپنی منفی سوچوں کے باعث وہ ہر بات کو ہی منفی انداز میں دیکھنے کی عادی ہوتی جارہی تھی۔



سالار نے ذرا سی گردن گھما کر دیکھا، نازیہ گہری نیند میں ڈوب چکی تھی اس کی یہ نیند شاید ان دواؤں کے زیر اثر تھی جو وہ اپنی بیماری کے پیش نظر دن میں کئی بار کھاتی تھی مگر اس نیند کی حالت میں بھی ایک تکلیف اور اذیت اس کے چہرے پر نمایاں تھی، وہ آج بھی اس کے تمام ٹیسٹ کروا کر آیا تھا رپورٹس اگلے ہفتے تک مل جانی تھیں اس کے بعد ہی صحیح معنوں میں نازیہ کے علاج کا عمل شروع ہوتا ابھی تو عارضی طور پر اس کی بیماری کو کنٹرول میں کرنے

کے لیے اسے کچھ دوائیاں دی جا رہی تھیں اس کے باوجود اس کی دن بدن گرتی صحت سالار کو تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔

مگر وہ اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا تھا جب تک اس کی بیماری کا علم نہیں ہو جاتا' اس نے آہستہ آواز میں نازیہ کے سرہانے رکھا لیمپ آف کر دیا' کمرے میں زیرو پاور کی ہلکی نیلی روشنی چاروں طرف پھیل گئی تکیہ سیدھا کر کے لیٹنے سے قبل اس نے ایک نگاہ پھر سے نازیہ پر ڈالی مگر اب وہاں نازیہ نہیں تھی بلکہ گہری نیند میں ڈوبی زینب کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔

"زینب....."

مارے تحیر کے سالار کے منہ سے ہلکی سی آواز برآمد ہوئی۔

"ہائے....."

نازیہ کروٹ بدلتے ہوئے کراہی' زینب کا چہرہ ہوا میں کہیں تحلیل ہو گیا سالار فوراً" چونک کر سیدھا ہوا وہ منتظر تھا کہ شاید نازیہ کے منہ سے کوئی اور آواز نکلے مگر اب وہاں سوائے نازیہ کی تیز سانسوں کے آواز کے کچھ نہ تھا وہ کروٹ بدلتے ہوئے ایک بار پھر گہری نیند میں ڈوب چکی تھی مگر سالار کے نیند دور کہیں غائب ہو گئی اس کے تصور پر بری طرح زینب غالب آ گئی۔

وہ اٹھ بیٹھا جانتا تھا کہ اس کے یہ خیالات سوائے ذہنی پراگندگی کے کچھ نہیں مگر پھر بھی پچھلے کئی عرصہ سے زینب اس کے ان خیالات پر بری طرح حاوی ہو چکی تھی' یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایک شادی شدہ عورت اور دو بچیوں کی ماں ہے۔ سالار چاہتے ہوئے بھی اس کے خیالات سے پیچھا نہ چھڑا پا رہا تھا کبھی کبھی تو اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ دن بدن زینب کی محبت میں غرق ہوتا جا رہا ہے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کی اس اندھی محبت کا انجام کیا ہو گا مگر پھر بھی اپنا یہ پاگل پن اسے اس وقت خوف زدہ کر دیتا جب اس کے نزدیک موجود نازیہ کا وجود زینب کے ہیولا میں ڈھل جاتا' اسے ڈر لگتا' کہیں وہ اپنی بے خودی میں زینب کے نام سے نہ پکار لے یہ بھی سبب تھا جو وہ نازیہ سے طویل گفتگو کرتے ہوئے گھبرانے لگا تھا اس کی تمام گفتگو صرف ہوں ہاں میں سمٹ کر رہ گئی تھی جس کا افسوس اسے بھی ہوتا مگر کیا کرتا وہ مجبور تھا۔

اس نے ایک بار پھر نازیہ پر نگاہ ڈالی اور اٹھ بیٹھا اس کی نیند اب بالکل اچاٹ ہو چکی تھی وہ اٹھ کر باہر ٹیرس میں آ گیا جہاں چلنے والی ٹھنڈی اور تازہ ہوا نے اسے بالکل فریش کر دیا اس نے وہاں موجود کرسی کو ریلنگ کے قریب کیا اور اس پر بیٹھ کر اپنے آپ کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا اپنے ذہن کو ہر طرح کے خیالات سے آزاد کرتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆ ☆

وہ مریم کا یونیفارم استری کر رہی تھی جب بیرونی دروازہ کھول کر فرہاد اندر داخل ہوا۔

"یہ گیٹ کیوں کھلا ہوا ہے؟"

اندر آتے ہی اس کے تنقیدی عمل کا آغاز ہو گیا۔

"مریم سادیہ کے گھر گئی ہے۔"

زینب جواب دینے کے ساتھ ساتھ اپنے کام میں بھی مصروف رہی۔

"اس وقت....."

فرہاد نے سامنے موجود گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔

"ہاں میں نے کھیر پکائی تھی سوچا اسے بھی بھیج دوں وہی دینے گئی ہے۔ بس اب آتی ہی ہو گی۔"

"عجیب کم عقل عورت ہو تم بھلا رات کے آٹھ بجے کون اکیلی بچی کو اس طرح باہر بھیجتا ہے۔" وہ الٹے پاؤں واپس گیٹ کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

زینب نے کوئی جواب نہیں دیا حالانکہ جانتی تھی کہ اس وقت پوری گلی میں موجود بچے جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں کھیل کود رہے ہیں مگر فرہاد کو اس سب کی وضاحت کرنا بھینس کے آگے بین بجانا تھا لہذا خاموشی سے اپنا کام مکمل کرنے لگی فرہاد کے باہر نکلنے سے قبل ہی مریم دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

"السلام علیکم ابو جی۔"

فرہاد کو گھر دیکھتے ہی وہ خوشی سے نہال ہو گئی فرہاد نے کچھ کہے بنا آگے بڑھ اسے گود میں اٹھالیا' کچھ دیر قبل والا فرہاد کا غصہ بالکل ختم ہو گیا زینب اٹھ کھڑی ہوئی تاکہ دستر خوان لگا سکے جب اچانک اس کی نگاہ چارپائی پر رکھے ایک بڑے سے تھیلے پر پڑی۔

"یہ کیا ہے؟ کون لایا ہے؟"

اسے حیرت ہوئی کہ یہ تھیلا کون لایا ہے۔

"ظاہر ہے میں باہر سے آیا ہوں تو میں ہی لایا ہوں۔"

زینب کی بات کا جواب دیتے ہوئے وہ باہر نلکے پر ہاتھ دھونے چلا گیا' زینب کا دل چاہا کہ آگے بڑھ کر دیکھے اس تھیلے میں کیا ہے؟ مگر اسے اچھا نہیں لگا کہ وہ بنا اجازت اس تھیلے کو ہاتھ لگائے اسی لیے خاموشی سے کچن میں آگئی جلدی جلدی کھانا گرم کر کے ٹرے میں لیے باہر آگئی جہاں سامنے ہی چارپائی پر فرہاد وہ بڑا سا شاپر کھولے بیٹھا تھا غالباً اس میں کچھ کپڑے تھے۔ جو زینب کو دور سے ہی دکھائی دے رہے تھے۔

"اصل میں میرا ایک دوست یاسمین آپا کی طرف جا رہا تھا تو سوچا کیوں نہ ان کے لیے کچھ بھیج دوں۔"

تھیلے سے کپڑے باہر نکالتے ہوئے فرہاد نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"اچھا۔"

زینب نے صرف اتنا ہی کہا اور ٹرے اس کے سامنے رکھے لکڑی کے ٹیبل پر رکھ دیا اس کا دل ایک دم ہی مرجھا گیا اسے لگا جیسے تمام الفاظ ختم ہو گئے ہوں۔

"یہ دو سوٹ تمہارے ہیں۔"

دو سوٹ خود ہی الگ کر کے اس نے زینب کی طرف بڑھائے۔

"دراصل یاسمین آپا نے کہا تھا ان کے لیے گرین اور ریڈ کلر کے کپڑے خریدوں' اس لیے یہ والے دونوں ان کے ہیں۔"

مزید دونوں سوٹ زینب کو دکھائے بنا ہی اس نے تھیلا بند کر دیا دل تو چاہا ہاتھ میں پکڑے دونوں سوٹ بھی واپس وہیں چارپائی پر رکھ دے اور کہے کہ یہ بھی یاسمین آپا کو ہی دے دیں مگر وہ ایسا نہ کر سکی دونوں سوٹوں کو اٹھا کر کمرے میں موجود الماری میں جا ڈالا۔

فی الحال اس کا ارادہ ان میں سے کوئی بھی سوٹ سلوا کر پہننے کا نہیں تھا حالانکہ جانتی تھی کہ اس کے اس عمل کا کوئی بھی فرق فرہاد پر پڑنے والا نہیں ہے مگر پھر بھی وہ اپنی اس دلی تکلیف کو شاید اسی طرح کم کرنا چاہتی تھی۔

اپنے حق میں کیے جانے والے فیصلے سے مطمئن ہو کر وہ برآمدے میں آگئی تاکہ خود بھی کھانا کھالے اور ویسے بھی وہ مریم کو بھی اپنے ہاتھوں سے ہی کھانا کھلایا کرتی تھی اور یقیناً" اس وقت بھی باہر موجود مریم اس کی منتظر تھی اس کی اپنی بھوک بالکل ختم ہو چکی تھی اس نے خاموشی سے مریم کو کھانا کھلایا اور برتن سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی'

فرہاد اس سے پہلے ہی کھانا ختم کرکے ٹی وی کے سامنے جا بیٹھا تھا اس نے ایک نگاہ سامنے موجود چارپائی پر ڈالی جو اس وقت بالکل خالی تھی یقیناً" کپڑوں کا شاپر اٹھالیا گیا تھا۔

"کھانا کھالیا ہو تو ایک کپ چائے کا بنا دینا۔"

کچن میں داخل ہونے سے قبل اسے اپنے عقب میں فرہاد کی آواز سنائی دی۔ برتن دھونے کے ساتھ ساتھ' چائے کا کپ تیار کرکے جب وہ برآمدے میں آئی تو فرہاد بڑے انہماک کے ساتھ کوئی پاکستانی فلم دیکھنے میں مصروف تھا زینب نے خاموشی سے اس کے قریب چائے کا کپ رکھ دیا۔

"چائے لے لیں۔"

ساتھ ہی آواز لگا کر اس نے فرہاد کو مخاطب بھی کیا مبادا بے دھیانی میں کہیں گرم چائے گر ہی نہ جائے' فرہاد نے ایک سرسری سی نگاہ کپ پر ڈالی اور پھر سے ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گیا' زینب نے اس کے قریب لیٹی جگنو کو آگے بڑھ کر اٹھا لیا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"خلاف توقع فرہاد نے اس پر ایک نگاہ طائرانہ ڈالتے ہوئے حیرت سے سوال کیا شاید اسے زینب کے بگڑے موڈ کا اندازہ ہو چلا تھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔"

اس کا موڈ فی الحال کوئی بھی شکوے شکایت کرنے کا نہیں تھا۔

"تو پھر منہ کیوں اس طرح بنایا ہوا ہے؟"

اس نے ریموٹ سے ٹی وی کی آواز قدرے کم کرتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے تمہیں اچھا نہیں لگا کہ میں نے تمہارے ساتھ ساتھ یاسمین آپا کے لیے شاپنگ کیوں کی ہے' صحیح کہہ رہا ہوں نا میں۔"

"بات یہ نہیں ہے دراصل آپ کو چاروں جوڑے میرے سامنے رکھ دینے چاہیے تھے تاکہ جو کلر مجھے پسند آتا میں لے لیتی ورنہ میرے لیے جو بھی کچھ خریدیں مجھے ساتھ جا کر خرید اکریں۔"

اب چونکہ وہ بنا کہے ہی سب کچھ جان چکا تھا لہٰذا دل میں کوئی بات رکھنے کا فائدہ نہیں تھا اس لیے زینب نے ہر بات کہہ ڈالی۔

"بات صرف اتنی ہے زینب تمہارے خاندان میں بیٹیوں کو دینے کا قطعی کوئی رواج نہیں ہے اب تم خود کو دیکھو کبھی تمہارے بھائی یا ماں نے عید پر بھی تمہیں کچھ نہیں بھیجا اس لیے شاید تمہیں برا لگتا ہے اگر میں یاسمین آپا کے لیے کچھ لے کر آؤں ورنہ ہمارے یہاں تو ہر عید' شب برات شادی شدہ بیٹیوں کے گھروں میں بہت کچھ جاتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تمہارے گھر والے بھی تمہیں دیں' صرف بتا رہا ہوں کہ فضہ بھابھی اور صباحت بھابھی کے میکے سے تو باقاعدہ ہر سال گرمیوں اور سردیوں کے کپڑے بھی آتے ہیں' یہ ہی وجہ ہے' جو ہمیں بھی اپنی بہن کے لیے کرنا پڑتا ہے۔"

وہ بات کو بالکل ہی غلط رخ پر لے گیا تھا غصے پر دکھ کی کیفیت غالب آگئی اور یہ دکھ اسے فرہاد کے بے لاگ تبصرے نے دیا تھا اس کے حلق میں یک دم ہی ایک آنسوؤں کا گولہ سا پھنس گیا۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں میری ماں نے اپنی بیوگی میں' ہم بہن بھائیوں کی پرورش محلے کے بچوں کو قرآن شریف پڑھا کر کی اور پھر بھی اللہ کا شکر ہے انہوں نے ہمیں کبھی کسی کم مائیگی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ ابھی بھی

اپنی حیثیت کے مطابق وہ ہر سال عید پر مجھے اور آپا کو کچھ رقم ضرور بھیجتی ہیں ویسے بھی جہاں تک میں سمجھتی ہوں بیٹیوں کو کچھ دینا اپنی خوشی اور خواہش ہوتی ہے اس سلسلے میں ہمارے مذہب میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔"

"یہ ہی بات تو میں تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں یاسمین آپا کو اگر ہم کچھ دیتے ہیں تو اپنی رضامندی اور خوشی کے ساتھ دیتے ہیں اس سلسلے میں ان کی طرف سے ہم پر کوئی دباؤ نہیں ہوتا۔"

"میں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں فرہاد آپ نے اگر شاپنگ سے قبل آپا کو فون کرکے ان کی پسند و ناپسند کے باعث دریافت کیا تھا تو کم از کم آپ کی بیوی ہونے کے ناطے میرا بھی یہ حق ہے کہ آپ کے سامنے اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار کرسکوں۔"

"یہ چائے اٹھالو تم نے شاید غصہ میں بے تحاشا پتی ڈال دی ہے حلق سے ایک گھونٹ اترنا محال ہوگیا سارا حلق بھی کڑوا کرکے رکھ دیا۔"

شاید اس کے پاس زینب کی بات کا کوئی جواب نہیں تھا اور جب وہ لاجواب ہوتا اپنا غصہ فوری طور پر کسی اور سمت منتقل کردیتا۔

"لائیں تھوڑا دودھ اور ڈال کے لے آوں۔"

جانتی تھی کہ چائے میں پتی روز مرہ کے حساب سے بالکل صحیح ہے اور یہ صرف فرہاد کو اسے اپنے موضوع سے ہٹانے کا ایک طریقہ تھا۔

"رہنے دو مجھے نہیں پینی۔"

چائے کا ٹرے پرے کھسکاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا زینب نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی جہاں نظر آنے والی کرختگی نے اس کے دل کو تھوڑا سا خوف زدہ کردیا وہ سمجھ گئی کہ فرہاد کا موڈ بری طرح آف ہوچکا ہے اور اب جانے مزید کتنے دن لگیں اس کے موڈ کو دوبارہ بحال ہونے میں "کیا ضرورت تھی مجھے بلاوجہ یاسمین آپا کے کپڑوں کو لے کرا تنی باتیں بنانے کی۔"

یہ سوچ کر وہ دل ہی دل میں بہت پچھتائی مگر اب افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا تیر کمان سے نکل چکا تھا اس نے ایک گہری سانس بھرتے ہوئے چائے کا کپ اٹھالیا اور مردہ قدموں سے کچن کی جانب چل دی جبکہ فرہاد اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔



"ایکسکیوز می مس۔۔" وہ کلاس لے کر باہر نکلی ہی تھی کہ اپنے عقب سے آنے والی مردانہ آواز سن کر اس کے قدم وہیں تھم گئے اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اس کے عین سامنے کھڑا نوجوان یقیناً" اس کا کلاس فیلو تھا مگر چونکہ اس کی سوائے حفصہ کے کسی سے کوئی دوستی نہ تھی اس لیے وہ کسی کو پہچانتی بھی نہیں تھی۔

"یہ نوٹ بک غالباً" آپ کی ہے۔"

اس کے پیچھے دیکھتے ہی نوجوان نے اپنے ہاتھ میں تھمی نوٹ بک اس کی جانب بڑھائی جو یقیناً" اس کی تھی۔

"اوہ۔" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا۔

"میں نے یہ حفصہ کو دی تھی شاید وہ بھول گئی۔"

جواب دے کر اس نے ایک نگاہ کچھ دور کھڑی حفصہ پر ڈالی جو مس رخشندہ سے اپنے اسائنمنٹ کے سلسلے میں کوئی بات کرنے میں مصروف تھی۔

"بہرحال بہت بہت شکریہ آپ کا یہ میری ایک اہم نوٹ بک تھی۔"

اس نے مسکراتے ہوئے اس نوجوان کے ہاتھ میں تھمی اپنی نوٹ بک واپس لے لی اس نوٹ بک میں اس کا وہ اسائنمنٹ بھی موجود تھا جو اگلے پیریڈ میں اسے جمع کروانا تھا اور اگر آج یہ نوٹ بک کھو جاتی تو اسے ایک بار پھر نہ صرف اسائنمنٹ مکمل کرنے کے لیے محنت کرنا پڑتی بلکہ آج اسائنمنٹ نہ دینے کی صورت میں مس آمنہ کی باتیں بھی سننا پڑتیں۔

"نہیں اس میں شکریہ کی کوئی بات نہیں ہے۔"

اس کی بات کا جواب دے کر وہ نوجوان آگے کی جانب بڑھ گیا۔ جب **حفصہ** اس کے قریب آئی۔

"اوہو خوب باتیں ہو رہی تھیں مطلب یہ کہ تم نے بھی دوست بنانے شروع کر دیے ہیں۔" جواباً" اس نے کوئی وضاحت نہ کی صرف ہلکا سا مسکرا دی۔

"یار تم تو اتنی خوب صورت ہو کہ لگتا ہے گریجویشن مکمل کرتے کرتے تمہارا رشتہ بھی پکا ہو جانا ہے اور مجھے تو مشکل لگتا ہے کہ تم آگے مزید تعلیم حاصل کر سکو۔"

حفصہ پہلے دن سے اس کے حسن سے اس قدر ہی متاثر رہا کرتی تھی۔

"تمہارے سب اندازے غلط ہیں۔"

وہ **حفصہ** کے ساتھ چلتی ہوئی دھیرے دھیرے سیڑھیوں کی جانب بڑھی "اس کالج میں داخلہ لینے سے قبل ہی نہ صرف یہ کہ میرا رشتہ پکا ہو چکا تھا بلکہ آل ریڈی میں نکاح شدہ ہوں۔"

وہ تلخ سچائی جو وہ کبھی کسی سے شیئر نہ کرتی تھی جانے کیسے آج خود بخود اس کے منہ سے نکل گئی یا شاید اب یہ راز دل میں رکھ رکھ کر وہ بھی تھک سی گئی تھی۔

"واٹ......"

حفصہ کو جیسے جھٹکا لگا۔

"تم نے تو مجھے آج تک نہیں بتایا۔"

وہ حیرت میں ڈوبی اپنی جگہ پر ہی کھڑی رہ گئی۔

"کون ہے وہ خوش نصیب جسے تمہارا شوہر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔"

"ہے میرا ایک کزن مگر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آیا وہ خوش نصیب ہے یا بد نصیب۔"

جملہ ختم کرتے ہی وہ ہلکا سا ہنس دی اس ہنسی میں چھپا درد کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بے حد قریب تھے۔

"تمہارے آج کے اس انکشاف نے تو مجھے حقیقت میں شاکڈ کر دیا ہے۔ بہرحال اب تمہاری سزا یہ ہے کہ آج تم مجھے کینٹین میں ایک اچھی سی ٹریٹ دو گی۔"

اس کے دل کا حال جانے بنا **حفصہ** تیز تیز بولتی آگے کی جانب چل دی اور وہ بنا کچھ کہے اس کی تقلید میں قدم اٹھانے لگی۔ اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ جذبات میں بہہ کر منہ سے نکلنے والی اس کی باتوں کا **حفصہ** نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا ورنہ تو شاید اس کے لیے مشکل ہو جاتا **حفصہ** کو اس سلسلے میں کوئی بھی وضاحت دینا کیوں کہ ابھی تو حقیقت کیا ہے وہ خود نہیں جانتی تھی۔

اس رشتہ کے حوالے سے سوائے ملک صاحب کے آج تک کوئی اس کے سامنے نہیں آیا تھا اور غالباً" یہ وہ وجہ تھی جو کئی بار راتوں میں اس کی نیند اڑ جایا کرتی تھی اور ایسے میں وہ اپنی تمام طنابیں وقت کے ہاتھوں میں تھما کر مطمئن ہونے کی کوشش کیا کرتی اور اکثر کامیاب بھی ہو جاتی۔

بہرحال جو بھی تھا اس کی زندگی کس سمت بہہ رہی تھی؟ اس کا انجام کیا ہوگا؟ فی الحال وہ کچھ نہیں جانتی تھی

اس لیے چپ چاپ خاموشی سے زندگی کو بس جیے چلی جا رہی تھی اس امید میں کہ وہ دن جلد آئے گا جب وہ ایشال کی ہمراہی میں ملک صاحب کے گھر کی دہلیز پر اپنے قدم رکھ سکے اس کی زندگی جینے کا شاید یہ ہی ایک مقصد اب باقی رہ گیا تھا۔



آج کئی دن ہو گئے تھے اسے نازیہ کی کوئی خیر خبر ہی نہیں ملی تھی ایک تو مریم کے سالانہ امتحانات شروع تھے جن میں وہ بری طرح مصروف تھی دوسرا جگنو کو بھی پچھلے کئی دنوں سے بخار تھا کئی بار کوشش کی کہ فون پر ہی بات کرے مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گئی جانتی تھی فرہاد ہر چیز کی طرح ٹیلیفون کا بھی بڑا حساب کتاب رکھتا ہے اس سلسلے میں ٹیلیفون کا ذرا سا بھی زیادہ آجانے والا بل اس کا موڈ کئی دنوں تک آف کر دیتا۔

جبکہ زینب اگر نازیہ سے بات کرتی تو یقیناً" آدھ 'ایک گھنٹہ تو ضرور صرف ہوتا' جس کے نتیجہ میں بل میں ہونے والا اضافہ اسے فرہاد کی عدالت میں کھڑا کر دیتا اس کا کہنا تھا کہ فون پر کی جانے والی گفتگو مختصراً" ہونی چاہیے اور بلا ضرورت فون کا استعمال نہ صرف پیسہ بلکہ وقت کا بھی ضیاع ہے جبکہ شاید اس قانون سے وہ اور اس کی بہن بالاتر تھے۔

بہرحال جو بھی تھا دو دن قبل اس نے ذرا سی دیر کے لیے نازیہ کے گھر فون کیا تھا' وہ تو نہیں تھی شاید ہاسپٹل گئی تھی مگر سکینہ سے جو بات ہوئی اس سے زینب کو صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ نازیہ کی تمام رپورٹس آ گئی تھیں مزید اس حوالے سے سکینہ کچھ نہیں جانتی تھی آگے مزید کچھ جاننے کے لیے زینب کی نازیہ سے ملاقات اشد ضروری تھی۔

"شام میں فرہاد سے کہوں گی کہ مجھے نازیہ کی عیادت کے لیے جانا ہے اور وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر جائے۔"

یہ سوچ کر وہ تھوڑا سا مطمئن ہو گئی آج تو اس نے کئی بار فضہ بھابھی کو بھی دل سے یاد کیا وہ جو یہاں ہوتیں تو ہر پل کی خبر دے دیتیں مگر افسوس وہ ابھی تک واپس ہی نہ آئی تھیں۔

وہ ان ہی سوچوں میں گم تھی جب اچانک گیٹ کے باہر ابھرنے والی رکشا کی تیز آواز سے چونک اٹھی شاید ہمارے گھر ہی کوئی آیا ہے' اگلے ہی پل اطلاعی گھنٹی کی آواز نے اس کے خیال کی تصدیق بھی کر دی' وہ کچن سے باہر نکلی مریم بنا پوچھے گیٹ کھول چکی تھی باہر موجود شخصیت اندر داخل ہوئی جسے دیکھتے ہی زینب کچھ دیر قبل والی ساری کوفت بھول کر خوشی سے کھل اٹھی۔

"السلام علیکم اماں۔"

اپنی ماں کو آج کئی ماہ بعد اچانک اس طرح اپنے سامنے دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گئی اور تیزی سے آگے بڑھ کر ان کے گلے لگ گئی۔

"وعلیکم السلام۔" اماں بی نے سیدھا ہاتھ اس کے سر اور کمر پر پھیرتے ہوئے اسے پیار کیا۔

"میں تو سمجھی شاید تم پاکستان چھوڑ کر کسی دور دراز ملک میں جا بسی ہو جو ماں اور بہن بھائیوں کی خیر خبر لینے سے ہی گئیں۔"

اماں بی نے ہنستے ہنستے پیار بھرا شکوہ کیا۔

"بس اماں کیا بتاؤں گھر کے کاموں سے ہی فرصت نہیں ملتی ورنہ سچ جانیں کوئی ایسا پل نہیں جو میں آپ کو یاد نہیں کرتی۔" نہیں ساتھ لیے وہ اندر برآمدے میں داخل ہو گئی۔

"آپ اکیلی آئی ہیں؟"

اپنی خوشی میں وہ یہ بات پوچھنا تو بھول ہی گئی تھی جو سب سے پہلے پوچھنا چاہیے تھی۔

"ہاں بیٹا تم خود اس قدر کم آتی جاتی ہو کہ میرا دل ہی نہ چاہا کہ تمہاری کسی بھابھی سے یہاں آنے کا ذکر کرتی، حسن تو ویسے بھی یہاں نہیں ہے آفس کے کام کے سلسلے میں کراچی گیا ہوا ہے' احسان صبح دکان پر جاتا ہے اور رات میں واپس آتا ہے اب بھلا کس کے پاس اتنا ٹائم جو مجھے لیے لیے پھرے اور دل تم سے ملنے کے لیے اس قدر اتاولا ہو رہا تھا کہ میں نے کسی سے کہا بھی نہیں' دل میں تمہاری محبت کا ابال آیا خود ہی رکشا کیا اور یہاں تک آ گئی۔"

اماں بی نے تخت پر بیٹھتے بیٹھتے ہر بات کی وضاحت کردی۔

"چلیں یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا اب آپ دو تین دن یہاں رہیے گا میرے پاس۔"

وہ دلار سے ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی۔

"ارادہ تو یہ ہی ہے اگر احسان لینے نہ آگیا تم تو جانتی ہو وہ شروع سے ہی رات مجھے کہیں نہیں رہنے دیتا۔"

"کوئی بات نہیں آج میں خود فون کرکے اسے منع کردوں گی کہ آپ کو لینے نہ آئے ماں تو ہم سب کی ایک جیسی ہے' اچھا یہ سب چھوڑیں پہلے یہ بتائیں آپ کھانے میں کیا کھائیں گی۔"

باتوں کے دوران زینب نے دیکھا کہ مریم بھاگ کر اندر کمرے سے تکیہ لے آئی تھی جو اس نے نانی کے کمر کے پیچھے لگا دیا تھا۔ مریم کا نانی کے لیے اتنا خیال' زینب کو بہت اچھا لگا۔

"جو دل چاہے بنا لو مجھے تو تمہارے ہاتھ کا کھانا ویسے بھی بہت پسند ہے ماشاء اللہ بڑی لذت ہے تمہارے ہاتھوں میں۔"

زینب سر ہلاتی فریج کی جانب بڑھی تاکہ دیکھے اگر کچھ گوشت یا مرغی ہو تو ماں کے لیے کھانا تیار کرسکے کچھ دیر قبل اپنا دال' چاول بنانے کا ارادہ اس نے قطعی طور پر ترک کردیا۔



وہ صوفے پر بیٹھا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا' مما فون پر اس بری طرح مصروف تھیں کہ انہیں ایشال کی پریشانی نظر ہی نہیں آرہی تھی۔ بنا پوچھے ہی وہ جان چکا تھا کہ فون کے دوسری طرف یقیناً "آپا" ہیں جو اس کی سگی بہن تو نہیں تھیں مگر مما کے نزدیک سگی اولاد سے بڑھ کر تھیں اور وہ ہر دوسرے دن یوکے سے مما کو کال ضرور کرتی تھیں اور مما بھی دنیا کے سارے کام چھوڑ کر اس کال کی منتظر رہا کرتیں ایشال کا انتظار ختم ہوا اور مما نے فون بند کر اس پر ایک نگاہ ڈالی۔

"کیا ہوا تم کیوں اتنے پریشان دکھائی دے رہے ہو۔"

وہ ایشال کے قریب ہی صوفے پر آن بیٹھیں۔

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں مما اور اریشہ کی دی ہوئی مہلت ختم ہونے میں صرف آج کی رات باقی ہے کل صبح شاید وہ شاہ زیب کے حق میں اپنا فیصلہ سنا دے گی۔"

دو انگلیوں کی مدد سے اپنا ماتھا رگڑتے ہوئے وہ دھیرے سے بولا۔

"اور میری سمجھ میں نہیں آرہا میں پاپا تک اپنا انکار کس طرح پہنچاؤں کیسے انہیں آمادہ کروں کہ وہ پہلے والا رشتہ ختم کرکے میرے لیے نیا رشتہ استوار کریں' شروع شروع میں آسان دکھائی دینے والا یہ کام ہر گزرتے دن کے ساتھ میرے لیے مشکل ہوتا جارہا ہے۔"

"جو بھی ہے بات تو تمہیں کرنا ہی پڑے گی ورنہ ساری زندگی اسی طرح رو دھو کر گزر جائے گی اور میں ایسا بالکل

نہیں چاہتی۔"

مما نے اس کے کندھے کو ہولے سے دبایا۔

"میرا خیال ہے کہ آج مجھے ہمت کر کے پاپا سے ہر حال میں بات کرنا ہوگی چاہے کچھ بھی ہو ورنہ ایسا نہ ہو میرے سوچنے سوچنے میں وقت ہاتھ سے ریت کی طرح پھسل جائے۔"

"لیکن آج تو بہت مشکل بلکہ ناممکن تمہارا اپنے پاپا سے کوئی بھی بات کرنا کیونکہ وہ ابھی دو گھنٹے تک دوبئی جانے والے ہیں ان کے دوست اسماعیل کو تو جانتے ہو نا بس ان کے بیٹے کی شادی ہے جس میں شریک تو مجھے بھی ہونا تھا' مگر میری یہاں ایک بہت ضروری میٹنگ تھی جس کی وجہ سے میں نہیں جاسکتی۔"

"اُفوہ مما اب میں کیا کروں اگر آج کی یہ رات بنا کسی فیصلہ کے گزر گئی تو کل کا سورج یقیناً "اریشہ کو مجھ سے دور کردے گا پلیز مما خدا کے لیے کچھ کریں۔"

پاپا کے جانے کا سنتے ہی اس کی بے چینی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

"کچھ نہیں ہوتا اریشہ کو میں اسے ابھی فون کر کے سمجھا دیتی ہوں۔"

ایشال کی پریشانی نے مما کو بھی ڈسٹرب کر دیا۔

"وہ نہیں ماننے کی آپ جانتی ہیں نا وہ کس قدر ضدی ہے میں ہی کچھ کرتا ہوں۔"

عالم اضطراب میں' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کس کی ضد کی بات ہو رہی ہے؟ اور یہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو۔"

اپنی باتوں میں مگن ماں بیٹے کو احساس ہی نہ ہوا کہ ملک صاحب لاؤنج کا دروازہ بے آواز کھول کر ان کے سروں پر آن کھڑے ہوئے اب جو ان کی آمد کا علم ہوا تو دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر سن کھڑے رہ گئے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

نفیسہ سعید

ایسا کرب ہے زندگی

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کروا دیتے ہیں جبکہ ایشال کی دلچسپی اپنی کزن عریشہ میں ہے۔

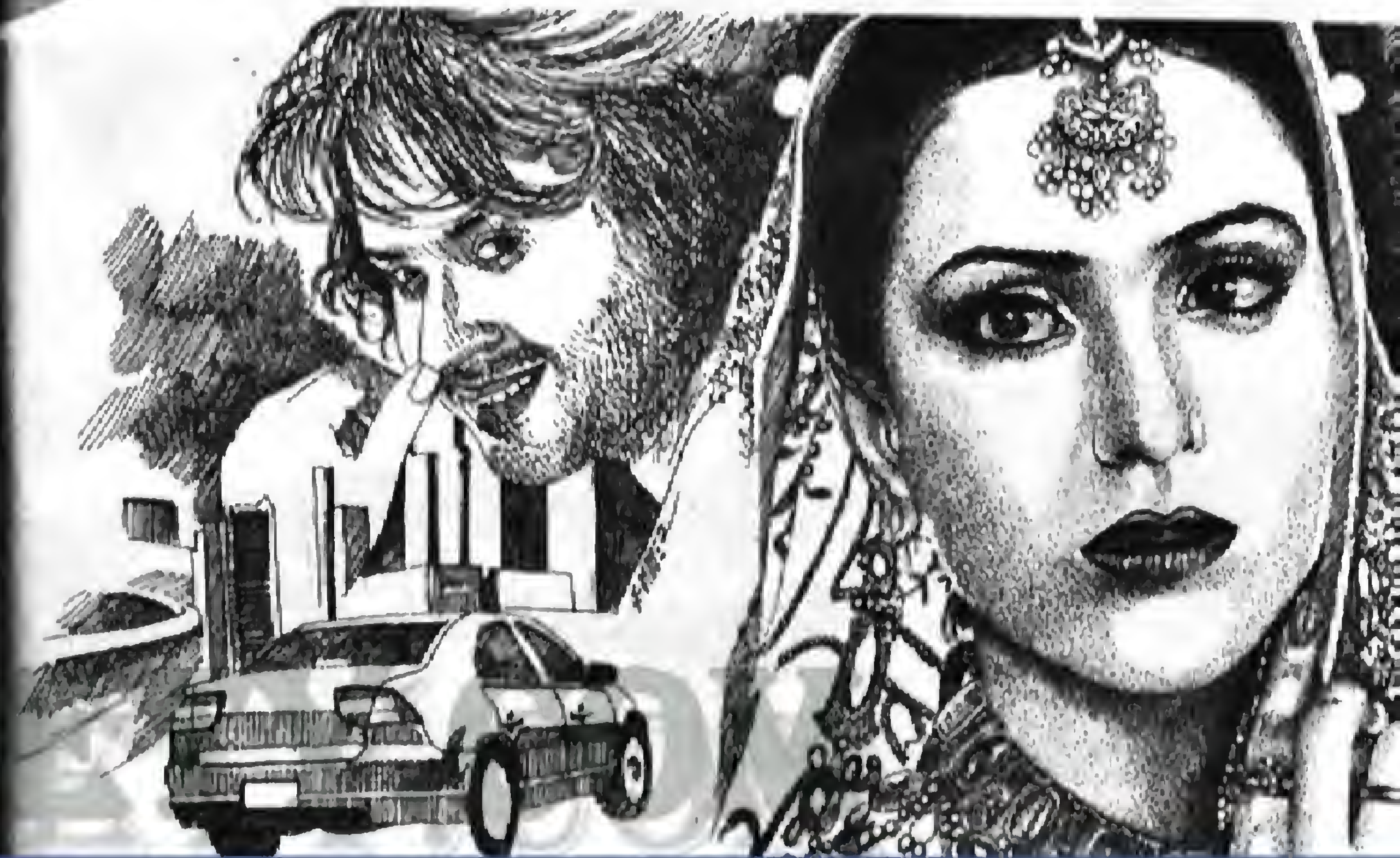
حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد سے کراچی آئی ہے۔ شاہ زین کے والد نے اسے اپنے آفس میں اپائنٹ کر لیا شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگا۔

فرہاد تین بھائی ہیں۔ فرہاد کے دونوں بھائی معاشی طور پر مستحکم ہیں اور دونوں اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرتے ہیں جبکہ فرہاد اپنی بیوی زینب اور بچیوں کی ضروریات پوری کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتا ہے۔ جو زینب کو بالکل پسند نہیں۔

فرہاد کے بڑے بھائی کی بیوی فضہ زینب کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہیں اور آئے دن اس حسد کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

ساتویں قسط



"ایک بات تو بتاؤ فضل دین۔" سکینہ پر سوچ نگاہوں سے اسے تکتے ہوئے بولی۔

ہاں بولو۔ کھانا کھاتے فضل دین نے ہاتھ روک دیا۔

"ایک بے اختیار انسان' کسی دوسرے انسان کی زندگی کا فیصلہ کرنے سے پہلے سوچتا کیوں نہیں۔ فضل دین جب ہم اس قابل ہی نہیں ہوتے کہ اپنے کیے گئے فیصلے دوسروں سے منوا سکیں' تو پھر ایسے فیصلے ہی کیوں کرتے ہیں جو ہماری وجہ سے اپنے لوگوں کی زندگی خراب کر دیں جن کا خدا کے بعد اس دنیا میں سوائے ہمارے کوئی دوسرا سہارا بھی نہ ہو۔"

بات ختم کرتے ہوئے سکینہ کی آواز بھیگ سی گئی۔ وہ کیا کہنا چاہتی تھی بنا کسی وضاحت کے فضل دین جان چکا تھا۔

"بھلی مانس شاید تو بھول گئی انسان کبھی بھی با اختیار نہیں ہوتا' وہ تو ہمیشہ سے ہی بے اختیار ہے' با اختیار تو صرف سوہنے رب کی ذات ہے۔ ہم تو صرف کٹھ پتلیاں ہیں جو اوپر والے کے اشاروں پر چلتی ہیں اور شاید ایسے میں ہم جو بھی فیصلہ کرتے ہیں وہ ہمارے نصیب میں لکھ دیا جاتا ہے اور نصیب کے آگے تو ہم سب ہی بے بس ہیں اور یہ بات تو۔ تو بھی اچھی طرح جانتی ہے۔"

"تو کیا اس سوہنے رب نے ہماری بی بی کے نصیب میں ہمیشہ کے لیے تنہائی ہی لکھ دی ہے تو کیا اس کا مقدر یہ ہی ہے کہ وہ اپنی ساری جوانی ہم جیسے کمی کمین لوگوں کے ساتھ ہی گزار دے' اس غریب کے نصیب میں اپنوں کا پیار' اپنوں کا ساتھ کچھ نہیں ہے۔"

وہ سوالیہ انداز میں اسے تکتے ہوئے دکھی لہجہ میں بولی۔

"اللہ نہ کرے سکینہ کیوں اپنے بد فال منہ سے نکالتی ہے۔ خدا سے ڈر جانے اسے تیری کون سی بات کب بری لگ جائے توبہ کر بھلی مانس توبہ۔۔۔۔"

فضل دین نے قدرے برا مناتے ہوئے اسے گھر کا۔

"یہ بد فال نہیں ہے' فضل دین سچائی ہے' ایک تلخ سچائی جو مجھے صاف دکھائی دے رہی ہے اور یہ بات تو تم بھی بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ ملک صاحب اپنی بیگم اور بیٹے دونوں کے سامنے بالکل بے بس ہیں' اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ معصوم بچی اتنے سالوں سے یوں تن تنہا ہمارے سہارے نہ پڑی ہوتی' بلکہ کب کے ملک صاحب اسے اپنے ساتھ لے گئے ہوتے۔ اپنی سوچنا کر اب بھلا اتنے سالوں میں جو بات وہ آج تک نہ منوا سکے تو خود سوچو کس طرح وہ اس معصوم کو اس کا حق دلوا سکیں گے۔ مجھے تو اپنی زندگی میں یہ سب ہوتا نظر نہیں آتا۔"

آج سکینہ کے دل میں جو کچھ تھا وہ کہہ دینا چاہتی تھی۔ پھر جانے یہ موقع دوبارہ کبھی ملے یا نہ ملے' کیونکہ فضل دین اس موضوع پر ہمیشہ بات کرنے سے کتراتا تھا۔

"اللہ سے اچھے کی امید رکھو' وہ جو کرے گا ان شاء اللہ بہتر ہی ہو گا۔"

فضل دین نے مختصراً" جواب دے کر بات ختم کرنا چاہی۔

"میری تو ہمیشہ سے یہ ہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس معصوم بچی کا نصیب جلد ہی اچھا کرے۔ وہ بے چاری تو پہلے ہی بہت پریشان اور دکھی ہے اور سچ مانو تو جب جب میں اسے دیکھتی ہوں اس کی تنہائی کے تصور سے ہی میرا دل ہول اٹھتا ہے۔"

اسے مسلسل بولتا دیکھ کر فضل دین بنا کوئی جواب دیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں بی بی کو لینے کالج جا رہا ہوں' تم مزید باتیں بنانا چھوڑو اور اٹھ کر جلدی سے کھانا تیار کرو۔"

سکینہ کو ہدایت دیتا وہ قریبی ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتا ہوا لکڑی کا دروازہ دھکیل کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا ابھی اماں جی کو لینے مت آنا' میں کچھ دن انہیں اپنے ساتھ رکھوں گی' مگر تم پر تو شاید کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا' میرے روکنے کے باوجود لینے آ گئے ہو۔"

احسان کو دیکھتے ہی زینب نے برا سا منہ بنایا۔

"ارے آپا آپ یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں' مجھے اماں کے بغیر نیند نہیں آتی۔"

بہن کی بات کا برا منائے بغیر اس نے ماں سے لاڈ کرتے ہوئے جواب دیا اور اماں بی کا تو مانو سیروں خون ہی بڑھ گیا۔

اب جب گھر آئی نا تو تمہاری بیوی کو بتاؤں گی یہ بات پھر اسے بھگتنا۔" زینب ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ ہاں۔ ضرور بتائیے گا' میں تو خود چاہتا ہوں وہ ناراض ہو کر میکے جائے اور مجھے دوسری شادی کرنے کا موقع ملے۔" وہ شرارتاً ہنسا۔

"اللہ نہ کرے بیٹا کیسی باتیں کرتے ہو۔" اماں بی ہول ہی آ گئیں۔

"مذاق کر رہا ہوں اماں۔" ماں کو سنجیدہ دیکھ کر احسان بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"چلیں اب اٹھ جائیں' گھر پہنچتے پہنچتے گھنٹہ سے بھی اوپر ہو جاتا ہے۔"

"بیٹھو میں کھانا لا رہی ہوں' کھا کر جانا۔"

"ارے نہیں کھانا' ہم گھر جا کر کھائیں گے' پھر کہیں فرہاد بھائی یہ نہ کہہ دیں کہ مہینے بھر کا راشن زینب کے میکے والے ایک ہی دن میں ہڑپ کر جاتے ہیں۔"

بظاہر مذاق میں کہا گیا احسان کا یہ جملہ زینب کے دل میں ترازو ہو گیا' بہت سال قبل مذاق ہی مذاق میں کہا گیا' یامین آپا کا یہ جملہ وہ آج تک نہیں بھولا تھا' جبکہ اس وقت محض وہ اسکول کا طالب علم تھا اور آج پریکٹیکل لائف میں قدم رکھ چکا تھا' مگر پھر بھی اتنی پرانی بات آج تک دل میں سنبھالے بیٹھا تھا۔ شاید کچھ باتیں دلوں میں اسی طرح نقش ہو جایا کرتی ہیں۔ بہرحال جو بھی تھا زینب کو احسان کی بات پسند نہ آئی۔

"بری بات ہے احسان بنا جانے کسی کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار نہیں کرتے اور فرہاد تو پھر تمہارا بہنوئی ہے۔"

زینب کے ماتھے پر پڑی تیوریاں اماں بی کو صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

"مذاق کر رہا ہوں اماں' آپ تو پھر سے سنجیدہ ہو گئیں۔"

اپنی کہی گئی بات کی سنگینی دور کرنے کے لیے ہمیشہ اسے مذاق کا رنگ دینا اس کی پرانی عادتوں میں سے ایک تھی۔

اماں جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مریم نے تیزی سے آگے بڑھ کر تخت کے نیچے سے ان کی چپل نکالی اور پاؤں کے بالکل قریب رکھ دیں' اس کی اس بے اختیار حرکت نے سب کو ہی مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ ماحول میں پھیلی ہوئی کچھ دیر قبل والی تلخی یک دم ہی دور ہو گئی۔

"جیتی رہو بچہ۔۔۔ اللہ تعالیٰ نصیب اچھا کرے' سوہنا رب زندگی میں ہر خواہش پوری کرے' وہ سب کچھ عطا کرے جو تم چاہتی ہو' سدا خوش رہو۔"

انہوں نے مریم کو خود سے لگا کر ڈھیر ڈھیر دعائیں دے ڈالیں۔

"لگتا ہے اماں آپ نے کبھی مجھے اتنے دل سے دعا نہیں دی تھی۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی اک شکوہ زینب کے لبوں پر آ گیا۔

"ماں کی دی جانے والی ہر دعا دل سے ہی نکلتی ہے زینب اور پھر بتاؤ بھلا تمہیں زندگی میں کیا کمی ہے۔ اچھا گھر بچے اور محبت کرنے والا شوہر اس سے بڑھ کر کسی عورت کی خواہش اور کیا ہو سکتی ہے؟" اماں قدرے برا مناتے ہوئے بولیں۔

"دکھ تو یہ ہی اماں کہ شوہر محبت کرنے والا نہیں ہے۔ محبت تو ایک طرف وہ تو میری کسی ضرورت کو بھی سمجھنے کے قابل نہیں ہے۔" وہ ہی پرانا شکوہ اور شکایت۔

"بیٹا تم جاؤ گاڑی اسٹارٹ کرو' میں آرہی ہوں۔" انہوں نے احسان کو فوراً "باہر بھیجا۔

"دیکھو بیٹا ہر شخص کے محبت کرنے کا انداز دوسرے سے جدا ہوتا ہے اور کچھ لوگ تو محبت کا اظہار کرنا بھی نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک محبت اظہار کی محتاج نہیں ہوتی اور یقین مانو فرہاد کا تعلق بھی ایسے ہی لوگوں سے ہے۔ ورنہ وہ تم سے اور اپنی بچیوں سے بہت محبت کرتا ہے۔ بس صرف اظہار کرنا نہیں جانتا۔"

بیٹی کے دل میں آیا بال دور کرنا ان کی ذمہ داری تھی اور اپنی ہر ذمہ داری نبھانا وہ بخوبی جانتی تھیں۔

"محبت الفاظ کی محتاج نہیں ہوتی اماں اور یہ بات میں بھی جانتی ہوں۔" زینب نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"یہ تو وہ جذبہ ہے جو بنا کہے بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ کیا جائے اور یقین جانیں دکھ کی بات صرف یہ ہے کہ فرہاد کا دل میری محبت سے یکسر خالی ہے۔ یہاں تک کہ بیوی ہونے کے ناطے میرا کوئی احساس' کوئی ذمہ داری بھی اس کے نزدیک قطعی غیر اہم ہے 'کیونکہ میں ہی اس کے نزدیک اہم نہیں ہوں۔"

"غلط فہمی مت پالو بیٹا' یہ غلط فہمیاں رشتوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ ان سے بچو' یہ شیطانی طور طریقے ہیں اپنے دل میں ہمیشہ اچھی باتیں اور اچھے خیالات کو جگہ دو' خوش رہو گی' ورنہ یہ وسوسے تمہیں کمزور کر دیں گے۔"

اماں تھیں زینب کے اندر کا دکھ جانتی تھیں۔ وہ شروع سے ہی لوگوں کی نظروں میں رہنے کی عادی تھی' کسی کا نظرانداز کیا جانا اسے کبھی نہ بھاتا تھا' اپنی تعریف وصول کرنا وہ اپنا حق سمجھتی تھی' بجنے سنورنے کی شوقین تھی۔ انہوں نے اپنے حالات کے مدنظر کبھی فالتو پیسہ اولاد پر خرچ نہ کیا۔ بیٹیوں کو تو ہمیشہ یہ ہی کہا کہ جو کرنا ہے اپنے گھر جا کر کرنا' ہر خواہش پوری کرنا میری اوقات نہیں اور زینب خواہشات کا ایک محل اپنے ساتھ لے کر فرہاد کے گھر آئی تھی جو یہاں آتے ہی چکنا چور ہو گیا۔

روپے پیسے کے حساب کتاب سے زیادہ خود کو نظرانداز کرنا اسے اندر تک مار گیا' اپنے ہاتھوں کھلا پیسہ خرچ کرنے کی دلی خواہش سسک سسک کر دم توڑ گئی اور سب کچھ عین اس کی خواہش کے مطابق پورا کرنا اماں جی کے اختیار میں نہ تھا۔ ماسوائے اس کے کہ وہ زینب کو سمجھا بجھا کر ہر ادھوری رہ جانے والی خواہش کو غیر ضروری قرار دے دیں اور وہ ہمیشہ ایسی ہی کوشش کیا کرتیں ابھی ابھی زینب کے پاس رک کر اسے سمجھانے کا ان کا یہ ہی مقصد تھا۔

"اچھا بیٹا' اب میں چلوں اور ہاں تم یہ کچھ پیسے رکھ لو' جلدی میں آئی تھی' کچھ لا نہ سکی' اب جو تمہارا دل چاہے اپنی خواہش کے حساب سے خرید لینا۔" انہوں نے زینب کی مٹھی میں کچھ روپے دبائے۔

"اور ہاں فرہاد کے لیے اپنے دل میں اچھے خیالات رکھو' کچھ لوگ اظہار میں کنجوس ہوتے ہیں' مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ محبت نہیں کرتے۔" ماں نے اسے پھر سے تسلی دینا چاہی' وہ مسکرا دی۔

"کاش صرف جذبات کے اظہار میں کنجوس ہوتا تو شاید اتنی مشکل نہ ہوتی' مگر وہ تو ہر معاملے میں ہی کنجوس ہے۔"

دل میں آئی یہ بات وہ کہہ نہ سکی' کیونکہ اب وہ مزید بحث کے موڈ میں نہ تھی۔ جانتی تھی اس کے جواب دیتے ہی اماں بی نے پھر سے اخلاقیات کی پٹاری کھول کر اس میں سے کچھ نہ کچھ نکال لینا تھا۔

"اچھا بیٹا اللہ حافظ۔"

اسے خاموش دیکھ کر اماں بی نے سر پر ہاتھ رکھ کر خود سے قریب کیا۔ "بچوں کی چھٹی والے دن تم بھی وقت نکال کر آجانا واپس احسان چھوڑ دے گا۔"

"جی اچھا۔"

وہ گھر کی دہلیز پر کھڑی اپنی ماں کو اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک احسان کی چھوٹی سی گاڑی گلی کے موڑ سے گھوم کر نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

برستی بارش کی آواز نے اس کی سوئی ہوئی سماعتوں کو بحال کر دیا۔ وہ یک دم اٹھ بیٹھی۔

"باہر بارش ہو رہی ہے۔"

وہ بھاگ کر کھڑکی کے قریب آئی' جلدی سے پردہ ہٹا کر باہر جھانکا۔ نیچے اپارٹمنٹ کے لان میں برستی بارش کی بوندیں ایک عجیب سی بہار کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ حد نظر تک پھیلی ہوئی ہریالی ماحول کو مزید خوب صورت اور دلکش بنا رہی تھی۔ وہ مبہوت سی ہو کر کھڑکی کے قریب جم سی گئی' بارش ہمیشہ سے ہی اس کی کمزوری رہی تھی' مگر بارش میں اتنا خوب صورت منظر شاید آج وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

"اسے نیچے لان میں جانا چاہیے۔"

آس پاس کے اپارٹمنٹس کی کچھ خواتین بھی نیچے لان میں آگئی تھیں۔ وہ پاؤں میں چپل پہن کر تیزی سے باہر کی جانب لپکی۔

"ارے بیٹا کہاں جا رہی ہو۔ سنو تو سہی۔"

اسے بھاگتا دیکھ کر سکینہ نے فوراً" سے پیشتر ہی داخلی دروازے کے قریب ہی جا روکا۔

"سردیوں کی بارش ہے' مت جاؤ بیمار پڑ جاؤ گی۔"

سکینہ کے لہجے میں جھانکتی فکر اور تشویش نے اس کے قدم سست کر دیے۔ وہ وہیں تھم گئی اسے محسوس ہوا جیسے یہ آواز اور الفاظ اس کی ماں کے ہوں۔ اس احساس کے دل میں آتے ہی اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

وہ واپس پلٹ آئی' سارا گھر پکوڑوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ مگر اب اسے کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ بارش اور بارش کے پکوان وہ سب کچھ یکسر بھلا چکی تھی۔ اسے اگر کچھ یاد تھا تو صرف اپنا گھر اور اس کے کچے آنگن کو گیلا کرتی بارش۔

"اماں بارش ہو رہی ہے' میں سامنے ارم کے گھر جا رہی ہوں' اس نے پینگ (جھولا) ڈالی ہے اور سب دوستیں اسی کے گھر جمع ہیں۔"

وہ بھاگتی ہوئی کچن میں آئی' جہاں ماں سلور کا کٹورا ہاتھ میں لیے کچھ گھولنے میں بری طرح مصروف تھیں۔

"چلی جاؤ' مگر جلدی آجانا' میں تمہارے لیے گلگلے بنانے لگی ہوں اور ویسے بھی شام ڈھلنے والی ہے اور بارش کا موسم تو ڈھلتی شام کو بھی رات میں بدل دیتا ہے۔ ہر طرف جلد ہی اندھیرا چھا جاتا ہے اور ایسے عالم میں بچیوں کا گلی محلے میں پھرنا اچھا نہیں لگتا۔"

ماں نے اجازت دینے کے ساتھ ہر بات تفصیل سے سمجھا دی۔

"بس ابھی تھوڑی دیر میں ہی واپس آرہی ہوں۔"

بھاگ کر تار پر لٹکا دوپٹا اٹھا کر خود کو ڈھکتے ہوئے وہ باہر کی سمت لپکی۔ تیزی سے دروازہ کھولا۔ اس سے قبل کے

قدم باہر رکھتی سامنے نظر آنے والے منظر نے اس کا سارا جوش و خروش سرے سے ہی ختم کر دیا۔ وہ الٹے پاؤں واپس پلٹ آئی۔ ارم کے گھر کے باہر بنے چبوترے پر شوکا دو تین لڑکوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کے دوست بھی اسی کے جیسے اوباش تھے۔ جن کے پاس سے اس برستی بارش میں گزرنے کا تصور بھی اس کے لیے محال تھا۔ خاموشی سے واپس پلٹ کر اپنا دوپٹا اچھی طرح جھاڑ کر تار پر پھیلایا اور کچن کی جانب آگئی۔

"کیا ہوا گئیں نہیں۔" چولہا جلاتی اماں نے پلٹ کر استفسار کیا۔

"نہیں باہر خاصا اندھیرا ہو چکا ہے۔ آپ گلگلے بناؤ' مجھے بہت بھوک لگی ہے۔"

گھی میں آٹا ڈالتے ہی گلگلوں کی خوشبو سے صحن مہک اٹھا۔ وہ مردہ قدموں سے چلتی کچن سے واپس نکل آئی اور صحن میں رکھی لکڑی کی کرسی پر جا بیٹھی۔ اسے سمجھ نہ آیا یہ منحوس شوکا آخر اس کے پیچھے ہی کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا۔ جبکہ وہ تو شروع دن سے ہی چپ چاپ سیدھے رستے اسکول جانے اور آنے کی عادی تھی۔ وہ تو راستے میں دوسری لڑکیوں کی طرح ہنسی' ٹھٹول بھی نہیں کرتی۔ پھر یہ مصیبت اسی کے گلے کیسے پڑ گئی۔ دل چاہا ماں کو سب کچھ بتا دے۔ مگر کیا فائدہ یہ ہی سوچ کر خاموش ہو گئی۔

"یہ لو۔۔۔" اماں نے پلیٹ اس کی جانب بڑھائی۔

"لے کر اندر چلی جاؤ' باہر سب کچھ گیلا ہو جائے گا۔"

کچھ دیر قبل والی ہلکی بوندا باندی اب تیز بارش میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ وہ جیسے ہی اندر جانے کے لیے کھڑی ہوئی۔ یک دم ہی لائٹ چلی گئی اور ہر طرف گھپ اندھیرا چھا گیا۔ اتنے اندھیرے میں ہونے والی ایسی تیز بارش اسے سخت ناپسند تھی۔

"اچھا ہوا جو تم نہیں گئیں' ورنہ اب اتنے اندھیرے میں تمہیں لینے کے لیے مجھے ارم کے گھر جانا پڑتا۔"

اماں نے لالٹین کا شیشہ ہٹاتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ وہ بنا کوئی جواب دیے پلیٹ تھامے اندر کمرے کی جانب بڑھ گئی۔



ملک صاحب کی اچانک' اس وقت آمد شاید ان دونوں کے لیے ہی قدرے غیر متوقع تھی۔ ایشال نے پلٹ کر مما پر ایک نظر ڈالی۔ جو تذبذب کے عالم میں کھڑی تھیں۔ وہ ڈر رہی تھیں کہ کہیں ملک صاحب نے کچھ سن تو نہیں لیا۔ لاکھ وہ ایشال کو ہر وقت اس رشتے کے خلاف بھڑکائیں' مگر پھر بھی وہ کئی سال قبل ملک صاحب کی طرف سے طلاق کی دی جانے والی دھمکی نہ بھولی تھیں۔ انہیں خدشہ لاحق ہوا' کہیں ایشال کوئی غلط بات نہ کر دے۔

"کیا ہوا بھئی' یہ تم دونوں ماں' بیٹا یک دم اتنے خاموش کیوں ہو گئے ہو۔"

اپنی بات کا کوئی جواب نہ پا کر ملک صاحب نے مسکراتے ہوئے دونوں پر ایک نظر ڈالی۔ "سب ٹھیک تو ہے نا۔"

"جی پاپا۔۔۔ دراصل میں اریشہ کی ضد کی بات کر رہا تھا۔"

ایشال کو لگا آج اسے قدرت نے ایک بہترین موقع فراہم کیا ہے' جو اگر ہاتھ سے نکل گیا تو شاید دوبارہ نہ ملے گا۔

"ہاں۔۔۔ میں نے بھی یہ بات کئی بار نوٹ کی ہے۔ وہ خاصی ضدی اور خود سر لڑکی ہے۔"

ایشال کے ساتھ اریشہ کی دوستی پاپا کو کبھی بھی پسند نہ آئی تھی اور یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ مگر اس وقت اس کا مقصد پاپا کی اریشہ سے متعلق رائے تبدیل کرنا نہیں تھا۔ اس وقت تو وہ اپنے اور اریشہ کے سلسلے میں فائنل بات کرنے کا ارادہ باندھ چکا تھا۔ جس کا اندازہ اس کے چہرے کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"نہیں پاپا۔۔۔ آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ اس وقت وہ جو ضد کر رہی ہے وہ غلط نہیں ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔"

ملک صاحب نے ایک طائرانہ نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"کوئی مطلب نہیں' بس ایسے ہی بول رہا ہے۔ آپ آکر تیار ہو جائیں' آپ کی فلائٹ کا ٹائم ہونے والا ہے۔" مما اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی فوراً" آگے بڑھیں۔

"پلیز مما۔۔۔ مجھے پاپا سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ آپ ہمیں کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دیں۔" وہ ہمت باندھ چکا تھا۔

"کون سی ضروری بات۔۔۔"

ایسا لگا جیسے پاپا کچھ سمجھ چکے ہیں۔ انہوں نے لب بھینچتے ہوئے ایشال کی جانب دیکھا۔ ان کے چہرے پر یک دم کرختگی سی چھا گئی تھی۔

"پاپا مجھے شادی کرنی ہے۔" وہ بنا سوچے سمجھے تیزی سے بولا۔

"اوہ۔۔۔ میں ڈر گیا' جانے کیا کہنا چاہتے ہو۔"

پاپا نے کئی دیر سے رکی ہوئی سانس باہر خارج کی اور ہنس دیے۔

"دراصل پاپا مجھے اریشہ سے شادی کرنی ہے۔"

وہ آج ہر بات کہہ دینا چاہتا تھا۔ پاپا کے چہرے سے ہنسی غائب ہو گئی۔ اور چہرے کی رنگت ہلکی سی سرخ ہو گئی' جو شاید ان کے شدید غصہ کو ضبط کرنے کی علامت تھی۔ انہوں نے اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"آپ اندر آکر تیار ہو جائیں' اس موضوع پر ہم بعد میں بات کریں گے۔"

مما ایک بار پھر دونوں کے درمیان آگئیں' ایشال کو جو کہنا تھا وہ کہہ چکا تھا۔ اب اسے پاپا کے ردعمل کا انتظار تھا۔

"تم جانتے ہو تم مجھ سے کیا بات کر رہے ہو؟" مما کو پیچھے ہٹاتے ہوئے پاپا عین اس کے سامنے آگئے۔

"پلیز پاپا۔۔۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ بالکل سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں اور یہ میرا اپنا ذاتی فیصلہ ہے۔ جس میں مما کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ میری آپ سے گزارش ہے میرے کسی بھی فیصلہ کی غلطی کی سزا صرف اور صرف مجھے دیں۔ اس کے نتیجہ میں اپنی زندگی برباد مت کیجیے گا' کیونکہ بالغ ہونے کے ناطے مجھے اپنی زندگی کے ہر فیصلہ کا حق حاصل ہے۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم آل ریڈی ایک شادی شدہ مرد ہو' جس کی منکوحہ اس انتظار میں بیٹھی ہے کہ کب تمہاری تعلیم مکمل ہو اور تم اسے پورے استحقاق کے ساتھ رخصت کروا کر اس گھر میں لا سکو۔ ایشال تم تو کئی سال قبل ہی کسی کی امانت بن چکے تھے اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے بھی تھے۔ پھر تم نے یہ سب کیوں کہا مجھ سے' یہ سب کچھ کہنے سے پہلے کیوں نہ سوچا۔" ان کا اشارہ ایشال کی کچھ دیر قبل کہی ہوئی بات کی جانب تھا۔

"میں مجبور ہوں پاپا۔ میں اریشہ کو نہیں چھوڑوں گا۔ اگر آپ کو میرے فیصلے سے اختلاف ہے تو میں واپس لندن چلا جاتا ہوں۔ وہاں مجھے جاب مل گئی ہے۔ اریشہ بھی کچھ عرصہ میں وہیں آجائے گی۔ پھر ہم دونوں کسی اسلامک سینٹر میں جا کر نکاح کر لیں گے۔ ویسے بھی معاف کیجیے گا پاپا میرا پہلا نکاح' میری مرضی کے بغیر ہوا تھا۔ میں نے تو آج تک اس لڑکی کو دیکھا تک نہیں' میں اس کا نام نہیں جانتا' پھر بھلا ہو جس میں اسے کیسے بیاہ کر اس گھر میں لا سکتا ہوں۔ سوری پاپا۔۔۔ آپ جب کہیں گے میں طلاق نامہ پر سائن کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر رخصتی نہیں کرواؤں گا۔"

ایشال کے الفاظ ملک صاحب کی توقع کے بالکل خلاف تھے۔ وہ اپنے نکاح سے ناخوش تھا۔ یہ تو وہ جانتے تھے۔ وہ اریشہ کو پسند کرتا تھا۔ انہیں یہ بھی علم تھا' مگر شاید وہ اس سے اتنے صاف انکار کی امید نہ رکھتے تھے۔ وہ ساکت کھڑے یک ٹک ایشال کو گھور رہے تھے۔ چہرے پر چھائی کرختگی سنجیدگی اور پھر پریشانی میں تبدیل ہوگئی۔

"پلیز پاپا... میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرا ارادہ آپ کو دکھ یا تکلیف دینے کا بالکل نہیں ہے' مگر میں خود بھی مجبور ہوں۔ میں اریشہ سے بے حد محبت کرتا ہوں۔ پاپا اور یہ بات شاید آپ بھی جانتے ہیں۔" وہ روہانسا ہوگیا۔

"وِلس اوکے۔" ملک صاحب نے ایک گہری سانس لی۔

"ابھی تو مجھے جانا ہے۔" انہوں نے سامنے لگی دیوار گیر گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔

"واپس آکر اس موضوع پر تم سے بات ہوگی۔"

ان کا ردعمل ایشال اور مما کی توقع کے بالکل برخلاف تھا۔ دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"میرا بیگ پیک کردیا ہے۔" پاپا نے پلٹ کر مما کی جانب دیکھا۔

"ہاں جی کردیا ہے' آپ چل کر تیار ہوجائیں۔" مما آگے کی جانب چل دیں۔

"میری تم سے صرف ایک درخواست ہے بیٹا' باپ ہونے کے ناطے اگر تم اسے مانو تو..." مما کے باہر نکلتے ہی وہ ایشال کے قریب آگئے۔

"جی پاپا... بولیں۔"

دل ہی دل میں خوف زدہ ہوتے ایشال نے آہستہ سے جواب دیا۔

"مجھے تمہاری اریشہ سے شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے' مگر اس کے لیے میری ایک شرط ہے۔"

ایشال کے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے ہوئے وہ آہستہ سے بولے۔

"میں اگر تمہاری ماں کی بھتیجی کو تمہارے لیے قبول کرنے پر تیار ہوں تو تم بھی میری بھتیجی کو طلاق نہیں دو گے۔ اس وقت تک جب تک تم اس سے ایک ملاقات نہ کرلو۔"

پاپا کی عجیب و غریب شرط اس کی سمجھ میں نہ آئی۔

"ٹھیک ہے پاپا' مجھے منظور ہے۔"

بظاہر اس شرط میں کوئی قباحت نہ تھی۔

"مگر میں اپنی شادی سے قبل اس سے ملنا نہیں چاہوں گا۔" ملک صاحب کا آخری ترپ کا پتا بھی ناکام ہوگیا۔

"تم جب دل چاہے اس سے ملو' مگر طلاق اسے ملنے کے بعد ہی دو گے۔"

اپنی بات ایک بار پھر سے دہراتے ہوئے وہ لاؤنج سے باہر نکل گئے۔ ایشال کے لیے ان کی رضامندی بھی کافی تھی۔ اس نے پاپا کے باہر نکلتے ہی جیب سے موبائل نکالا' تاکہ اریشہ کو فون کرکے اپنی کامیابی کی خبر سنائے۔ فی الحال اس کا ارادہ پاپا کی شرط سے متعلق اسے کچھ بھی بتانے کا نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"مجھ سے مل سکتی ہو۔"

فون کے دوسری جانب یقیناً" سالار تھا۔ جس کی آواز وہ لاکھوں کے مجمع میں بھی پہچان سکتی تھی۔

"کب..."

اتنے دنوں بعد سالار کی آواز سن کر اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اسے شاید اپنی آواز رندھی ہوئی

بھی محسوس ہوئی۔

"جب تمہیں آسان لگے' مگر جلد ہی..."

"گھر آجاؤں؟"

"نہیں میں تم سے کہیں باہر ملنا چاہتا ہوں۔" جواب زینب کی توقع کے عین مطابق تھا۔

"کل صبح میں آجاؤں؟"

مریم کو اسکول چھوڑنے کے بعد کم از کم دو گھنٹے وہ سالار کے ساتھ گزار سکتی تھی۔ جس کا علم فرہاد کو نہیں ہوسکتا تھا۔

"نہیں کل صبح تو شاید ہم اسلام آباد جارہے ہیں' وہاں مجھے ویزے کے لیے اپلائی کرنا ہے' ایک' دو دن لگ جائیں گے۔" ہم سے مراد یقیناً" سالار اور نازیہ دونوں تھے۔

"خیریت... کہاں جارہے ہیں آپ لوگ؟ اور ہاں نازیہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

"نازیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں اسے باہر علاج کے لیے لے کر جانا چاہتا ہوں۔ اس سلسلے میں اس کا بڑا بھائی میری پوری مدد کررہا ہے۔ بہرحال وہ تو جب تم مجھ سے ملوگی ہر تفصیل بتادوں گا۔ فی الحال مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے اور میں چاہتا ہوں لندن جانے سے قبل تم سے لازمی ملاقات کرلوں۔"

"ٹھیک ہے اسلام آباد سے واپس آکر مجھے اطلاع کردینا میں آجاؤں گی۔"

سالار کیا بات کرنا چاہتا تھا۔ اسے ایک فیصد بھی اندازہ نہیں تھا۔ مگر اس کے لہجہ میں کچھ ایسا ضرور تھا جس نے زینب کو بے چین سا کردیا۔

"شکریہ زینب تم نے میری بات کا مان رکھ لیا۔ ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ انکار کردو گی۔"

"میں نے آپ کی کسی بھی بات کو ماننے سے کبھی انکار نہیں کیا۔" وہ جتلاتے ہوئے بولی۔

"مجھے علم ہے' بہرحال اپنا خیال رکھنا' واپس آنے کے بعد ان شاءاللہ تم سے ملاقات ہوگی اور پھر تم گھر کا ایک چکر بھی ضرور لگانا۔ نازیہ بہت یاد کررہی ہے۔"

"ہاں ان شاءاللہ ضرور آؤں گی۔"

"اچھا خدا حافظ۔"

سالار کچھ جلدی میں تھا۔ اس نے فون بند کردیا۔ وہ اس سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟ اس سلسلے میں زینب نے اپنے دماغ پر زیادہ زور نہیں دیا۔

☼ ☼ ☼

"بی بی جی آپ سے کوئی ملنے آیا ہے؟"

"مجھ سے ملنے؟" حبیبہ نے حیرت سے استفسار کیا۔

"کون کرن ہے؟" خود ہی سوال کرکے جواب بھی دے دیا۔

"نہیں جی' کوئی صاحب ہیں۔"

اتنی صبح صبح اس سے یہاں اس اجنبی شہر میں کون ملنے آگیا۔

"بی بی جی میں نے تو انہیں خود آج پہلی بار دیکھا ہے۔ ورنہ آپ سے ملنے یا تو کرن بی بی آتی ہیں یا آپ کے چاچا جی' اتنا اسمارٹ بندہ تو کبھی آپ سے ملنے نہیں آیا۔" اسے خاموش دیکھ کر جمیلہ پھر سے شروع ہوگئی۔

"اچھا تم جاؤ' میں آرہی ہوں۔" وہ کسلمندی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ پہلے فریش ہولیں' پھر اچھا سا تیار ہو کر آئیے گا۔"

اسے ہدایت دیتے ہی جمیلہ غڑاپ کرکے دروازے کے باہر غائب ہوگئی۔ وہ جانتی تھی کہ آنے والا ضرور وزٹنگ روم میں ہوگا اور یقیناً" جمیلہ کو میڈم نعیمہ نے ہی بھیجا ہوگا۔ کیونکہ وہ خاصی بااصول خاتون تھیں اور اس طرح ہر ایرا غیرا اس وویمن ہوسٹل میں آکر کسی لڑکی سے نہیں مل سکتا تھا۔

حبیبہ نے کھڑے ہوکر دیوار گیر آئینہ میں اپنا مکمل جائزہ لیا۔ بال اچھی طرح کنگھی کیے اور قریب ہی رکھا دوپٹا اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔ پاؤں میں سلیپر پھنسائے وہ وزٹنگ روم کی جانب آگئی۔ اندر داخل ہوتے ہی سامنے نظر آنے والی شخصیت پر نگاہ پڑتے ہی وہ اپنی جگہ ٹھٹک کر رک گئی۔ کچھ بھی سہی اسے کبھی بھی اس ہوسٹل میں اس طرح شاہ زین کی آمد متوقع نہ تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وزٹنگ روم میں اس کا منتظر شخص شاہ زین ہوگا۔

"سر آپ....."

مارے حیرت کے اس کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا' شاہ زین اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"جی میں۔" وہ ہنس دیا۔

"آپ کو کس نے بتایا' میں یہاں رہتی ہوں۔"

اسے سمجھ میں نہ آیا کہ اپنی حیرت کا اظہار کس طرح کرے۔

"جو دل میں رہتے ہوں ان کا ٹھکانہ معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔"

دل میں آیا اپنا یہ جملہ وہ لبوں تک نہ لاسکا۔

"پلیز سر آپ بیٹھیں۔" اسے خاموش کھڑا دیکھ کر حبیبہ فوراً" آگے بڑھی۔

"ہیپی برتھ ڈے حبیبہ' مینی مینی ہیپی ریٹرنز آف دا ڈے' ہمیشہ خوش رہو۔" وہ جیسے ہی اس کے قریب پہنچی' شاہ زین نے اپنی کمر کی طرف کیا ہوا سیدھا ہاتھ یک دم اس کے سامنے کردیا۔ جس میں تازہ گلابوں کا خوب صورت بکے تھما ہوا تھا۔ جنہیں دیکھتے ہی وہ کھل اٹھی۔ سرخ گلاب ہمیشہ سے اس کی کمزوری رہا تھا۔

"تھینک یو سر' تھینک یو سو مچ' آپ کو کیسے پتا چلا آج میری برتھ ڈے ہے۔"

سب کچھ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ مارے خوشی اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں' جنہیں اس نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی سے فوراً" ہی صاف کرلیا۔

"پہلے تو تم مجھے یہ سر... سر کہنا بند کرو' کیونکہ مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے میں کوئی ساٹھ سالہ بزرگ شخص ہوں۔ جس کی عزت افزائی تمہارے جیسی خوب صورت لڑکی مسلسل سر' سر کی گردان سے کررہی ہے۔"

اپنی مسکراہٹ ہونٹوں کے کنارے دبا تا وہ شرارت سے مسکرایا۔

"اوکے سر... سوری شاہ زین۔"

اپنی غلطی فوراً" ہی محسوس کرتے وہ یک دم کھلکھلا کر ہنس دی' مدھر گھنٹیوں کی آواز شاہ زین کے چاروں اور پھیل گئی۔

"میں نے تمہاری وارڈرن سے بات کرلی ہے۔ تم پندرہ منٹ میں تیار ہوکر نیچے پارکنگ میں آجاؤ۔ ہم برنچ کے لیے جارہے ہیں۔"

قریبی ٹیبل پر رکھی گاڑی کی چابی اور موبائل اٹھاتے ہوئے اس نے حبیبہ کو ہدایت دی۔

"اکیلے....."

وہ شاید تھوڑا سا نروس ہوگئی تھی یا شاہ زین کو ایسا محسوس ہوا۔ "آپ کہیں تو پورے آفس کو ساتھ لے لیتے ہیں۔"

"نہیں سر۔۔۔ مطلب شاہ زین۔" وہ پھر سے بوکھلا گئی۔
"ڈرو مت حبیبہ میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔"
شاید شاہ زین کو اس کا اس طرح ردعمل کچھ ناگوار لگا۔
"آپ اچھی طرح جانتے ہیں میں کسی سے نہیں ڈرتی اور مجھے اپنی اس خوبی پر فخر ہے۔ اس کے علاوہ آپ شاید بھول گئے ہیں۔ آپ کے ساتھ دو' تین' بار پہلے بھی اکیلے سفر کر چکی ہوں' بنا کسی ڈر و خوف کے ویسے ایک بات بتائیں آپ کو کیسے پتا چلا آج میری برتھ ڈے ہے۔"
اسے اپنا سوال ایک بار پھر سے یاد آگیا۔
"کرن نے بتایا تھا' ورنہ میں کوئی نجومی نہیں ہوں' اب تم ذرا جلدی سے تیار ہو کر نیچے آجاؤ' میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"
شاید آج پہلی بار حبیبہ کو شاہ زین کا خود کو اتنی اہمیت دینا بہت اچھا لگا' وہ تو ان سب باتوں کی بالکل عادی بھی نہیں تھی۔ بہن بھائی اس کا کوئی تھا نہیں اور زیادہ دوست بنانے کی وہ بالکل قائل نہ تھی اور یہ سالگرہ وغیرہ منانا بھی اس کے نزدیک انتہائی کوئی فضول سے تہوار تھے۔ جن کی اہمیت کا اندازہ آج اسے پہلی بار ہوا اور اس کا کریڈٹ یقیناً شاہ زین کو ہی جاتا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ آج وہ شاہ زین سے کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتی تھی جو اسے بری لگے۔ پندرہ منٹ میں ہی اچھا سا تیار ہو کر نیچے آگئی' جہاں گاڑی سے ٹیک لگائے شاہ زین اس کا منتظر کھڑا تھا۔ ایک نظر حبیبہ کا بغور جائزہ لیتے اس نے فرنٹ ڈور کھول دیا۔ اس کے اندر بیٹھتے ہی گاڑی سبک خرامی سے چلتی مین روڈ پر آگئی۔
"پہلے تو میرا ارادہ آج تمہیں اپنے گھر لے کر جانے کا تھا' تاکہ مما تم سے اچھی طرح مل لیں' کیونکہ وہ اکثر ہی تمہارا پوچھتی رہتی ہیں۔"
گاڑی کے اندر پھیلی گمبھیر خاموشی کو شاہ زین نے اپنی گفتگو کے آغاز سے توڑنے کی کوشش کی۔
"اچھا۔۔۔ مگر وہ مجھے کیسے جانتی ہیں؟" شاہ زین کی بات نے حبیبہ کو خاصا حیران کر دیا۔
"جب وہ آفس آتی ہیں ہمیشہ تو تمہیں دیکھتی ہیں۔" شاہ زین نے پلٹ کر اسے دیکھا۔
"اچھا۔۔۔ لیکن وہاں تو اور بھی بہت سارے ورکرز ہوتے ہیں' پھر خاص میرا ہی کیوں پوچھتی ہیں۔" اس کی حیرت اپنی جگہ برقرار تھی۔
"اس لیے کہ ان تمام ورکرز میں تم سب سے زیادہ خوب صورت ہو اور میری ماں کو ہمیشہ خوب صورت لوگ اٹریکٹ کرتے ہیں۔"
اپنی مما کی مسلسل تفتیشی عمل سے شاید اس نے یہ ہی نتیجہ اخذ کیا تھا۔
"اچھا۔۔۔"
وہ آہستہ سے کہہ کر خاموش ہو گئی۔
"مگر پھر اچانک مما کو کسی ضروری کام سے کہیں جانا پڑ گیا تو سوچا کیوں نہ تمہیں باہر لے جا کر ایک اچھا سا ناشتا لنچ کروا دوں' ویسے تم چائنیز تو کھاتی ہو نا۔"
اس نے گاڑی سی ویو جانے والی روڈ پر ڈال دی۔
"ہاں بہت شوق سے۔" حبیبہ کا جواب ابھی بھی مختصر سا ہی تھا۔
"اگر تم بور ہو رہی ہو تو ہم کرن کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں' ایک سے دو بھلے۔" اس کی خاموشی سے شاہ زین نے یہ ہی نتیجہ نکالا۔

"نہیں میں بور نہیں ہو رہی اور ہم پہلے بھی دو ہی ہیں۔"
حبیبہ کا سادگی سے کہا گیا جملہ پل بھر میں ہی شاہ زین کو خوش کر گیا۔
"چلو شکر ہے' ورنہ میں تو ڈر رہا تھا کہ شاید آج کے بعد تم کبھی بھی میرے ساتھ کہیں نہیں جاؤ گی۔"
حبیبہ اس کی بات سن کر ہلکا سا مسکرا دی۔
"ویسے کیا آپ کی مما کو علم ہے کہ آج آپ مجھے میری برتھ ڈے کی خوشی میں ٹریٹ دینے کسی ریسٹورنٹ میں لے جا رہے ہیں۔"
اپنے سیل فون میں مصروف حبیبہ کو شاید اچانک ہی یہ خیال آگیا۔
"نہیں اور ویسے بھی اب ہر کام اپنی ماں کو بتا کر کرنے والی عمر گزر گئی ہے۔ اب میں جو کچھ کرتا ہوں پوری خود مختاری سے کرتا ہوں۔"
"اوہ۔۔۔"
حبیبہ نے صرف اتنا ہی کہا اور پھر سارے راستے ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔ شاہ زین خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا' جبکہ حبیبہ جانے فون پر کس سے مصروف تھی کہ گاڑی رکنے تک اس نے سر اٹھا کر بھی شاہ زین کی جانب نہیں دیکھا اور پھر گاڑی پارک کرتے ہی وہ شاہ زین کی سنگت میں دو دریا کے ایک خوب صورت ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"جلدی کرو' اگر ناشتا تیار ہے تو دے دو' ورنہ میں جاؤں' مجھے دیر ہو رہی ہے۔" فرہاد نے کچن کے دروازے کے قریب کھڑے ہو کر آواز لگائی۔
"میں لا رہی ہوں۔" زینب نے جلدی جلدی پراٹھے پر گھی لگایا اور قریب ہی رکھے انڈے میں باریک باریک پیاز کترنے لگی۔
"تم کیا رات برتن دھو کر نہیں سوتیں' کس قدر ڈھیر لگا ہوا ہے۔"
کچن میں رکھا برتنوں کا ڈھیر فوراً ہی اس کی تنقید کا نشانہ بن گیا اور وہ ناگواری سے ناک سکوڑتے ہوئے بولا۔
"آج رات میں جلدی سو گئی تھی۔" زینب نے وضاحت کرتے ہوئے پراٹھا توے سے اتارا۔
"ہمیں یاد ہے' ہماری ماں ہمیشہ کچن صاف کر کے سوتی تھیں۔ وہ کہا کرتی تھیں کچن میں رات بھر پڑے برتن بے برکتی کا سبب بن جاتے ہیں۔ اب ہماری بہن کو ہی دیکھ لو' کبھی تمہیں اس کے کچن میں اس طرح برتن پڑے دکھائی نہ دیں گے۔"
"ان کے گھر مدد کے لیے کام والیاں موجود ہیں۔ وہ خود تو شاید کبھی گھر کا کوئی کام کرتی بھی نہیں ہوں گی اور یہاں ہر کام خود کرنا پڑتا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی زینب کا لہجہ تیز ہو گیا۔
"تو یہ کون سی انوکھی بات ہے' تمہاری ماں' بہن' بھابھی سب ہی اپنے گھر کے کام خود کرتی ہیں۔ ان کے ہاں کون سی ملازمائیں ہیں۔" فرہاد نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
"میں نے دیکھا ہے تمہارے ہاں زیادہ صفائی کا رواج نہیں ہے۔ سب ایسے ہی گندے ہیں۔" ابھی وہ مزید زہر افشانی کرتا کہ اچانک ہی اندر لاؤنج میں رکھا فون بج اٹھا۔
"یہ صبح صبح کس کا فون آگیا۔"
زیر لب بڑبڑاتا وہ لاؤنج کی جانب بڑھ گیا۔ زینب نے شکر ادا کیا' ورنہ ابھی تھوڑی دیر بعد یہ گھر جنگ کا منظر پیش

کرنے جارہا تھا۔ پراٹھا اتار کر ہاٹ پاٹ میں ڈالا۔ رات کا سالن گرم کر کے وہ لاؤنج میں ہی آگئی جہاں فرہاد کرسی پر بیٹھا بڑے مطمئن اور سرشار انداز میں کسی سے گفتگو فرمارہا تھا۔ یقیناً "فون کے دوسری جانب اس کی بہن تھی جس کا بخوبی اندازہ فرہاد کے چہرے پر پھیلی خوشی کی کیفیت کو دیکھ کر لگایا جاسکتا تھا۔

زینب نے ناشتا لکڑی کی ٹیبل پر رکھا اور خود کچن میں واپس آگئی۔ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر برتن دھوئے اور پھر کچن صاف کیا۔ جالی سے باہر جھانکا فرہاد ابھی بھی فون پر ہی مصروف تھا۔ اس نے دو کپ چائے تیار کر کے ٹرے میں رکھی اور ایک بار پھر سے لاؤنج میں آگئی۔ فرہاد شاید بھول گیا تھا کہ اسے کسی کام سے جانا تھا اور کچھ دیر قبل وہ خاصی جلدی میں تھا۔

زینب بیانو کے خود ناشتا کرنے میں مصروف ہوگئی۔ پراٹھا ختم کر کے اس نے چائے پی اور پھر اپنے برتن اٹھا کر کچن میں آگئی۔ فرہاد کی چائے واپس کیتلی میں انڈیل دی۔ اسے فرہاد اور یاسمین آپا کی گفتگو سننے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کچن بند کر کے وہ باہر آگئی تو فرہاد فون رکھ چکا تھا۔

"تم نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ فضا بھابھی بھی واپس آگئی ہیں۔"

فون بند کرتے ہی اس کی توپوں کا رخ زینب کی جانب مڑ گیا۔

"مجھے ان کی واپسی کا علم ہوتا تو یقیناً "آپ کو بھی ضرور بتاتی اور ویسے بھی مجھے آپ کی بھابھی کے شیڈول سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔" زینب کے منہ کے بگڑے زاویے نے فرہاد کو تپا دیا۔

"ظاہر ہے تمہاری دلچسپی صرف اپنے لوگوں تک ہی محدود ہے۔"

فرہاد کسی بھی طور مقابلے میں پیچھے رہنا نہ جانتا تھا۔

"میں نجومی نہیں ہوں فرہاد اور مجھے کسی بھی آمد و رفت کا علم اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ بتایا نہ جائے اور اطلاعاً "عرض ہے مجھے فضا بھابھی نے اپنی واپسی کی کوئی خبر نہیں دی۔" جواب دیتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہر حال آپا نے کہا ہے کہ ہمیں ان سے ملنے جانا چاہیے تو ایسا کرو تم شام میں تیار ہو جانا ہم جا کر مل آئیں گے۔"

"معذرت کے ساتھ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ خود جا کر ہو آئیں۔" فرہاد کی باتوں نے زینب کے اچھے بھلے موڈ کو خاصا خراب کر دیا تھا۔

"جیسی تمہاری مرضی۔"

چائے کا آخری گھونٹ بھر کر اس نے کپ واپس ٹرے میں رکھ دیا۔ زینب اندر کمرے میں آگئی۔ اسے محسوس ہوا وہ اگر مزید وہاں رہی تو ضرور فرہاد سے الجھ جائے گی۔

"بہر حال اب اگر فرہاد نے مجھ سے فضا بھابھی کے گھر جانے کے لیے کہا تو صاف انکار کر دوں گی۔"

اسے سخت غصہ آیا۔ اتنی دور بیٹھی یاسمین آپا کو ان کی واپسی کا علم ہو گیا اور یہاں فضا بھابھی نے بتانے کی زحمت نہ کی' میں تو فرہاد کو صاف منع کر دوں گی کہ جب انہوں نے ہمیں خود اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تو ہمارے ملنے جانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ رات تک یہ ہی ارادہ باندھتی رہی 'مگر فرہاد کے گھر آتے ہی اس کے تمام ارادے چکنا چور ہو گئے۔

"یہ کچھ سامان ہے جو تمہارے لیے صباحت بھابھی نے بھیجا ہے۔ فضا بھابھی بھی تمہارے اور بچوں کے تحائف دے رہی تھیں 'لیکن پھر بولیں میں خود جب ملنے آؤں گی تو لیتی آؤں گی۔"

اندر داخل ہوتے ہی فرہاد نے ایک شاپر اس کی جانب بڑھایا۔ جسے خاموشی سے تھام کر زینب نے بنا دیکھے ہی

قریب موجود چھوٹی سی لکڑی کی ٹیبل پر رکھ دیا۔

"کھانا گرم کر دوں؟" حلق میں آئے آنسو بمشکل نگلتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں میں کھا کر آیا ہوں اور یہ کھول کر دیکھ تو لو بھابھی نے کیا بھیجا ہے۔" اس کا اشارہ یقیناً "ٹیبل پر رکھے شاپر کی جانب تھا۔

"ابھی فارغ ہو کر دیکھوں گی۔" وہ لڑنے کے موڈ میں بالکل نہ تھی۔

"ناشکری عورت۔۔۔"

کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے فرہاد طنزاً "بڑبڑایا' زینب نے بالکل اگنور کر دیا۔ فرہاد کا موڈ جانے کیوں آج صبح سے ہی خراب تھا اور جب بھی ایسا ہوتا وہ بہانے بہانے سے لڑنے کی کوشش کرتا جیسے آج صبح سے ہی کئی بار کر چکا تھا۔ اس وقت زینب کا کمرے میں جانا بھی بھڑ جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ وہ وہیں لاؤنج میں موجود ٹی وی کے سامنے بیٹھ گئی' جہاں کوئی پاکستانی فلم آرہی تھی۔ فلم ختم ہوتے ہوتے رات کے تین بج گئے۔ زینب نے ٹی وی بند کر کے ایک نظر کمرے کے بند دروازے پر ڈالی۔ فرہاد یقیناً "سو چکا تھا۔ وہ آہستہ آواز میں دروازہ کھول کر کمرے میں آئی اور خاموشی سے بیڈ کے کنارے ٹک کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

اسکول سے باہر نکلتے ہی اس کی نگاہ روڈ کے دوسری جانب پڑی جہاں فٹ پاتھ پر دو عجیب لوفر سے نوجوان کھڑے تھے۔ جن میں سے ایک یقیناً "شوکا تھا۔ "یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔"

شوکے پر نظر پڑتے وہ زیر لب بڑبڑائی' ساتھ ہی مارے خوف کے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے قدموں سے جان ہی نکل گئی ہو آج ارم بھی اسکول نہیں آئی تھی اور اب گھر واپسی کا تقریباً "پندرہ منٹ کا سفر اسے اکیلے ہی طے کرنا تھا۔ اس نے اپنے گرد اچھی طرح دوپٹا لپیٹا اور ہمت باندھتی ہوئی روڈ کراس کی' شوکے' کے قریب سے گزرتی ہوئی وہ مین روڈ پر آگئی۔ اس سے آگے پیچھے اسکول کی کچھ اور لڑکیاں بھی اپنے گھروں کو رواں دواں تھیں۔ ویسے بھی یہ روڈ خاصی بارونق ہوا کرتی تھی۔ اصل مسئلہ تو اپنی گلی کا تھا' جو ہر ٹائم ہی مکمل طور پر سنسان ہوتی۔ تیز تیز چلتے اسے سانس چڑھ گیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے شوکا بھی اس کے پیچھے ہی آرہا ہو۔ تقریباً "دس منٹ بعد وہ اپنے گھر جانے والی پتلی سی گلی کی جانب مڑ گئی۔ جب اچانک تیز تیز چلتا شوکا اس کے بالکل سامنے آگیا۔

"سوہنیو تسی میرے سے اتنا ڈرتے کیوں ہو۔"

اپنے گندے پیلے دانتوں کی نمائش کرتا ہوا وہ اک ادا سے بولا۔

"تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے' ورنہ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جو تم سے ڈروں۔"

اپنے کپکپاتے لہجے پر قابو پاتے ہوئے وہ ذرا زور سے بولی۔

"ہاہاہا۔۔۔ اچھا۔"

ایسے جیسے شوکے نے اس کے جواب کو خوب انجوائے کیا۔

"پھر اتنا بھاگ بھاگ کر گھر کیوں جا رہی ہو' میں تمہیں کھا تھوڑی جاؤں گا۔" وہ اس کے مزید قریب ہوا۔

"میرے آگے سے ہٹو۔۔۔"

وہ چلائی اور تیز تیز چلتی آگے بڑھ گئی۔ تین گھر چھوڑ کر جو تھا اس کا تھا۔ بھاگتی ہوئی گھر کی دہلیز عبور کرتی۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی سامنے ہی صحن میں اماں کھڑی تھیں۔ اس کی سانس ابھی تک بحال نہ ہوئی تھی۔

"کیا ہوا تمہیں کیوں اتنا گھبرائی ہوئی ہو۔"

اس کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں انہیں دور سے ہی دکھائی دے گئیں۔

"کچھ نہیں گرمی لگ رہی ہے۔"

منہ پر آیا پسینہ دوپٹے سے پونچھتی وہ اندر چل دی۔ اماں نے بالٹی میں رکھا آخری کپڑا تار پر ڈالا اور اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آگئیں۔

"تم نے کھانا نہیں کھانا۔" وہ ہمیشہ گھر آکر کھانے کا شور مچایا کرتی تھی۔

"بھوک نہیں ہے۔"

شوکے کی آج والی حرکت نے اس کی بھوک پیاس سب ختم کردی تھی۔ مارے خوف کے ابھی تک اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔

"تمہیں شوکے نے کچھ کہا ہے؟"

اماں یک دم اس کے سامنے آن کھڑی ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں لرزتی خوف کی پرچھائیاں اسے صاف محسوس ہورہی تھیں۔

"آپ کو کیسے پتا چلا؟"

اپنی ماں کے اس قدر درست اندازے نے اسے حیران کردیا۔ اسے سوچنے پر بھی یاد نہ آیا کہ اس نے اماں سے کبھی شوکے کا کوئی ذکر کیا ہو۔ پھر اماں نے اس سے ایسا سوال کیوں کیا۔ وہ حیرت زدہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوگئی۔ "اماں آپ کو شوکے کا کس نے بتایا۔"

"میں ماں ہوں تمہاری' مجھے تمہارے ہر عمل پر نظر رکھنا پڑتی ہے اور یہ میری ذمہ داری ہے بارش والے دن تمہارا خوف کے مارے دروازے سے واپس پلٹ آنا میں کبھی نہیں بھولی' پھر ایک' دو دفعہ تم سے سرزد ہونے والی حرکات نے مجھ پر واضح کیا کہ تم شوکے سے خوف زدہ ہو' کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔"

انہوں نے مسلسل اسے گھورتے ہوئے دریافت کیا۔ ان کی آواز بھی شاید ہلکی سا کپکپا رہی تھی۔

"وہ بہت بدتمیز لڑکا ہے' بنا کسی ریپائس کے جانے کیوں مجھے تنگ کررہا ہے۔"

"میں اس کے گھر جاکر اس کی ماں سے بات کروں گی' آخر یہ پورا محلہ بچپن سے مجھے جانتا ہے۔ ایک عزت ہے میری اس محلے میں پھر کس طرح حملہ کا کوئی اوباش نوجوان میری بچی کو اس طرح تنگ کرسکتا ہے۔"

چھوڑدیں اماں' آپ کسی سے کوئی بات نہیں کریں گی' ایسا نہ ہو آپ کے منہ سے نکلنے والی کوئی بات بلا سبب مجھے اس محلے میں بدنام کرنے کا باعث بن جائے اور ویسے بھی جو اولاد اپنے ماں' باپ سے ڈرتی ہو یا ان کا عزت و احترام کرتی ہو وہ شوکے جیسی نہیں ہوتی۔"

وہ درست کہہ رہی تھی اماں کی سمجھ میں اس کی بات آگئی۔

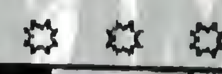
"پھر بتاؤ بھلا اس مسئلہ کو کیسے حل کروں' ہماری خاموشی تو اس بدمعاش کو مزید شہ دے گی وہ ہمیں مجبور اور بے بس سمجھ کر مزید شیر ہوگا۔" بے بسی اماں کے لہجہ میں در آئی۔

"کچھ نہیں ہوتا اماں اللہ پر بھروسا رکھیں۔" وہ ماں کو مزید خوف زدہ نہ کرنا چاہتی تھی۔

"کھانا گرم کریں' میں یونیفارم تبدیل کرکے آرہی ہوں۔" ماں کا دھیان شوکے سے ہٹانا اس وقت اشد ضروری تھا۔

"اچھا۔۔۔"

اماں نے اس پر ایک گہری نظر ڈالی اور کچن کی جانب چل دیں۔



"بس بھائی صاحب آپ خود ہمارے گھر آگئے۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔"

ماموں نے ہاتھ اٹھاکر ممانی کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ ایشال نے اپنی کئی دیر سے روکی ہوئی سانس بحال کی۔ اسے خدشہ تھا کہیں ممانی اس موقع پر اس کے سابقہ نکاح کا حوالہ دے کر کوئی بات خراب نہ کردیں' مگر ماموں جان کی بروقت مداخلت نے اس کا یہ خدشہ فوراً" دور کردیا۔ ایشال کے ساتھ ساتھ مما کے چہرے پر بھی اطمینان سا پھیل گیا۔

"پھر میں آپ کی طرف سے ہاں سمجھوں؟"

پاپا کی طویل خاموشی کو محسوس کرتے ہی مما فوراً" اپنے مطلب کی بات پر آتے ہوئے بولیں۔ ایشال نے بغور پاپا کی جانب تکا' ان کے چہرے پر پھیلی الجھن وہ واضح طور پر محسوس کرسکتا تھا۔

"میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ بھائی صاحب کی آمد کے بعد اب مزید کسی شک و شبہ یا انکار کی گنجائش باقی نہیں رہی' پھر بھی میں اپنی تسلی کے لیے چاہوں گا کہ۔۔۔"

ماموں جان کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ پاپا کے سیل کی مخصوص آواز نے کمرے میں ایک ارتعاش سا پیدا کردیا۔

"ایکسکیوز می۔۔۔"

پاپا نے فون کی اسکرین پر ایک نظر ڈالی اور اسے ہاتھ میں لیتے ہوئے فوراً" اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میرا ضروری فون ہے۔"

یس کا بٹن دبا کر فون کان سے لگاتے انہوں نے وضاحت کی اور پھر اسی طرح ٹیرس میں نکلنے والے دروازے سے باہر نکل گئے۔ مما نے جیسے شکر کا سانس لیا۔ انہیں خدشہ تھا کہیں پاپا اپنی اس شرط کا ذکر نہ کردیں جو انہوں نے ایشال کے سامنے اس کے نکاح کے حوالے سے رکھی تھی۔

"اریشہ بیٹا صفیہ کے ساتھ مل کر کھانا لگاؤ۔" ممانی نے آواز لگائی۔

"نہیں بھابھی اب ہم چلیں گے۔ ملک صاحب کو کہیں ضروری کام سے جانا ہے۔"

پاپا نے یہاں آنے سے قبل ہی وضاحت کردی تھی کہ انہیں جلد واپس گھر آنا ہے' کیونکہ آج شاید ان کی کوئی ضروری میٹنگ تھی۔ مما کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ ان کے ساتھ اریشہ کا رشتہ مانگنے' ان کے بھائی کے گھر آگئے۔ حقیقت میں یہ وہ عمل تھا جس کی انہیں ملک صاحب سے اپنی زندگی میں کم از کم ایک فیصد بھی امید نہ تھی۔ مگر شاید اللہ تعالیٰ جو کچھ نصیب میں لکھ دیتا ہے وہ اسی طرح پورا ہوا کرتا ہے۔

"اپنے پاپا کو بلاؤ' گھر چلیں دیر ہورہی ہے۔"

مما نے ہاتھ میں پکڑا خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ایشال کو اشارہ کیا۔ ایشال فوراً" سے بیشتر اٹھ کھڑا ہوا۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر اس نے ٹیرس میں جھانکا۔ پاپا ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ فون جانے کب کا بند ہوچکا تھا۔ اب وہ اپنی ہی کسی سوچ میں گم تھے۔ جب انہیں ایشال نے پکارا۔

"پاپا۔۔۔"

وہ یک دم چونکے۔

"آجائیں مما' بلا رہی ہیں' گھر جانا ہے۔"

"اچھا۔۔۔" اثبات میں گردن ہلاتے وہ ایشال کے پیچھے ہی واپس آگئے وہ بے حد پریشان تھے۔ جس کا اندازہ ان کے چہرے کو دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔ مگر اپنی خواہش کے حصول میں مگن ہر شخص انہیں جان بوجھ کر نظرانداز کیے جارہا تھا۔ شاید اپنی کامیابی اور خوشی کے لیے دوسروں کا حق چھیننا ہی زندگی ہے' ملک صاحب نے تو اس تمام

اس کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں انہیں دور سے ہی دکھائی دے گئیں۔
"کچھ نہیں بھی گرمی لگ رہی ہے۔"
منہ پر آیا پسینہ دوپٹے سے پونچھتی وہ اندر چل دی۔ اماں نے بالٹی میں رکھا آخری کپڑا تار پر ڈالا اور اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آگئیں۔
"تم نے کھانا نہیں کھانا۔" وہ ہمیشہ گھر آکر کھانے کا شور مچایا کرتی تھی۔
"بھوک نہیں ہے۔"
شوکے کی آج والی حرکت نے اس کی بھوک پیاس سب ختم کردی تھی۔ مارے خوف کے ابھی تک اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔
"تمہیں شوکے نے کچھ کہا ہے؟"
اماں یک دم اس کے سامنے آن کھڑی ہوئیں۔ ان کی آنکھوں میں لرزتی خوف کی پرچھائیاں اسے صاف محسوس ہو رہی تھیں۔
"آپ کو کیسے پتا چلا؟"
اپنی ماں کے اس قدر درست انداز نے اسے حیران کردیا۔ اسے سوچنے پر بھی یاد نہ آیا کہ اس نے اماں سے کبھی شوکے کا کوئی ذکر کیا ہو۔ پھر اماں نے اس سے ایسا سوال کیوں کیا۔ وہ حیرت زدہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوگئی۔ "اماں آپ کو شوکے کا کس نے بتایا۔"
"میں ماں ہوں تمہاری' مجھے تمہارے ہر عمل پر نظر رکھنا پڑتی ہے اور یہ میری ذمہ داری ہے بارش والے دن تمہارا خوف کے مارے دروازے سے واپس پلٹ آنا میں کبھی نہیں بھولی' پھر ایک' دو دفعہ تم سے سرزد ہونے والی حرکات نے مجھ پر واضح کیا کہ تم شوکے سے خوف زدہ ہو' کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔"
انہوں نے مسلسل اسے گھورتے ہوئے دریافت کیا۔ ان کی آواز بھی شاید ہلکی سا کپکپا رہی تھی۔
"وہ بہت بدتمیز لڑکا ہے' بنا کسی ریپاکس کے جانے کیوں مجھے تنگ کر رہا ہے۔"
"میں اس کے گھر جا کر اس کی ماں سے بات کروں گی' آخر یہ پورا محلہ بچپن سے مجھے جانتا ہے۔ ایک عزت ہے میری اس محلے میں پھر کس طرح حملہ کا کوئی اوباش نوجوان میری بچی کو اس طرح تنگ کر سکتا ہے۔"
چھوڑدیں اماں' آپ کسی سے کوئی بات نہیں کریں گی' ایسا نہ ہو آپ کے منہ سے نکلنے والی کوئی بات بلا سبب مجھے اس محلے میں بدنام کرنے کا باعث بن جائے اور ویسے بھی جو اولاد اپنے ماں' باپ سے ڈرتی ہو یا ان کا عزت و احترام کرتی ہو وہ شوکے جیسی نہیں ہوتی۔"
وہ درست کہہ رہی تھی اماں کی سمجھ میں اس کی بات آگئی۔
"پھر بتاؤ بھلا اس مسئلہ کو کیسے حل کروں' ہماری خاموشی تو اس بدمعاش کو مزید شہ دے گی وہ ہمیں مجبور اور بے بس سمجھ کر مزید شیر ہوگا۔" بے بسی اماں کے لہجہ میں در آئی۔
"کچھ نہیں ہوتا اماں اللہ پر بھروسا رکھیں۔" وہ ماں کو مزید خوف زدہ نہ کرنا چاہتی تھی۔
"کھانا گرم کریں' میں یونیفارم تبدیل کرکے آرہی ہوں۔" ماں کا دھیان شوکے سے ہٹانا اس وقت اشد ضروری تھا۔
"اچھا۔۔۔"
اماں نے اس پر ایک گہری نظر ڈالی اور کچن کی جانب چل دیں۔

☼ ☼ ☼

"بس بھائی صاحب آپ خود ہمارے گھر آگئے۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔"
ماموں نے ہاتھ اٹھا کر ممانی کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ ایشال نے اپنی کئی دیر سے روکی ہوئی سانس بحال کی۔ اسے خدشہ تھا کہیں ممانی اس موقع پر اس کے سابقہ نکاح کا حوالہ دے کر کوئی بات خراب نہ کردیں' مگر ماموں جان کی بروقت مداخلت نے اس کا یہ خدشہ فوراً" دور کردیا۔ ایشال کے ساتھ ساتھ مما کے چہرے پر بھی اطمینان سا پھیل گیا۔
"پھر میں آپ کی طرف سے ہاں سمجھوں؟"
پاپا کی طویل خاموشی کو محسوس کرتے ہی مما فوراً" اپنے مطلب کی بات پر آتے ہوئے بولیں۔ ایشال نے بغور پاپا کی جانب تکا' ان کے چہرے پر پھیلی الجھن وہ واضح طور پر محسوس کر سکتا تھا۔
"میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ بھائی صاحب کی آمد کے بعد اب مزید کسی شک و شبہ یا انکار کی گنجائش باقی نہیں رہی' پھر بھی میں اپنی تسلی کے لیے چاہوں گا کہ۔۔۔"
ماموں جان کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ پاپا کے سیل کی مخصوص آواز نے کمرے میں ایک ارتعاش سا پیدا کردیا۔
"ایکسکیوزمی۔۔۔"
پاپا نے فون کی اسکرین پر ایک نظر ڈالی اور اسے ہاتھ میں لیتے ہوئے فوراً" اٹھ کھڑے ہوئے۔
"میرا ضروری فون ہے۔"
یس کا بٹن دبا کر فون کان سے لگاتے انہوں نے وضاحت کی اور پھر اسی طرح ٹیرس میں نکلنے والے دروازے سے باہر نکل گئے۔ مما نے جیسے شکر کا سانس لیا۔ انہیں خدشہ تھا کہیں پاپا اپنی اس شرط کا ذکر نہ کردیں جو انہوں نے ایشال کے سامنے اس کے نکاح کے حوالے سے رکھی تھی۔
"اریشہ بیٹا صفیہ کے ساتھ مل کر کھانا لگاؤ۔" ممانی نے آواز لگائی۔
"نہیں بھابھی اب ہم چلیں گے۔ ملک صاحب کو کہیں ضروری کام سے جانا ہے۔"
پاپا نے یہاں آنے سے قبل ہی وضاحت کردی تھی کہ انہیں جلد واپس گھر آنا ہے' کیونکہ آج شاید ان کی کوئی ضروری میٹنگ تھی۔ مما کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ ان کے ساتھ اریشہ کا رشتہ مانگنے' ان کے بھائی کے گھر آگئے۔ حقیقت میں یہ وہ عمل تھا جس کی انہیں ملک صاحب سے اپنی زندگی میں کم از کم ایک فیصد بھی امید نہ تھی۔ مگر شاید اللہ تعالیٰ جو کچھ نصیب میں لکھ دیتا ہے وہ اسی طرح پورا ہوا کرتا ہے۔
"اپنے پاپا کو بلاؤ' گھر چلیں دیر ہو رہی ہے۔"
مما نے ہاتھ میں پکڑا خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ایشال کو اشارہ کیا۔ ایشال فوراً" سے بیشتر اٹھ کھڑا ہوا۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر اس نے ٹیرس میں جھانکا۔ پاپا ریلنگ سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ فون جانے کب کا بند ہوچکا تھا۔ اب وہ اپنی ہی کسی سوچ میں گم تھے۔ جب انہیں ایشال نے پکارا۔
"پاپا۔۔۔"
وہ یک دم چونکے۔
"آجائیں مما' بلا رہی ہیں' گھر جانا ہے۔"
"اچھا۔۔۔" اثبات میں گردن ہلاتے وہ ایشال کے پیچھے ہی واپس آگئے وہ بے حد پریشان تھے۔ جس کا اندازہ ان کے چہرے کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔ مگر اپنی خواہش کے حصول میں مگن ہر شخص انہیں جان بوجھ کر نظر انداز کیے جا رہا تھا۔ شاید اپنی کامیابی اور خوشی کے لیے دوسروں کا حق چھیننا ہی زندگی ہے' ملک صاحب نے تو اس تمام

عمل سے یہ ہی نتیجہ اخذ کیا۔ جس سے وہ خاصے مایوس بھی ہوئے۔

"ہم چاہتے ہیں' آپ کوئی قریبی تاریخ دیکھ کر نکاح کی تقریب رکھ لیں' کیونکہ ایشال نے لندن واپس جانا ہے اور میں چاہتا ہوں اریشہ بھی اس کے ساتھ ہی چلی جائے۔"

اپنے لہجہ کو حتی الامکان نرم بناتے ہوئے پاپا نے ایشال پر ایک نظر ڈالی۔ پاپا کے اس فیصلے کا علم بھی انہیں یہاں آکر ہی ہوا۔ ورنہ وہ تو سمجھا تھا کہ اس کے لندن شفٹ ہو جانے والی دھمکی نے پاپا کو اس رشتہ پر رام کیا ہے۔ اس کا یہ خیال بھی دوسرے تمام خیالوں کی طرح غلط ثابت ہوا۔ اسے اندازہ ہوا اس کی سوچ ہمیشہ ہی غلط رہی ہے۔

"اچھا ہم تو سمجھے اب وہ آپ کے ساتھ کاروبار سنبھالے گا۔ ہمیں تو نہیں پتا کہ وہ لندن واپس جائے گا۔" ممانی نے حیرت کے عالم میں مما پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ممانی یہ فیصلہ میرا ہے۔ مجھے لندن جاکر اپنا فیشن ڈیزائننگ کا ڈپلومہ مکمل کرنا ہے اور ایشال نے میرے کہنے پر وہاں اپلائی کیا تھا۔ اسے اچھی جاب مل گئی ہے۔"

ایشال کی مدد کے لیے فوراً" اریشہ اس کے ساتھ آن کھڑی ہوئی اور اس میں کوئی مبالغہ آمیزی بھی نہیں تھی۔

"جیسے بچوں کا دل چاہے یہ زندگی گزاریں' ہم اور آپ کون ہوتے ہی اعتراض کرنے والے۔" ماموں کے ان الفاظ نے ایشال کو خاصا حوصلہ دیا۔ "آپ یہ مٹھائی رشتہ داروں میں بانٹ دیجیے گا' تاکہ سب کو علم ہو جائے کہ ہم نے ایشال اور اریشہ کا رشتہ پکا کر دیا ہے۔"

مما نے اریشہ کو خود سے لگا کر پیار کرتے ہوئے ممانی کو ہدایت دی۔ اس ہدایت کا کیا مقصد تھا۔ شاید پاپا سمجھ چکے تھے اسی لیے وہ اپنی پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔ اپنی خوشیوں میں مگن کسی بھی فرد نے ان کی خاموشی کو محسوس ہی نہیں کیا۔

☼ ☼ ☼

وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئیں سامنے نظر آنے والے منظر نے انہیں اپنی جگہ بالکل ساکت کر دیا۔ حبیبہ' شاہ زین کے انتہائی قریب کھڑی دور سے ہی خاصی شاداں و فرحاں دکھائی دے رہی تھی۔ شاہ زین جانے اسے ایسا کیا سنا رہا تھا کہ ہنسی اس کے لبوں سے پھوٹی پڑ رہی تھی اور ایسے میں وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ حسین دکھائی دے رہی تھی۔ جانے کیوں انہیں یہ منظر خاصا ناگوار لگا۔ انہوں نے آفس کے ہال پر چاروں طرف ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی' دونوں کمپیوٹر آپریٹر اپنے اپنے کمپیوٹرز پر بری طرح بزی تھے۔ عمر صاحب کی ٹیبل خالی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی ہی تھیں کہ اچانک ہی کرن جانے کس سمت سے نکل کر ان کے سامنے آگئی۔ وہ ٹھٹک کر اپنی جگہ رک گئیں۔

"السلام علیکم میم! کیسی ہیں آپ۔" کرن ان سے خاصی بے تکلف تھی۔

"وعلیکم السلام۔"

ابھی بھی وہ دونوں ان کی نگاہوں کی زد میں تھے جب اچانک حبیبہ کی نگاہ ان پر پڑ گئی۔ اس کے مسکراتے لب یک دم بھینچ گئے۔ اس کے خاموش ہوتے ہی شاہ زین نے پلٹ کر دیکھا اور مما کو کرن سے بات کرتا دیکھ کر مسکراتا ہوا ان کے قریب آگیا۔

"ارے پاپا تو ابھی ابھی کسی کام سے باہر گئے ہیں۔ آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔" وہ سمجھا شاید مما' پاپا کے پاس آئی ہیں۔

"اچھا... میں نے کہا تو تھا میرا ویٹ کریں' مگر شاید مجھے راستہ میں ٹریفک کے باعث کچھ زیادہ ہی دیر ہو گئی' خیر کوئی بات نہیں' مجھے علم ہے وہ کہاں گئے ہیں۔"

"السلام علیکم..." جانے کب حبیبہ' شاہ زین کے بالکل قریب آکھڑی ہوئی' انہیں پتا ہی نہ چلا۔

"وعلیکم السلام۔" جواب کے ساتھ ہی انہوں نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔

"مما یہ حبیبہ ہے۔ آپ جانتی ہیں نا اور حبیبہ یہ میری مما۔"

اس موقع پر شاہ زین نے انہیں متعارف کروانا ضروری سمجھا۔

"میں جانتی ہوں' تم سے کئی بار ذکر سن چکی ہوں۔"

شاید وہ کچھ دیر قبل والی ناگوار کیفیت سے باہر نکل آئی تھیں۔

"تم آؤ کسی دن کرن کے ساتھ ہمارے گھر یہ تو اکثر آجاتی ہے۔" ان کی خود پر پڑنے والی گہری نظروں نے حبیبہ کو کچھ کنفیوز سا کر دیا۔

"جی ضرور..."

حبیبہ کو شاید ان کے اس طرح بات کرنے کی امید نہ تھی ویسے بھی وہ کرن سے ان کے پر غرور رویہ کے بارے میں خاصا کچھ سن چکی تھی۔ جبکہ اس وقت وہ ایسی بالکل دکھائی نہ دے رہی تھیں۔

"چلو میں چلتی ہو تمہاری آپا کے لیے کچھ سامان بھیجنا ہے۔ ان کی ایک دوست آئی ہوئی ہے اور آج شام کی فلائٹ سے اس کی واپسی بھی ہے اور آج ہی میرا اسے ہر حال میں سامان پہنچانا اشد ضروری ہے۔" وہ وہیں سے واپس مڑ گئیں۔

"شاید دو ماہ تک آپا بھی کراچی آئیں تو میں تمہیں ان سے ضرور ملواؤں گا۔ مجھے امید ہے ان سے مل کر تمہیں بہت اچھے لگے گا' کیونکہ وہ بہت ہی اچھی ہیں' نہایت لیونگ اور دوسروں کا خیال رکھنے والی۔"

"اچھا..."

مختصر سا جواب دے کر حبیبہ کرن کی جانب بڑھ گئی' جبکہ شاہ زین اسے وہیں کھڑا دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"ایک بات پوچھوں بیٹا۔" مٹر چھیلتے چھیلتے سکینہ کو جانے کیا یاد آگیا۔

"جی آنٹی ضرور پوچھیں' ویسے بھی مجھ سے کچھ پوچھنے کے لیے آپ کو اس طرح اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

تیزی سے کاغذ پر قلم چلاتے ہوئے اس کا ہاتھ یک دم رک گیا۔

"تمہارے پاس ایشال صاحب کا نمبر نہیں ہے؟"

سکینہ کا سوال خاصا غیر متوقع تھا۔ وہ حیران سی رہ گئی۔

"مطلب..."

وہ ناسمجھی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"مطلب ان کا فون نمبر وغیرہ..."

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ آنٹی میں نے اس سے کبھی رابطہ نہیں کیا تو پھر فون نمبر ہونے کا کیا جواز بنتا ہے۔"

"پھر بھی نمبر ہونا تو چاہیے۔ آخر اتنا حق تو تمہارا بنتا ہے۔"

"مجھے اس قسم کے حق جتانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ویسے بھی اگر اسے میری کبھی کوئی ضرورت ہوتی تو

اتنے سالوں میں کم از کم ایک آدھ بار مجھ سے رابطہ ضرور کرتا اور یہ سب اس کے لیے اتنا مشکل نہ تھا۔"
مطلب وہ سب کچھ جانتی تھی، سکینہ چور سی بن گئی۔

"ویسے آپ کو آج یہ خیال آیا کیسے؟" سکینہ کو خاموش دیکھ کر اس نے ایک بار پھر بات شروع کی۔

"دراصل بیٹا میرا دل چاہتا ہے کہ اتنے سالوں قبل شروع ہونے والا یہ آنکھ مچولی کا کھیل اب ختم ہو جانا چاہیے۔" ان کا اشارہ یقیناً" اس کے نکاح کی جانب تھا۔

"تمہیں کوئی ایک فیصلہ کر لینا چاہیے۔ کتنے سالوں سے تم ایشال کے نام پر بیٹھی ہو اور جانے کب تک یوں ہی بیٹھی رہو گی۔" سکینہ نے اپنی آواز کو مزید آہستہ کیا۔

"تمہیں اپنی زندگی کے بارے میں خود فیصلہ کرنا ہوگا۔ آر یا پار۔۔۔ ورنہ اس طرح تمہاری ساری زندگی یوں ہی گزر جائے گی اور جانتی ہو لڑکیوں کی ایک عمر ہوتی ہے جب انہیں اپنے گھر بار کا ہو جانا چاہیے اور اگر آج تمہاری یہ عمر نکل گئی تو ہمیشہ یوں ہی تنہا زندگی گزر جائے گی اور کسی عورت کے لیے تنہا زندگی سے بڑھ کر کوئی دوسرا عذاب نہیں ہوتا۔"

سکینہ آج اسے ہر بات سمجھا دینا چاہتی تھی۔

"پھر آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے قلم پر کیپ لگا کر ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔
اب وہ مکمل طور پر سکینہ کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

"ایشال سے بات کرو' اگر وہ رخصتی پر آمادہ ہے تو ٹھیک۔۔۔ ورنہ کوئی اور اچھا لڑکا دیکھ کر شادی کر لو اور اپنا گھر بساؤ۔"

سکینہ نے جان بوجھ کر طلاق کا لفظ استعمال نہ کیا۔

"میں ایسا نہیں کر سکتی۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"جانتی ہیں میری ماں کے ایک غلط فیصلے نے انہیں ساری زندگی تپتے ریگستان میں برہنہ پاؤں گزار کھا۔ جس نے ان کے پاؤں آبلہ پا کر دیے۔۔۔ مگر اس طرح کہ وہ اپنا دکھ اور تکلیف کسی سے کہنے کے قابل بھی نہ رہیں۔ کیونکہ انہوں نے خود اپنے تمام رشتوں کو کھو دیا تھا' مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔ مجھے اپنی ماں کے دامن پر لگا داغ دھونا ہے۔ وہ لوگ جو مجھے میری ماں کے حوالے سے شاید ایک بدکردار لڑکی سمجھتے ہیں' انہیں بتانا ہے کہ میری طرح میری ماں بھی ایک معصوم عورت تھی جس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ حالات کی سنگینی نہ برداشت کر سکی اور مردوں کے اس معاشرے میں ایک مرد سے بھی لینے والے انتقام نے اس کو انجانے میں تباہ کر دیا۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"تو پھر تم کیا ساری زندگی اسی طرح گزار دو گی۔"

"جو بھی ہے آنٹی میں ایشال سے کبھی اور کسی بھی صورت طلاق نہیں لے سکتی۔ چاہے اسی طرح اپنی عمر کی تمام بہاریں دیکھ کر میں خزاں رسیدہ ہو جاؤں۔ مگر میں کسی اور سے شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔

"یہ پھر تمہاری خود اپنے ساتھ زیادتی ہوگی۔"

"آپ بس میرے لیے دعا کیا کریں۔"

وہ دوبارہ سے ہاتھ میں قلم تھام کر اپنے کام میں دوبارہ مصروف ہو گئی۔ اس پل سکینہ کو اس چھوٹی سی معصوم لڑکی پر اس قدر ترس آیا کہ اگر جو اس کے بس میں ہوتا وہ دنیا بھر کی خوشیاں اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیتی۔ مگر یہ سب کچھ اس کے اختیار میں نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم نے وجاہت کا رشتہ کہیں طے کیا۔ مطلب اس کی شادی کی یا ابھی بھی کنوارا ہی ہے۔"

آج کئی ماہ بعد خالدہ خالہ کو جانے کیوں وجاہت کا خیال ایک دم پھر سے آگیا۔ رابعہ بھی سن کر حیران ضرور ہوئی۔ مگر بولی کچھ نہیں۔ "وہ تو پچھلے چار ماہ سے دبئی میں ہیں کسی بڑی کنسٹرکشن کمپنی میں انہیں کام مل گیا تھا جو ابھی تک مکمل نہیں ہوا۔"

رابعہ نے خالہ کے بیٹھنے کے لیے کرسی باہر برآمدے میں رکھتے ہوئے انہیں مکمل تفصیل سے آگاہ کیا۔

"چلو اچھا ہوا۔۔۔ وہاں تو سنا ہے پیسہ بھی بہت ہے۔" خالہ نے برقعہ اتار کر کرسی کی پشت پر ڈال دیا۔

"میں کھانا کھاؤں گی۔"

رابعہ کو کچن کی جانب بڑھتا دیکھ کر انہوں نے پیچھے سے آواز لگائی مبادا کہیں وہ چائے نہ بنا لائے۔ کچھ دیر بعد ہی رابعہ نے کھانے کی ٹرے ان کے قریب لا کر رکھ دی۔

"ارے کریلے گوشت تو مجھے ہمیشہ سے بہت پسند رہے ہیں۔"

سالن پر نگاہ ڈالتے ہی وہ خوشی سے کھل گئیں۔ رابعہ نے خاموشی سے پانی کی بوتل ان کے قریب لا رکھی۔

"اچھا۔۔۔ یہ بتاؤ اب تمہیں وجاہت میاں کی شادی کرنی ہے یا نہیں۔"

"ظاہر ہے خالہ کرنی ہی ہے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی اچھی لڑکی مل جائے۔"

"لڑکی تو خیر بہت اچھی ہے۔۔۔ بسم اللہ۔۔۔" خالہ نے لقمہ توڑ کر منہ میں رکھا۔ خوب صورت تو ایسی مانو ہاتھ لگائے میلی ہو اور عمر بھی کوئی زیادہ نہیں' یہ ہی کوئی مشکل سے بائیں' تیئس سال۔"

"حد ہے خالہ اتنی چھوٹی اور خوب صورت لڑکی کو ایسی کیا مشکل پیش آگئی۔ جو آپ اس کا رشتہ وجاہت بھائی کے لیے لے آئیں۔" خالہ کی تفصیل نے رابعہ کو خاصا حیران کردیا۔

"مجبوری ہے بیٹا۔ بچی اس دنیا میں بالکل تن تنہا ہے۔ ایک ماں تھی' وہ بھی فوت ہوگئی۔ اب رشتہ داروں کے در پر پڑی ہے۔ تایا کے بیٹے سے شادی ہوئی تھی۔ وہ بھی چھوڑ چھاڑ کر بھاگ گیا۔"

"وہ کیوں بھاگ گیا۔ اتنی خوب صورت بیوی چھوڑ کر۔۔۔"

"زیادہ تفصیل تو مجھے نہیں معلوم۔۔۔ اتنا ضرور علم ہے وہ کسی دوسری لڑکی سے محبت کرتا تھا۔ بس اس کی خاطر اس معصوم کو طلاق دے دی۔ وہ تو کسی بھی ایسے شخص سے شادی پر راضی ہے جو صرف اسے ایک گھر اور اس کی چھت فراہم کردے۔ اس بچی کی تو کوئی اور شرط بھی نہیں۔"

"اللہ معاف کرے۔۔۔ خالہ کس قدر بے حس لوگ ہوتے ہیں۔" رابعہ کا حساس دل دکھ گیا۔ "مجھے امید تو نہیں ہے کہ بھائی اتنی چھوٹی لڑکی سے شادی کرنے پر آمادہ ہوں۔ اب وہ جب واپس آئے تو میں ان سے پوچھوں گی ضرور۔"

"چلو اگر وہ مان جائے تو بتانا۔ ورنہ میں کوئی اور رشتہ ڈھونڈوں۔"

"جی ضرور۔"

رابعہ ان کے خالی برتن اٹھا کر کچن کی جانب بڑھ گئی۔ "اچھا اب چائے مت بنانا' مجھے پہلے ہی خاصی دیر ہوگئی۔ آج ایک لڑکی دکھانے جانا ہے۔ دعا کرو کہ کام بن جائے۔"

"ان شاء اللہ خالہ اگر بہتری ہوئی تو ضرور بنے گا۔ آپ بیٹھ جائیں میں چائے بنا کر لا رہی ہوں۔"

حسب توقع خالہ فوراً" واپس بیٹھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"مجھ سے شادی کرو گی؟" سالار کا سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ زینب ہکا بکا رہ گئی۔

"آپ سے شادی۔۔۔" پہلے تو اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

"ظاہر ہے میں کوئی فارسی تو نہیں بول رہا ہوں۔"

"میرا خیال ہے آپ مذاق کررہے ہیں۔"

اس نے ہنستے ہوئے قریب رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا۔ اس کا حلق شدید ترین خشک ہوچکا تھا۔

"میں اس قسم کے مذاق نہیں کرتا اور نہ ہی میری عمر مذاق کی ہے۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"میرا خیال ہے نازیہ کی طبیعت کی خرابی نے آپ کے دماغ پر بھی اثر ڈالا ہے۔" زینب ابھی بھی غیر سنجیدہ تھی۔

"میں نے جو پوچھا ہے زینب' مجھے اس بات کا جواب دو' ہاں یا نا۔۔۔"

وہ ٹیبل پر دونوں کہنیاں ٹکا کر اس کی طرف جھکا زینب کو اس کی نگاہوں میں اپنی بات کی مضبوطی جھلکتی دکھائی دی۔ اسے سمجھ ہی نہ آیا وہ کیا جواب دے۔

"آپ شاید بھول گئے ہیں۔ میں نہ صرف ایک شادی شدہ عورت' بلکہ دو بچیوں کی ماں بھی ہوں۔"

"تو کیا ان تمام مجبوریوں نے تم سے تمہارا دل چھین لیا ہے۔ تمہارے جذبات اور احساسات کو ختم کردیا ہے۔ کیا شادی شدہ عورت مرجاتی ہے۔ اس کی اپنی کوئی خواہشات نہیں ہوتیں۔" زینب ایک دم خاموش ہوئی۔

"بولو زینب' جواب دو۔"

اب زینب کی سمجھ میں ہی نہ آیا' وہ کیا جواب دے۔ سالار نے اسے ایک عجیب و غریب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا' جس کے ایک طرف اس کا شوہر اور دو بچیاں تھیں۔ دوسری طرف سالار کی محبت اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت کھڑی تھی۔ اس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا۔ وہ ایک عجیب طرح کے شش و پنج میں گھر چکی تھی۔ اسے محسوس ہوا جیسے آج کا دن روز قیامت سے بھی زیادہ مشکل ہوگیا ہو۔ وہ اپنی جگہ پر ساکت بیٹھی رہ گئی۔ جو کچھ سالار نے کہا دیسا اس سے کبھی نہ ہوجائے۔



☼ ☼

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

نفیسہ سعید

ایسا کب ہے زندگی

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال کی دلچسپی اپنی کزن عریشہ میں ہے۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد سے کراچی آئی ہے۔ شاہ زین کے والد نے اسے اپنے آفس میں اپائنٹ کر لیا شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگا۔

فرہاد تین بھائی ہیں۔ فرہاد کے دونوں بھائی معاشی طور پر مستحکم ہیں اور دونوں اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرتے ہیں جبکہ فرہاد اپنی بیوی زینب اور بچیوں کی ضروریات پوری کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتا ہے۔ جو زینب کو بالکل پسند نہیں۔

فرہاد کے بڑے بھائی کی بیوی فضہ زینب کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہیں اور آئے دن اس حسد کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

آٹھویں قسط ۸





"میری بات کا جواب دو زینب۔"

کچھ دیر انتظار کے بعد سالار نے اسے ایک بار پھر سے پکارا' چائے میں چمچہ چلاتے زینب یک دم چونک اٹھی اپنی جھکی جھکی نظریں اٹھا کر اسے تکا جو اپنی بات کے جواب کا انتظار لیے بے چینی سے اس کی جانب متوجہ تھا۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں زینب بے حد محبت' ایسی بے اختیار محبت جس پر اب شاید مجھے خود بھی اختیار نہیں رہا اور شاید اس محبت میں میں اس دن ہی گرفتار ہو گیا تھا جس دن میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم ایک شادی شدہ عورت ہو میں خود کو نہ روک پایا اور یہ بات تم بہت اچھی طرح جانتی ہو۔"

اک دم وہ بات کرتے کرتے سانس لینے کے لیے رکا زینب نے بغور اس کے چہرے کی جانب نظر ڈالی اک انجانا کرب سا اس کے چہرے پر دکھائی دے رہا تھا۔

"اور میں یہ بھی جانتا ہوں زینب کہ تم بھی مجھے پسند کرتی ہو۔"

اپنی دونوں کہنیاں ٹیبل پر ٹکائے آگے کی جانب جھکا زینب کو محسوس ہوا شاید وہ اس کے لیے لفظ "محبت" استعمال کرتے ہوئے جھجک سا گیا ہے۔

"ہاں یہ سچ ہے کہ میں آپ کو بے حد پسند کرتی ہوں مگر اس کا مطلب وہ نہیں جو آپ سمجھ بیٹھے ہیں۔"

وہ دب بولی تو اسے اپنا لہجہ خود بھی سچ سے عاری محسوس ہوا۔

"وات" سالار کو جیسے کرنٹ لگا۔

"میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔"

حیرت اس کے لہجہ میں در آئی۔

"سالار آپ میرے ایک بہت اچھے دوست ہیں ایک ایسے قابل اعتبار دوست جس پر شاید اس دنیا میں' میں سب سے زیادہ بھروسہ اور اعتماد کر سکتی ہوں مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں فرہاد اور اپنی بچیوں کو چھوڑ کر آپ سے شادی کر لوں پتا نہیں آپ نے ایسا سوچا بھی کس طرح' مجھے تو اس بات پر حیرت ہے۔"

وہ خود پر کافی حد تک قابو پا چکی تھی جس کا اندازہ اس کے لہجہ کی خود اعتمادی کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"تم غلط کہہ رہی ہو زینب عورت اور مرد کبھی دوست نہیں ہو سکتے یا شاید میرے نزدیک ایسی دوستی کوئی معنی نہیں رکھتی اور ویسے بھی ہمارے اس معاشرے میں ایسی دوستی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی اور یہ ہی وہ سبب ہے جس کے باعث میں تمہیں عزت دینے کی کوشش کر رہا ہوں مگر تم جانے کیوں یہ سب کھلے دل سے قبول کرتے ہوئے گھبرا رہی ہو۔"

وہ آج ہر بات واضح کر دینا چاہتا تھا پھر جانے زندگی میں ایسا موقع ملے نہ ملے کیونکہ اسے تقریباً" ایک ہفتہ تک نازیہ کے ساتھ ابروڈ چلے جانا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب مجھے چلنا چاہیے مریم کی چھٹی کا ٹائم ہونے والا ہے۔"

سالار کی کسی بھی بات کا جواب اس کے پاس نہ تھا۔

"یاد رکھو زینب قسمت ہر انسان کو اس کی زندگی بدلنے کا ایک موقع ضرور دیتی ہے جو آج تمہیں بھی مل رہا ہے مگر تم شاید اپنے در پر دستک دینے والی اس خوش قسمتی کو دنیا کے خوف سے ٹھکرا رہی ہو ابھی بھی سوچ لو وقت ہے ایسا نہ ہو کل کو تمہیں پچھتانا پڑے۔"

سالار نے ایک آخری کوشش اور کی۔

"میری اچھی یا بری قسمت میرے بچوں اور شوہر کے ساتھ ہے۔"

نہیں جانتی تھی کہ فرہاد کی بے اعتنائی کے باعث کسی دوسرے مرد کی جانب والی زندگی کے نام پر حاصل

ہونے والی تسکین اسے آج اس مقام پر لا کھڑا کرے گی جس کے ایک طرف کھائی ہوگی اور دوسری جانب محبت کے نام پر بہتا تیز دریا، جو اپنے ساتھ سب کچھ بہالے جانے کو تیار تھا۔ سالار کا یہ مطالبہ اس کے لیے بالکل ناقابل یقین تھا۔ اسے کبھی یہ امید نہ تھی کہ کوئی سوا اس قدر دلیر بھی ہو سکتا ہے۔ وہ تو ہمیشہ یہی سمجھتی رہی کہ اس کے اور سالار کے درمیان جو ڈھکا چھپا سلسلہ چل رہا ہے' وہ ہمیشہ ایسے ہی چلتا رہے گا۔ مگر حالات نے آج جو رخ اختیار کیا وہ اس کے تصور میں بھی نہ تھا۔ مرد کی ایسی مضبوط محبت کا تصور بھی شاید اس کے نزدیک محال تھا۔ اس نے تو اپنی زندگی میں ہمیشہ فرہاد جیسے مرد کو ہی دیکھا تھا۔ لاپروا' بے خبر اور محبت سے قطعی عاری شخص جس کے نزدیک کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا' مگر شاید سالار بھی نازیہ کے لیے فرہاد جیسا ہی ایک مرد تھا۔ یہ خیال ذہن میں آتے ہی وہ بے اختیار بول اٹھی۔

"مجھے بہت افسوس ہے سالار تم نے میری محبت کے حصول کی خاطر اپنی بیمار بیوی کو یکسر فراموش کر دیا۔ تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ مجھ سے دوسری شادی کی خبر نازیہ کے لیے کس قدر اذیت کا باعث ثابت ہوگی۔"

"اس کا ذکر مت کرو' وہ سب کچھ جانتی ہے اور وہ خود چاہتی ہے کہ میں تم سے شادی کرلوں اور یہ اس کی خواہش تھی جو آج میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔"

سالار کا جواب اس کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔ نازیہ سب کچھ جانتی ہے۔ اس سوچ نے ہی اسے مزید شرمندہ کر دیا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔" کرسی پیچھے کھسکاتی وہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔

سالار بنا کچھ کہے میز پر رکھی گاڑی کی چابی اٹھاتا اس کے قریب سے گزرتا دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ یقیناً وہ ناراض ہو چکا تھا۔ جس کا اندازہ اس کے چہرے کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔ یہ سب جانتے ہوئے بھی زینب اسے منانے کی ہمت خود میں نہ رکھتی تھی۔ اسی لیے تھکے تھکے انداز میں دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے پیچھے چل دی۔



"اماں کیا سوچ رہی ہو؟"

ماں کو کسی دیر تک خیالوں میں ڈوبا دیکھ کر وہ بے اختیار اس کا کندھا ہلا بیٹھی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں کچھ نہیں۔۔۔"

انہوں نے ایک نظر اپنے بالکل سامنے کھڑی بیٹی پر ڈالی۔ سرو قد اور خوب صورت خدوخال کی مالک' اپنی عمر سے قدرے بڑی دکھائی دے رہی تھی۔

"یہ تو بالکل میری جوانی ہے ہو بہو میرے جیسی۔" وہ یکدم ہی خوف زدہ ہو گئیں۔

"یہ اتنی بڑی ہو گئی اور مجھے آج تک پتا ہی نہ چلا۔" اس خیال کے آتے ہی انہوں نے یکدم اک جھرجھری سی لی۔

"کیا ہوا اماں۔" اس نے دوبارہ ماں کا کندھا ہلایا۔

"اور یہ سب کیا ہے؟" جواب نہ پاکر ماں کے سامنے بکھرے کاغذات پر نظر ڈالتے ہوئے دوسرا سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔"

وہ جلدی جلدی تمام کاغذات سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اماں کیا ہوا تمہیں' کیوں اس قدر پریشان ہو؟"

ماں کے چہرے پر چھائے تاثرات نے اسے پریشان کردیا۔
"نہیں بیٹا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے میں بھلا کیوں پریشان ہونے لگی۔" وہ شاید خود پر قابو پا چکی تھیں۔
"تمہارے امتحانات کب سے شروع ہو رہے ہیں؟"
"شاید اگلے ماہ کی بیس تاریخ ہے۔"
"اچھا۔"
ماں نے ہاتھ میں تھمے تمام کاغذات ایک خالی لفافے میں ڈال دیے اور پھر وہ خاکی لفافہ ٹرنک کے اندر رکھ کر واپس پلٹ آئی۔
"اماں۔"
اس نے کچھ سوچتے ہوئے ایک بار پھر ماں کو پکارا۔
"کیا ہوا؟"
"اماں مجھے نیا ٹی وی لے کر دو۔" شاید اب وہ اپنے گھر میں پھیلے سناٹے سے تنگ آچکی تھی۔
"ٹی وی۔"
اماں نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کچھ دور لکڑی کی ٹیبل پر موجود ایک کالے سے ڈبے پر نظر ڈالی۔
"اماں اب یہ ٹھیک نہیں ہو سکتا' جانے کتنا پرانا ہے' مجھے تو اب نیا ٹی وی لے کردو' جس پر کیبل بھی آتا ہو اب تو سارے ہی محلے کے لوگ کیبل پر ڈرامے اور فلمیں دیکھتے ہیں ایک سوائے ہمارے۔"
وہ شاید اپنی ماں کا ارادہ بھانپ چکی تھی۔ اس لیے لاڈ سے بولی۔
"اچھا فاطمہ خالہ کے پاس میری ایک کمیٹی ہے' پوچھتی ہوں کب تک دیں گی۔"
حالانکہ یہ کمیٹی انہوں نے اپنے علاج کے لیے ڈالی تھی' مگر بیٹی کی اس فرمائش کو شاید وہ زندگی میں پہلی بار رد نہ کرسکیں۔
"بس اماں۔ پھر ان سے کہو ہمیں جلدی سے کمیٹی دے دیں۔" ماں کی ہاں نے یکدم ہی اس کے دل کو خوشی سے بھر دیا۔
"اچھا۔"
اماں نے باہر نکلتے ہوئے اس پر ایک نظر ڈالی' جہاں خوشی کے سارے رنگ بکھرے ہوئے نظر آرہے تھے۔
"یا اللہ اسے ہمیشہ اتنا ہی خوش رکھنا۔" بے اختیار ہی ان کے دل سے یہ دعا نکلی۔
"آمین۔" اپنی دعا پر خود ہی آمین کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئیں۔

☼ ☼ ☼

"سالار' نازیہ کو علاج کے لیے ملک سے باہر لے کر جا رہا ہے۔"
اپنے تئیں فضا بھابھی نے اسے نئی خبر سنائی۔
"ہاں مجھے پتا ہے اس کا آپریشن ہے' شاید پیٹ میں ٹیومر ہے' میری تو دعا ہے اللہ اسے جلد ہی صحت و تندرستی عطا فرمائے۔"
"ہاں بھئی ہم سب کی تو یہ ہی دعا ہے' مگر اس آپریشن کے بعد ہو سکتا ہے وہ ساری زندگی ماں نہ بن سکے اور یہ اس کی زندگی کی کتنی بڑی خواہش ہے ہم سب ہی جانتے ہیں۔"
"مگر اللہ کی مرضی کے آگے ہم سب بے اختیار ہیں بھابھی۔" وہ ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سنا ہے اس نے تو سالار کو دوسری شادی کی اجازت بھی دے دی ہے' مگر بھئی آفرین ہے اس مرد پر جو اپنی بیوی سے اس قدر بے لوث محبت کرتا ہے کہ اسے ہر بیماری سمیت دل سے قبول کرنے پر آمادہ ہے' کہتا ہے مجھے صرف نازیہ کا ساتھ چاہیے۔ بچے غیر ضروری ہیں۔"

فضا بھابھی جو ایک بار شروع ہوتیں تو بمشکل ہی چپ ہوا کرتیں۔

"بھابھی عورت کوئی درخت نہیں جو پھل نہ دے تو کاٹ کر پھینک دیا جائے۔"

"نہیں بھئی یہ تو اپنی اپنی سوچ کی بات ہے' ورنہ آج کل تو لوگ بچوں والیوں کو بھی نکال باہر کرتے ہیں۔ کئی مرد بیٹوں کا بہانہ بنا کر دوسری گھر لے آتے ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ نہ صرف مرد اس زمانے میں تو عورت کو بھی سکون نہیں۔ شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی یہاں وہاں منہ مارتی ہیں۔ بس یہ عشق انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا۔"

جانے وہ کیا جتانا چاہتی تھیں زینب سمجھ نہ پائی۔

"آپ کے لیے چائے بناؤں۔"

انہیں اس موضوع سے ہٹانے کا کوئی اور طریقہ اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا۔

"ہاں بنالو ڈرائیور کسی کام سے گیا ہے' اسے واپس آنے میں کچھ ٹائم لگے گا۔" وہ ٹانگ پہ ٹانگ دھرتے ہوئے اطمینان سے بولیں۔ زینب خاموشی سے کچن کی جانب بڑھ گئی۔



"مجھے تو ابھی بھی یقین نہیں آرہا کہ تم میرے ساتھ ہو' ایسا لگ رہا ہے جیسے تمہارا یہ ساتھ صرف ایک خواب ہے جو آنکھیں کھولتے ہی ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔"

جہاز کے ٹیک آف کرتے ہی وہ عریشہ کا ہاتھ تھامتے نہایت ہی پیار سے بولا۔

"سچ جانو یقین تو مجھے بھی نہیں آرہا' وہ سب کچھ جو اس قدر مشکل اور دشوار لگ رہا تھا' اتنی آسانی سے ہو جائے گا آئی کانٹ بلیو اٹ۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بے یقینی سے بولی۔

"ہاں عریشہ نہ صرف ایسا ہوتا ہے بلکہ اب تو ہمارے ساتھ ہو چکا ہے اور ایسے ہی واقعات ہیں جو اللہ پر ہمارا یقین مزید مضبوط کرتے ہیں اور شاید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جوڑے آسمان پر بنتے ہیں اور انہیں ہمیشہ وہی ملتا ہے جو ہمارے نصیب میں لکھ دیا جاتا ہے۔"

"ایک بات تو بتاؤ ایشال۔ اسے جیسے اچانک ہی کچھ یاد آگیا۔

"تم نے اپنی کزن کو طلاق تو دی نہیں اور اگر کل وہ کسی بھی لمحہ تمہارے اور میرے درمیان آگئی تو۔"

دل کا خدشہ اس کی زبان پر در آیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا تمہارے اور میرے درمیان اب کوئی نہیں آسکتا۔"

اس نے پیار سے اپنا بازو عریشہ کے گرد حمائل کر کے اسے خود کے قریب کرلیا۔

"اور یہ خیال ہمیشہ کے لیے اپنے دل سے نکال دو مجھے فی الحال اب لوٹ کر پاکستان بھی نہیں جانا' وہ میرا ایک گزرا ہوا تلخ ترین کل تھی' جس کا خوف تمہارے ساتھ نے میرے دل سے بالکل نکال دیا ہے۔ اب اسے طلاق دینے یا نہ دینے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کی اپنی زندگی کا معاملہ ہے چاہے تو میرے نام پر بیٹھ کر اسے برباد کردے۔"

اس کے لہجہ کی سختی نے اریشہ کے دل میں موجود تمام خدشات کو دور کردیا۔ وہ ایک دم ہی شانت ہوگئی اور پرسکون انداز میں ایشال کے کندھے سے اپنا سر ٹکائے ہوئے آنکھیں موند لیں۔



"ملک صاحب آگئے ہیں۔"
کان سے لگا فون بند کرتے ہوئے فضل چاچا نے اطلاع دی۔
"اکیلے۔"
اس کے دل میں آنے والا خیال سکینہ کی زبان پر سوال بن گیا۔
"پتا نہیں۔"
چاچا مختصر سا جواب دیتے ہوئے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ وہ اپنی جگہ بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد ملک انکل' چاچا فضل کی ہمراہی میں اندر داخل ہوئے۔ وہ آج بھی تنہا تھے۔ اس کا دل یک دم بجھ سا گیا۔
"السلام علیکم انکل۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"وعلیکم السلام! کیسی ہو بیٹا۔" اس کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے ملک صاحب نے اسے خود سے قریب کرلیا۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" خود بخود اس کی آواز بھیگ سی گئی۔
"صاحب کے لیے کھانا لگاؤ۔" ان کا مختصر سا سامان کمرے میں رکھ کر چاچا نے سکینہ کو مخاطب کیا۔
"نہیں میں کھانا نہیں کھاؤں گا' ہوسکے تو ایک کپ کافی بنادیں۔"
جانے کیوں انکل کچھ بجھے بجھے سے تھے یا شاید اسے وہم ہوا تھا۔
"اب تمہارا گریجویشن کے بعد کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" آنٹی کے کچن میں جاتے ہی ملک انکل نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔
"میرا ارادہ.....؟"
وہ یک دم گڑبڑا سی گئی۔ سوال اس کی توقع کے بالکل برخلاف تھا۔
"ہاں بیٹا' میں چاہتا ہوں تم ہائر ایجوکیشن حاصل کرو' ماسٹرز کرلو یا کوئی اور ڈگری جو تم کرنا چاہو۔" انہوں نے تھکے تھکے انداز میں اپنا سر صوفہ کی بیک سے ٹکالیا۔
مطلب یہ کہ اس کا تنہائی کا یہ سفر ابھی ختم نہیں ہوا' منزل ابھی بھی کہیں دور کھڑی تھی۔ وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ گریجویشن کے بعد ملک صاحب اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس کا یہ خیال' خام ثابت ہوا' اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ انہیں کیا جواب دے۔
"اگر تمہیں انٹرسٹ ہو تو فیشن ڈیزائننگ کرلو۔" اسے خاموش دیکھ کر وہ سیدھے ہو بیٹھے۔
"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔" اس کی آواز کچھ بھاری سی ہوگئی۔
سکینہ نے چھوٹی سی ٹرالی ان کے صوفہ کے قریب کی۔
"آپ کافی لیں میں ذرا فریش ہو کر آتی ہوں۔"
اس وقت وہاں سے اٹھنے کا اس سے بہتر بہانہ اسے کوئی اور نہ سوجھا۔ "اوکے بیٹا' ویسے آپ کا فنکشن کل کس وقت ہوگا۔"
"صبح دس بجے۔"
انہیں جواب دے کر وہ اندر اپنے کمرے میں آگئی اور پھر واش روم میں داخل ہوتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر

رونے لگی۔ وہ چاچا فضل اور سکینہ کے ساتھ قید تنہائی کاٹتے ہوئے تھک سی گئی تھی اور اب مزید اس گھر میں اس طرح زندگی گزارنے کا تصور بھی اس کے نزدیک سوہان روح تھا۔ جس کے خوف نے اسے اس طرح رونے پر مجبور کر دیا۔



"حبیبہ۔"

"ہاں۔" اس نے اک ادا سے اپنے بالوں کو جھٹکتے ہوئے شاہ زین پر نظر ڈالی۔

"کچھ نہیں۔" جانے وہ کیا کہنا چاہتا تھا جو کہہ نہ پایا۔

"او کے۔"

کریدنے کی عادت اس میں بالکل نہ تھی۔

"ایک بات پوچھوں۔"

کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ اک بار پھر سے بول اٹھا۔

"پوچھو کیا پوچھنا چاہ رہے ہو۔"

پچھلے کچھ دنوں سے ان کے درمیان موجود تکلف کی دیوار تقریباً گر چکی تھی اور وہ دونوں دوستانہ انداز سے ایک دوسرے کے قریب آگئے تھے۔

"تم نے کبھی محبت کی ہے؟" بہت سوچتے ہوئے اس نے دھیرے سے سوال کیا۔

حبیبہ نے چونکتے ہوئے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی' جہاں امید کے کئی جگنو جھلملا رہے تھے۔

"نہیں۔ ابھی تک کوئی ایسا ملا ہی نہیں جس سے محبت کی جاسکے۔" اپنی گردن نفی میں ہلاتے ہوئے وہ نہایت صاف گوئی سے بولی۔

"کمال ہے تم جیسی خوب صورت لڑکی کو محبت کرنے کے لیے کوئی ملا نہیں یا تم نے کبھی اپنے آس پاس دیکھا نہیں۔" شاہ زین کی آواز مزید گمبھیر ہوگئی۔

"واؤ۔ آپ کی آواز تو بہت خوب صورت ہے۔"

تعریف کے ساتھ ہی وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ شاہ زین کے آس پاس نقرئی گھنٹیوں کی آواز گونج اٹھی۔ وہ کچھ دیر قبل والے طلسم سے باہر نکل آیا۔

"اور تمہاری ہنسی میری آواز سے کہیں زیادہ خوب صورت ہے۔" گھنی گھنی مونچھوں کے سائے تلے اس کے لب مسکرائے۔

"چلو جی حساب برابر ہوگیا۔ تعریف کے بدلے تعریف' اب چلیں۔" اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

شاہ زین جیسے جیسے اسے سمجھ رہا تھا اپنے سابقہ خیالات پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ وہ تو خاصی نرم خو اور محبت کرنے والی لڑکی تھی' جبکہ شاہ زین اسے بد مزاج مغرور اور جانے کیا کیا سمجھتا رہا۔

"چلو۔"

گاڑی کی چابی اٹھاتا وہ اس کے نہایت قریب آگیا۔ اسے ہمیشہ سے یوں ہی حبیبہ کے سنگ چلنا اچھا لگتا اس کی ہمراہی میں پارکنگ تک آتے اس کے دل نے کئی بار اس ساتھ کے امر ہو جانے کی دعا کی۔



اس کا موڈ آج صبح سے ہی بہت خوش گوار تھا۔ نئے سوٹ کے ساتھ ہلکا ہلکا میک اپ کیے وہ ہمیشہ سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ فرہاد کی پسند کا کھانا تیار کرتے ہوئے وہ ہلکا ہلکا گنگنا رہی تھی۔ جب بیرونی دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔

"باہر کا گیٹ کیوں کھلا ہوا ہے۔" کچن میں آتے ہی اس نے زوردار آواز لگائی۔

"فائزہ کرایہ دے کر گئی تھی میں کنڈی لگانا بھول گئی۔"

اس نے جلدی سے کچن سے باہر نکل کر وضاحت دی۔ خلاف توقع وہ خاموشی سے لاؤنج کی جانب بڑھ گیا۔

"تم فریش ہو جاؤ میں کھانا لگا رہی ہوں۔" زینب نے کچن کی جانب پلٹتے ہوئے اسے ہدایت دی۔

"اچھا۔"

اور جب وہ کھانا کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوئی تو فرہاد ہاتھ میں کپڑا پکڑے کمرے میں موجود واحد کھڑکی صاف کرنے میں مصروف تھا بنا کچھ کہے کھانا لکڑی کی چھوٹی سی ٹیبل پر رکھے وہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

"تم میرے انتظار میں بلاوجہ بھوکی مت بیٹھو کھانا کھالو میں نہادھو کر فریش ہونے کے بعد کھاؤں گا۔"

بنا اس پر توجہ دیے وہیں سے ہی اس نے کہا۔

"اچھا۔" زینب کا خوش فہم دل مرجھا سا گیا۔

"اسے اپنی جانب راغب کرنے کے لیے تو خود کو بدل' اس سے لگاوٹ کی باتیں کیا کر' اپنی محبت ظاہر کر' بچے یہ سب زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے۔" ماں کا رٹا یا ہوا سبق پہلے ہی مرحلے پر ناکام ہو گیا۔

"تم گھر کی ڈسٹنگ نہیں کرتی ہو۔ ٹیلی فون کا اسٹینڈ دیکھو کس قدر گندا ہے کہ اس پر ہاتھ رکھنے کا تصور کم از کم میرے نزدیک تو قدرے محال ہے۔"

اب وہ پورے جوش و خروش سے فون کا اسٹینڈ صاف کر رہا تھا۔

"مگر میں نے تو سارے گھر کی صبح ہی صفائی کی ہے' پھر یہ گرد کہاں سے آ گئی؟" وہ حیرت کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا چڑ بھی گئی۔

"تو تمہارا مطلب یہ ہوا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" حسب عادت نہایت ہی دھیمی آواز کے ساتھ وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

"میں نے ایسا کب کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو؟" زینب کی آواز نہ چاہتے ہوئے بھی تیز ہو گئی۔

"تم سے تو کوئی بات کرنا حرام ہے' ہروقت لڑنے کے لیے تیار کھڑی رہتی ہو' جانے کس بات پر بلاوجہ چراغ پا ہو رہی ہو' میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا جس پر تم میرا سر پھاڑنے پر آمادہ دکھائی دے رہی ہو۔"

"میں آپ سے کب لڑی۔" وہ قدرے حیران ہوئی۔

"تم ہمیشہ یہ کیوں ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہو کہ میں جھوٹا ہوں۔" چہرے پر زمانے بھر کی معصومیت طاری کرتے ہوئے وہ طنزیہ بولا۔

"اور یہ تم کہیں جا رہی ہو جو اس قدر تیار ہو۔"

اسے مکمل طور پر ہرا دینے کے بعد' اب اس کی توجہ زینب کے سراپے کی جانب مرکوز ہوئی۔

"نہیں ویسے ہی نیا سوٹ سل کر آیا تھا۔ اس کی فٹنگ چیک کر رہی تھی۔"

غصہ اور دکھ کی شدت سے اس کی آواز بھرا سی گئی جس پر فرہاد نے کوئی توجہ نہ دی۔

"اگر سوٹ سل کر ہی آ گیا ہے تو ضروری تو نہیں کہ اسے گھر پہن کر خراب کیا جائے' اتنا مہنگا سوٹ تم نے

کچن کے کاموں میں ہی برباد کرو بنا ہے۔" اس کی گفتگو اب دوسری پٹری پر چڑھ گئی۔
زینب خاموشی سے اندر واش روم میں آگئی' کپڑے تبدیل کرکے اس نے خوب رگڑ رگڑ کر اپنا منہ بھی دھو ڈالا۔ اس تمام عمل میں آنسو مسلسل اس کی آنکھوں سے بہہ کر چہرہ بھگوتے رہے۔



"بہارو پھول برساؤ میرا محبوب آیا ہے۔"
بے ڈھنگی آواز کے ساتھ ہی شوکے کا بے ہنگم قہقہہ اس کی ساعتوں سے ٹکرایا مارے خوف کے اس کے قدم خود بخود تیز ہوگئے۔
"ارے کیا ہوا' کیوں اس قدر بھاگی جارہی ہو۔"
اس کا ساتھ دینے کی کوشش میں ہلکان ہوتی ارم نے اسے بازو سے تھام کر روکنا چاہا۔
"کچھ نہیں بس ایسے ہی ڈر گئی تھی۔"
ارم پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے اپنے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ شوکا دور دور تک کہیں نہیں تھا۔ اس کے قدموں کی رفتار خود بخود دھیمی ہوگئی۔
"میرا خیال ہے تم اس خبیث شوکے سے ڈر گئی تھیں۔"
"ہاں۔"
اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔
"ارے وہ منحوس تو پیچھے اس بک اسٹال پر ہی کھڑا تھا' تم جانے کیوں ڈر کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ حد ہے۔" ارم کی بات سنتے ہی وہ شرمندہ سی ہوگئی۔
"تم اپنی اماں کو شوکے کی حرکتوں کے بارے میں کیوں نہیں بتاتیں' تاکہ وہ اس کے گھر جاکر اس کی ماں یا باپ سے شکایت کریں' ہوسکتا ہے اس طرح ہی وہ سدھر جائے۔ سنا ہے اس کا باپ کافی سخت آدمی ہے اور وہ اس سے ڈرتا بھی ہے۔"
ارم بے خبر تھی کہ اماں ہر بات جانتی ہیں۔ اس نے بھی بتانا ضروری نہیں سمجھا کیونکہ ان تمام باتوں کا کوئی فائدہ نہ تھا' اس لیے خاموشی سے سنتی رہی۔
"مجھے نہیں لگتا کہ وہ اپنے گھر والوں سے ڈرتا ہوگا۔" کندھے پر ڈھلکتی چادر اس نے اچھی طرح سر پر جمائی۔
"چھوڑو لعنت بھیجو شوکے پر' یہ بتاؤ امرود کھاؤ گی۔"
سامنے ہی چھابڑی میں امرود سجائے چاچا رمضان اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھا تھا۔
"ہاں۔"
اثبات میں سر ہلاتے وہ اس کے ساتھ ہی آگئی۔ ہرے ہرے امرود اسے بہت پسند تھے۔ ارم نے ہی پیسے دے کر امرود خریدے' چھوٹی چھوٹی پلاسٹک کی دو تھیلیاں' ایک اس کی جانب بڑھا دی۔ بنا کچھ کہے اس نے خاموشی سے تھیلی تھام لی۔ یہ امرود کی تھیلی اس پر ایک طرح کا قرض تھی۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا' ارم جب بھی اپنی جیب خرچ سے اسے کچھ لے کر دیتی' بدلے میں وہ بھی اسے کچھ نہ کچھ ضرور دے دیا کرتی' ان کی یہ دوستی اسی طرح قائم ودائم تھی۔



"السلام علیکم بابا!"

فون کے دوسرے سرے پر یقیناً "ایشال تھا۔ جس کی اتنے دنوں بعد سنی جانے والی آواز نے بھی ملک صاحب کے اندر کی پژمردگی کو دور نہیں کیا۔ انہوں نے فون اپنے کان سے ذرا سا دور کرتے ہوئے ایک ترچھی نظر کچھ فاصلے پر کھڑی اس ہستی پر ڈالی جسے اپنوں میں لے جانے کی خواہش نے انہیں شاید خود بھی اپنوں سے دور کر دیا تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔"

آہستہ سے جواب دیتے ہوئے انہوں نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"پاپا ہم خیریت سے لندن پہنچ گئے ہیں۔ اس لیے سوچا آپ کو بھی اطلاع کر دوں۔"

دوسری جانب موجود ایشال کا جوش و خروش ان کی سرد آواز نے خاصا کم کر دیا تھا۔

"مما سے میری بات ہوئی تھی۔ انہوں نے بتایا آپ آؤٹ آف سٹی ہیں۔ اس لیے سوچا آپ سے بھی بات کرلوں۔ آپ بزی تو نہیں تھے۔"

ان کی طویل خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے ایشال نے سوال کیا۔

"ہاں اس وقت میں ایک ضروری میٹنگ میں ہوں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔"

"اوکے پاپا ٹیک کیئر اللہ حافظ۔"

ایشال کے فون بند کرتے ہی انہیں اپنی سرد مہری کے احساس نے گھیر لیا۔

"غلطی میری ہی تھی مجھے بنا سوچے سمجھے یہ رشتہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہر شخص خواہ وہ میری اپنی اولاد ہی کیوں نہ ہو زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا حق دار ہے اور یہ حق اسے اللہ کی طرف سے ملا ہے۔ پھر ہم کون ہوتے ہیں کسی سے اس کا یہ حق چھیننے والے کاش یہ بات مجھے پہلے سمجھ آگئی ہوتی تو اتنی بھاری ذمہ داری اپنے کاندھوں پر نہ لیتا۔"

انہوں نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا جہاں آف وائٹ سوٹ میں تیار کھڑی وہ انہیں منتظر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"ایشال کی حد تک تو ٹھیک تھا مگر اب اس کا کیا ہو گا جو کچھ اس کے ساتھ ہو چکا ہے میں اس معصوم بچی کو کس طرح بتاؤں۔"

"انکل چلیں دس بجنے والے ہیں۔"

ملک صاحب کو کسی گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر اس نے پکارا۔

"ہاں چلو۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"سکینہ۔۔۔ سکینہ۔۔۔"

کھڑے ہوتے ہی انہوں نے آواز لگائی۔

"جی صاحب جی۔" سکینہ کچن سے بھاگ کر باہر نکل آئی۔

"اپنا سارا ضروری سامان پیک کر لو تم سب لوگ میرے ساتھ کراچی چل رہے ہو۔"

ان کے اس چھوٹے سے جملے نے وہاں موجود ہر فرد کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑا دی۔

"شکر الحمد للہ۔" سکینہ زیر لب بڑبڑائی۔

ہمیں کب تک جانا ہے؟

جب وہ بولی تو خوشی اس کی آواز سے جھلک رہی تھی۔ اس نے تو پچھلے کئی سالوں سے اپنی زندگی کی ہر خوشی کو اس چھوٹی سی لڑکی کے نام سے منسوب کر لیا تھا۔ جسے اس نے اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔

"جلد ہی۔۔۔ میرا خیال ہے ایک دو دن تک۔"

جواب دیتے ہوئے وہ باہر کی جانب بڑھ گئے۔
"اپنی اولاد کی خوشیوں کی خاطر مجھے اس بچی کی زندگی برباد نہیں کرنا چاہیے۔"
دماغ میں در آنے والی اس سوچ نے انہیں یقیناً کسی فیصلے تک پہنچا دیا تھا جس کا اندازہ ان کے چہرے کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

اماں کو رات سے پھر بخار تھا۔ اس لیے آج وہ اسکول بھی نہیں گئی' چائے بنا کر بمشکل انہیں ناشتا کروایا اور پھر اپنا مختصر سا ناشتا لیے صحن میں بچھی چارپائی پر آ بیٹھی' جب بیرونی دروازہ کھول کر فاطمہ خالہ اندر داخل ہوئیں۔
"کیسی طبیعت ہے اب تمہاری ماں کی؟" اس کے پاس سے گزرتے ہوئے لمحہ بھر کو رکیں۔
"بخار بہت تیز ہے۔" اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔
"اللہ بہتر کرے گا۔"
خالہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے دعا کی اور اندر کی جانب بڑھ گئیں۔ اس نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا' کچن میں موجود تمام برتن دھونے کے بعد خود بھی اندر کمرے میں ہی آ گئی' جہاں فاطمہ خالہ اماں کے قریب ہی چارپائی پر بیٹھی تھیں۔ اماں کی طبیعت رات کے مقابلے میں خاصی بہتر نظر آ رہی تھی۔
"میں نے آفتاب سے کہا ہے وہ تمہیں آج شام اسپتال لے جائے گا۔" آفتاب ان کے بڑے بیٹے کا نام تھا۔
"اللہ تعالیٰ تمہیں صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ اس بچی کا خدا کے بعد تم واحد سہارا ہو' سوچو اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو یہ غریب کہاں جائے گی۔"
خالہ نے اماں کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ خاموشی سے چارپائی کے نزدیک جا کھڑی ہوئی۔
"نہیں خالہ مجھے اسپتال نہیں جانا' بس ذرا بخار ہے' دوائی لوں گی تو ان شاء اللہ رات تک ٹھیک ہو جاؤں گی۔"
"یہ بخار بار بار کیوں ہو رہا ہے؟ یہ بات تم خود بھی اچھی طرح جانتی ہو۔" فاطمہ کے لہجہ میں پیار بھری خفگی آ گئی۔
"بیماری کو نظر انداز کرنے سے بیماری ختم نہیں ہوتی اور نہ ہی کم ہوتی ہے' بلکہ بڑھتی ہے اور اپنی بیماری تم خود بڑھا رہی ہو اسے مسلسل نظر انداز کر کے۔" اماں کو کیا بیماری تھی وہ سمجھ نہ پائی۔
"میری مانو تو اپنے علاج پر توجہ دو' باقی جو مولا سائیں بہتر کرے ہونا تو وہ ہی ہے جو اس سوہنے رب نے مقدر میں لکھ دیا ہے' مگر انسان کو اپنے حق میں ہمیشہ اچھے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے' تمہارے رب کا بھی یہ ہی حکم ہے۔"
خالہ میرا ایک کام ہے اگر آپ کر سکیں تو۔
اماں نے جیسے خالہ کی تمام باتوں کو نظر انداز کر دیا۔
"ہاں بیٹا بولو۔"
"جاؤ ایک کپ چائے بنا لاؤ۔"
اماں نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اسے مخاطب کیا۔ وہ سمجھ گئی اماں اس کے سامنے بات نہیں کرنا چاہتیں اس لیے خاموشی سے باہر نکل آئی۔ جب وہ چائے لے کر کمرے میں آئی تو اماں نے اپنے قریب رکھا چھوٹا سا پرانا باکس بند کر کے اس کے حوالے کر دیا۔
"یہ ٹرنک میں رکھ دو۔"
وہ اس باکس کو ٹرنک میں رکھ کر واپس پلٹی تو خالہ نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ کا ٹکڑا نہایت احتیاط سے اپنے دوپٹے کے

پلو سے باندھ لیا۔

"اچھا بیٹا اب میں چلتی ہوں۔" خالی کپ انہوں نے اس کے حوالے کیا۔

"اگر اس فون نمبر پر میرا رابطہ نہ ہو سکا تو ان شاء اللہ آفتاب کو اس پتے پر ضرور بھیجوں گی' تاکہ وہ وہاں جا کر ان سے خود ملے اور تمہارا تمام حال من و عن بیان کر سکے' مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ ضرور کوئی بہتری کی صورت نکالے گا۔ بس تم اس سے اچھے کی امید رکھو۔"

انہیں تسلی دے کر وہ باہر نکل گئیں۔

☆ ☆ ☆

"یاسمین آپا آرہی ہیں۔"

فرہاد نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر اسے اطلاع بہم پہنچائی۔

"اچھا کب۔"

اس کے ہاتھ مریم کا بیگ پیک کرتے کرتے رک گئے۔

"شاید کل شام تک۔"

"خیریت سے آرہی ہیں۔" ان کی آمد کبھی بھی بلا سبب نہ ہوتی تھی۔

"تم ان کے میاں کو تو جانتی ہو' کس قدر بدذات آدمی ہے۔ اپنی زندگی میں خود سکون کرتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو کرنے دیتا ہے۔ ہماری اتنی اچھی نیک اور سیدھی بہن کے نصیب میں یہ ہی گھٹیا شخص رہ گیا تھا۔"

فرہاد ہمیشہ اپنے بہنوئی کے لیے ایسے ہی الفاظ استعمال کرتا جس کی وہ عادی تھی' مگر پھر بھی یہ اس کے سوال کا جواب نہ تھا۔

"جب رشتہ لینا تھا تو ہمارے آگے پیچھے پھرتے تھے اور اب ایسی ماتھے پر آنکھیں رکھی ہیں' جیسے جانتے ہی نہیں۔"

"تو یاسمین آپا کا کوئی جھگڑا ہو گیا ہے؟" اس تمام تمہید سے اس نے یہ ہی نتیجہ نکالا۔

"نہیں اس خبیث نے اب اپنا کاروبار شروع کرنا ہے' جس کے لیے کچھ رقم درکار ہے۔ وہ لینے آپا کو بھیجا ہے' حالانکہ اس سے قبل میں انہیں پیسے بھیج چکا ہے۔"

اوہ وہ تو بھول ہی گئی تھی' آپا کی اکثر و بیشتر آمد ایسے ہی کسی مقصد کے لیے ہوتی تھی۔ "اچھا۔"

اس نے خاموشی سے مریم کا بیگ پیک کر کے رکھا۔ آپا کے شوہر سے تو اس کا زیادہ واسطہ نہ پڑا تھا' مگر آپا کی آمد اس کی زندگی میں موجود تھوڑے سے سکون کو ضرور درہم برہم کر دیا کرتی تھی اور یقیناً اب ایسا ہی ہونے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

"شاہ زین یہاں آؤ۔"

مما نے اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

"جی مما۔"

وہ خاموشی سے ان کے قریب آن کھڑا ہوا۔

"یہ لڑکی دیکھو کیسی ہے؟"

لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظر آنے والی لڑکی اس کے لیے قطعی اجنبی تھی۔

"یہ کون ہے؟" اس نے حیرت سے مما کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میری دوست کی بیٹی ہے' بلکہ تمہارے پاپا سے تو ان کی دور کی رشتہ داری بھی ہے۔ ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے۔"

"حیرت ہے' پھر تو میری اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"ملاقات بھی ہو جائے گی' پہلے یہ بتاؤ لڑکی کیسی ہے' بڑی قابل ڈاکٹر ہے۔" مما نے لیپ ٹاپ کا رخ مکمل طور پر اس کی جانب کر دیا۔

"اچھی ہے۔"

مختصر سا جواب ہوئے کر اس نے ٹیبل پر رکھا اپنا سیل فون اٹھا لیا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ اب تمہاری شادی کر دی جائے۔"

اس کی طرف سے کیے جانے والے کسی بھی ممکنہ سوال سے ناامید ہونے کے بعد مما نے خود ہی بات آگے بڑھائی۔

"اسی سلسلے میں میں تمہیں لڑکی دکھا رہی تھی۔ اگر تمہیں پسند ہو تو ہم بات آگے بڑھائیں۔"

بلی تھیلے سے باہر آگئی۔ وہ مما کی باندھی جانے والی تمہید کی وجہ شروع میں ہی سمجھ چکا تھا۔ صرف ان کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔

"پلیز مما! آپ اس سلسلے میں کسی کی بیٹی کو کوئی امید مت دلائیں اور نہ ہی مجھ سے پوچھے بغیر کہیں رشتہ دیکھنے جائیں۔ مجھے جب شادی کرنا ہوگی میں خود ہی آپ کو بتا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے' مگر کب تک۔" مما لیپ ٹاپ بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اور اگر تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو مجھے اعتراض نہیں مگر کوشش کرو جو فیصلہ کرنا ہے جلد کرو' میں اب گھر کی تنہائی سے اکتا گئی ہوں۔"

مما کی بات ختم ہوتے ہی جیبہ کا سراپا چھم سے اس کے تصور میں اتر آیا اور اس کے لب خود بخود مسکرا اٹھے۔

"میں کوشش کروں گا مما! آپ کی یہ خواہش جلد پوری کر سکوں۔"

ماں کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے مکمل یقین دہانی کرائی۔ ایک طرف سے مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ اب اسے صرف جیبہ سے بات کرنی تھی۔ جس کے لیے وہ موقع کا منتظر تھا۔

☆ ☆ ☆

"تین تین بیٹے دیے ہیں میں نے اس شخص کو' مگر دیکھ لو قدر نہیں۔"

یاسمین آپا نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا۔ تین بیٹوں کی ماں ہونے کا مان ان کے لہجے میں ہمیشہ ہی چھلکتا تھا۔

"جی۔" وہ صرف اس قدر ہی کہہ سکی۔

"اور ایک میرا بھائی ہے' کبھی نہیں سوچا کہ ایک بیٹا بھی ہونا چاہیے۔"

ان کا اشارہ یقیناً" فرہاد کی جانب تھا۔

"بیٹی یا بیٹا کچھ اپنے اختیار میں نہیں ہوتا' یہ سب دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔" اسے یاسمین آپا کی بات خاصی بری لگی۔

"دینے والا تو اللہ ہی ہے' مگر لوگ کب یہ سب سمجھتے ہیں' اب میرے دیور کو ہی دیکھ لو' یہاں تیسری بیٹی پیدا ہوئی وہاں دوسری بیوی کر لی۔"

"ہر شخص آپ کے دیور جیسا نہیں ہوتا۔"

اب ان کے پاس مزید بیٹھنا محال تھا سو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں بھئی خوش نصیب ہو جو فرہاد جیسا شوہر ملا' سیدھا سادہ کسی معاملے میں نہ بولنے والا۔ ایک ہمیں دیکھو ہر وقت کی چخ چخ۔"

وہ ہمیشہ سے ایسی ہی باتیں کیا کرتیں۔

"قبر کا حال صرف مردہ جانتا ہے۔ آپا باہر والوں کو سب کچھ ٹھیک اور اچھا نظر آتا ہے۔"
آہستہ آواز میں جواب دیتی وہ کچن میں آگئی' تاکہ رات کے کھانے کی تیاری کر سکے۔

☆ ☆ ☆

اماں گھر آئیں تو خاصی گھبرائی ہوئی تھیں۔ اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے دروازے کی کنڈی لگادی۔
"کیا ہوا اماں' کیوں اتنی پریشان ہو؟" وہ تیزی سے ماں کی جانب بڑھی۔
"کچھ نہیں' گلی میں پولیس آئی ہے 'شوکے' کے دوست ارشد علی کو گرفتار کرنے۔"
ماں نے ہاتھ میں تھمی دوائیوں کا لفافہ قریبی ٹیبل پر دھرتے ہوئے اپنی چادر سے منہ پونچھا۔
"پھر کسی کی جیب کاٹی ہوگی یا سائیکل چوری کی ہوگی۔ ان دونوں کا تو یہ ہی کام ہے' مگر تم کیوں اس قدر پریشان ہو رہی ہو۔ اچھا ہے پولیس لے جائے' جان چھوٹے محلے والوں کی۔"
پانی کے کولر سے سلور کا کٹورا لبالب بھرا اور ماں کے قریب آگئی۔
"نہیں اس بار ایسا کچھ نہیں ہے۔" ماں نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پانی کا کٹورا تھام لیا۔
"اس بار سنا ہے اس نے شوکے' کے ساتھ مل کر کوئی لڑکی اغوا کی تھی اور پھر دونوں نے مل کر اسے مار دیا۔ لڑکی کی لاش کسی خالی پلاٹ سے ملی ہے۔"
"اوہ۔"
ماں کی دی جانے والی اطلاع نے اسے بھی خوف زدہ کر دیا اور یک دم ہی اس کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو گیا۔
"اچھا ہے' اب ان دونوں بدمعاشوں کو پولیس پکڑ کر لے جائے گی۔ کم از کم اس طرح محلے والوں کو تو سکون نصیب ہوگا۔"
"سکون کیسا 'شوکے' کے باپ کے پاس تھوڑا حرام کا پیسہ ہے' کہ کما کر کے بیٹے کو چھڑوا لے گا۔"
یہ بات بھی سچ تھی' وہ خاموش ہو گئی۔ سارے خوف کے اس کا دل اب بھی تیزی سے دھک دھک کر رہا تھا۔
"آج کتنے ہی دن ہو گئے خالہ فاطمہ کو فون نمبر دیے ہوئے' مگر انہوں نے کچھ بتایا ہی نہیں۔" کچھ سوچتے ہوئے اماں زیر لب بڑبڑائیں۔
"کس کا فون نمبر اماں۔"
وہ چارپائی پر ان کے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔
"ہے میرے ایک قریبی عزیز کا۔"
آج پہلی بار ماں کے منہ سے قریبی عزیز کا لفظ سنا تھا۔ اسے قدرے حیرت ہوئی۔
"سوچ رہی ہوں نکڑ والے پی سی او جا کر انہیں خود ہی فون کرلوں' میرا باکس تو نکال کر لانا' وہ جو لوہے کے ٹرنک میں رکھا ہے۔"
وہ یہ باکس کئی بار وہاں سے نکال کر لائی تھی۔ مگر پھر بھی اماں ہر بار اسے جگہ کی یاد دہانی ضرور کرواتیں' اس نے خاموشی سے باکس لا کر ان کے قریب رکھ دیا۔ اماں نے کھول کر اندر سے ایک کارڈ نکالا اور مٹھی میں دباتے ہوئے پھر سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"یہ واپس اپنی جگہ رکھ دو میں ابھی آتی ہوں۔"
"رکو اماں' مجھے بھی ساتھ لے کر جانا' میں نے اکیلے گھر میں نہیں رہنا۔"
کچھ دیر قبل والی خبر کا خوف ابھی بھی پوری طرح اس کے اندر پنجے گاڑھے بیٹھا تھا۔ اسے خالی گھر میں ہر طرف شوکے کا ہیولہ دکھائی دے رہا تھا۔ اماں نے رک کر ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

"اچھا آجا مگر اپنی چادر لے کر آنا۔"

اسے ہدایت دیتیں وہ باہر کی جانب بڑھ گئیں۔ وہ تیزی سے باکس اپنی جگہ واپس رکھ کر اماں کے پیچھے لپکی' دروازے کو باہر سے کنڈی لگائے وہ دونوں ماں بیٹیاں صغیرلی سی او آئیں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار وہ اس پی سی او آئی تھی اور شاید زندگی میں پہلی بار اس کی ماں کسی کو فون کرنے آئی تھی۔ ورنہ آج تک وہ یہ ہی سمجھتی رہی کہ ان کا اس دنیا میں کوئی ایسا عزیز نہیں ہے جسے فون کرنے کی کبھی ضرورت پیش آئے۔ پی سی او پر رش تھا پردہ لگا کر عورتوں کا حصہ علیحدہ کردیا گیا تھا۔ وہ اندر والے حصے میں جا بیٹھیں۔ چھٹی کا دن تھا۔ گلی میں کرکٹ کھیلتے بچوں کا شور اندر تک سنائی دے رہا تھا۔

"لائیں نمبردیں۔"

ان سے پہلی والی عورت کے فارغ ہوتے ہی فون کے قریب بیٹھے شخص نے آواز لگائی' ماں نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑی پرچی اسے تھمادی۔ دکان والے نے نمبر ملانے کے بعد فون ماں کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ بددلی سے باہر کھیلتے بچوں کو دیکھنے لگی۔ ماں کی طرف سے اس کی توجہ بالکل ہٹ گئی۔ جب اچانک ماں کی نسبتاً" تیز آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"آپ کو پتہ علم ہے وہ کب تک واپس آئیں گے۔"

ماں کے لہجے میں مایوسی تھی دوسری طرف سے کیا کہا گیا اسے آواز نہ آئی ماں کس سے بات کرنا چاہتی تھی اپنی بے دھیانی میں وہ سن نہ پائی اسے بے حد افسوس ہوا۔

"اچھا میرا کوئی فون نمبر تو نہیں ہے مگر وہ جب بھی آئیں ان سے کہنا میرا فون تھا۔" ماں اتنا کہہ کر رک گئیں۔

"اس نے تو کہا تھا تم زندگی میں جب بھی مجھے پکاروگی میں تمہیں اپنا منتظر ملوں گا۔" ماں کی بڑبڑاہٹ اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"میرا نام۔" ماں زیرلب بڑبڑائیں۔

فون کی دوسری جانب موجود شخصیت نے یقیناً" ماں کا نام پوچھا تھا وہ ہمہ تن گوش ہوگئی اسی پل کسی نے دکان کے سامنے موجود آم کے درخت پر پتھر مارا بہت ساری چڑیوں کا تیز شور اس کی سماعتوں سے ٹکرایا "نام میں کیا رکھا ہے۔ ان سے کہنا میں ہفتہ بھر میں پھر سے فون کروں گی ایک ہفتہ تک واپس تو آجائیں گے نا۔"

وہ جاننا چاہتی تھی کہ ماں کس کو فون کر رہی ہے مگر باوجود کوشش کے اسے ناکامی ہوئی ماں نے اپنی مطلوبہ شخصیت کا دوبارہ نام بھی نہ لیا" میرا نام تو شاید اب انہیں یاد بھی نہ ہوگا اس لیے بتانے کا کیا فائدہ۔ چلو پھر ایک ماہ بعد کرلوں گی فون اللہ حافظ۔"

فون بند کرتے ہی انہوں نے مٹھی میں دبے روپے دکان والے کے حوالے کیے' باقی رقم واپس دوپٹے کے پلو میں لپیٹتی اور اسے ساتھ لیے دکان سے باہر نکل آئیں گھر سے پی سی او جاتے سمے ماں کے قدموں میں جو تیزی تھی وہ اب قدرے کم ہوچکی تھی تیز دھوپ میں دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ماں کی سنگت میں اس نے اپنے گھر کی دہلیز کے اندر قدم رکھ دیے۔



گاڑی کے سگنل پر رکتے ہی اس کی نگاہ دائیں جانب سڑک کے کنارے کھڑے اس لڑکے پر پڑی جس کے ہاتھوں میں تھمے سرخ تازہ گلاب کے پھول دیکھنے والوں کی نگاہوں کو ایک تراوٹ بخش رہے تھے۔

"سر آپ کو کیسے پتا چلا مجھے سرخ گلاب بہت پسند ہیں۔"

کانوں میں حبیبہ کی آواز آتے ہی وہ چونک اٹھا فوراً" اشارے سے اس لڑکے کو اپنے قریب بلایا۔

"یہ سارے پھول پیچھے سیٹ پر رکھ دو۔"

پرس نکال کر ہزار تھے ہی کچھ نوٹ اس لڑکے کو تھما دیے جنہیں دیکھتے ہی اس کے چہرے پر پہلے حیرت اور پھر یک دم خوشی کی لہر سی دوڑ گئی۔

"تھینک یو سر" خوشی سے اس نے شاہ زین کو سلوٹ مارا۔

سبز بتی روشن ہو گئی اس نے تیزی سے گاڑی آگے کی سمت بڑھائی وہ جلد از جلد آفس پہنچ کر یہ سارے پھول حبیبہ کو دینا چاہتا تھا تیز رفتاری کے باعث وہ پندرہ منٹ کے لگ بھگ آفس کی پارکنگ میں موجود تھا گاڑی پارکنگ میں چھوڑ کر وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتا اوپر پہنچا اسے کسی بہانے حبیبہ کو نیچے گاڑی تک لانا تھا وہ آفس میں سب کے سامنے یہ پھول دے کر اس کا کوئی تماشا بنوانا نہیں چاہتا تھا اسے ہمیشہ خدشہ رہتا کہیں وہ کسی چھوٹی سی بات کو لے کر ناراض نہ ہو جائے کیونکہ وہ ایسی ہی تھی' پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ وہ آفس ہال کے بڑے سے داخلی دروازے کے سامنے جا کھڑا ہوا قریب لگے آئینہ میں اپنا اچھی طرح جائزہ لے کر ٹائی کی ناٹ ٹھیک کی تیز تیز چلتی سانسوں کو بحال کیا۔

"السلام علیکم صاحب۔" دروازے پر ہاتھ رکھتے ہی کرم دین اسے دھکیلتا ہوا باہر نکل آیا۔

"وعلیکم السلام"

سر کی جنبش سے سلام کا جواب دیتا وہ اندر داخل ہوا سامنے ٹیبل پر کرن اپنے کمپیوٹر میں معروف تھی اس سے چند قدم دور حبیبہ کی ٹیبل اس کے وجود سے یکسر خالی تھی ٹیبل کے نیچے موجود کرسی اس بات کی علامت تھی کہ اسے باہر ہی نہیں نکالا گیا۔

"حبیبہ کہاں ہے؟" صاف لگ رہا تھا وہ آج نہیں آئی پھر بھی وہ کرن سے تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

"وہ تو آج نہیں آئی سر"

"اوہ۔!" کچھ دیر قبل والی اس کی ساری خوشی یکدم کافور ہو گئی۔

"خیریت۔"

اس کا اشارہ حبیبہ کی غیر حاضری کی سمت تھا۔

"جی سر اس کے ٹرم ختم ہوئے ہیں جس کے بعد اس کی یونیورسٹی تقریباً دس دن کے لیے بند ہوتی ہے لہٰذا یہ دس دن وہ اپنے چاچا کے ساتھ گزارتی ہے۔"

اسے حیرت ہوئی حبیبہ نے اسے کل کیوں نہیں بتایا کہ وہ ایک ہفتہ کی چھٹیوں پر جا رہی ہے شاہ زین نے اپنے آفس میں قدم رکھتے ہی موبائل نکال کر اس کا نمبر ملایا حبیبہ کا سیل آف تھا اس کا خوشگوار موڈ یک دم ہی خراب ہو گیا' جب رات گھر واپس آیا تو سرخ گلابوں کی مہک پوری گاڑی میں پھیلی ہوئی تھی اس کا دل نہ چاہا ان پھولوں کو نکال کر پھینک دے جو خریدنے سے قبل حبیبہ کے نام منسوب کر چکا تھا' گھر آتے ہی اس نے تمام پھول نکال کر ... روم فریج میں رکھ دیے۔

☆ ☆ ☆

ہر انسان کی زندگی میں ایک ٹرننگ پوائنٹ ضرور آتا ہے۔ جس کے بعد اس کی زندگی مکمل طور پر تبدیل ہو جاتی ہے مگر اس کی زندگی میں یہ پوائنٹ دوسری بار آیا تھا پہلی بار جب وہ اپنی ماں' گھربار' سکھی ساتھیوں اور صحن میں لگے پیپل کے بڑے سے پیڑ سمیت سب کچھ چھوڑ چھاڑ ملک صاحب کی سنگت میں چاچا فضل اور آنٹی سکینہ کے ہمراہ اس گھر میں آئی تھی جہاں آنے کے بعد اس کی زندگی یکسر طور پر تبدیل ہو گئی تھی اب ایک بار پھر وہ یہ سب چھوڑ چھاڑ کر کسی دوسری راہ پر گامزن ہونے چلی تھی۔ نہیں جانتی تھی اب اس کی منزل کہاں ہے مگر شاید منزل تو اسے ابھی تک ملی ہی نہیں تھی اس نے خالی خالی نگاہوں سے پورے گھر پر ایک نظر دوڑائی' سکینہ نے اس کا ضروری سامان سب پیک کر دیا تھا یک دم بھی اس کے دل میں ایک ہوک سا اٹھا۔

"چاچا۔ چاچا۔" وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کیا ہوا بیٹا کیا بات ہے؟" چاچا فضل دین بھاگا ہوا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔
"مجھے اماں کی قبر پر جانا ہے۔"
آج کتنے سالوں بعد ماں کی قبر پر جانے کی خواہش نے دل میں کروٹ لے کر بیدار ہو گئی۔
"اس وقت۔" چاچا نے حیرت سے اس کی شکل دیکھی۔
"ابھی تو بیٹا مغرب ہونے والی ہے۔"
"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"
"رات کو اس طرح قبرستان نہیں جانا چاہیے۔" پیکنگ کا کام چھوڑ کر سکینہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
"کچھ نہیں ہوتا آنٹی وہاں قبروں میں موجود لوگ تو خود اتنے بے بس ہوتے ہیں کہ باہر نکل کر اپنے پیاروں کے آنسو صاف کرنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتے پھر وہ بیچارے ہمیں کیا نقصان پہنچائیں گے۔"
ماں کی یاد میں اس کا دل دھاڑیں مار کر رونے کو چاہا۔
"اور پھر میں کراچی جانے سے قبل ایک بار اپنا گھر بھی دیکھنا چاہتی ہوں وہ گھر جہاں میری اک عمر اپنی ماں کے ساتھ گزری مجھے فاطمہ خالہ اور ارم سے بھی ملنا ہے مجھے وہ گلیاں دیکھنی ہیں آنٹی جہاں میرا بچپن مدفون ہے۔"
یاسیت اس کے لہجہ میں گھلی ہوئی تھی۔
"اچھا میں ملک صاحب سے اجازت لے لوں پھر آپ کو لے چلتا ہوں۔"
فضل دین نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا اور وہ مطمئن ہو گئی مگر رات انکل کی واپسی کے ساتھ ہی اس کا یہ اطمینان بھی رخصت ہو گیا۔
"فی الحال تو تمہاری یہ خواہش پوری کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔"
انہوں نے اک نگاہ اس کے ستے ہوئے چہرے پر ڈالی۔
"کیوں کہ ہمیں کل گیارہ بجے ایئر پورٹ پہنچنا ہے اس سے قبل بہت سارے ایسے کام ہیں جو فضل دین نے نپٹانے ہیں بہر حال زندگی رہی تو میں بہت جلد تمہیں واپس لا کر ان تمام لوگوں سے ضرور ملوانے لے جاؤں گا ابھی تو پرسوں تمہارا ٹیسٹ ہے یونیورسٹی میں داخلے کے لیے۔"
آنٹی سکینہ نے چونک کر ملک صاحب کی طرف دیکھا۔
"البتہ صبح سویرے سکینہ کے ساتھ قبرستان ضرور چلی جانا کیونکہ یہ ایک ایسا خواہش ہے جس کے لیے میں تمہیں منع نہیں کر سکتا۔"
"جی۔"
وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکی۔
مطلب کہ منزل ابھی بھی کہیں دور کھڑی تھی اسے یہاں سے جا کر پھر یونیورسٹی میں داخلہ لینا تھا اور جانے ابھی بھی ایشال اسے اپنا شرف ملاقات بخشتا نہیں۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھی اور نہ ہی جاننا چاہتی تھی یہ ہی سوچ کر اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا شاید اسی میں اس کی بہتری تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ کریں) ☆

نفیسہ سعید



ایسا کب ہے زندگی

—۹—
نویں قسط

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کردیتے ہیں جبکہ ایشال کی دلچسپی اپنی کزن عریشہ میں ہے۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد سے کراچی آئی ہے۔ شاہ زین کے والد نے اسے اپنے آفس میں اپائنٹ کرلیا شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگا۔

فرہاد تین بھائی ہیں۔ فرہاد کے دونوں بھائی معاشی طور پر مستحکم ہیں اور دونوں اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کو دل کھول کر پورا کرتے ہیں جبکہ فرہاد اپنی بیوی زینب اور بچیوں کی ضروریات پوری کرنے میں بے حد کنجوسی سے کام لیتا ہے۔ جو زینب کو بالکل پسند نہیں۔

فرہاد کے بڑے بھائی کی بیوی فضہ زینب کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہیں اور آئے دن اس حسد کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)



"فرہاد۔۔"

"ہاں بولو۔۔"

فرہاد نے اپنے سامنے پھیلے اخبار سے ایک ذرا سی نظر ہٹا کر اس کے چہرے کی جانب تکا جہاں واضح طور پر ایک الجھن سی دکھائی دے رہی تھی "کیا بات ہے زینب؟"

فرہاد اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا۔

"آپا کا فون آیا تھا۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

"کیوں۔۔۔ خیریت۔"

فرہاد کے چہرے پر حسب توقع ایک ناگواری سے پھیل گئی' جانے کیوں وہ شروع سے ہی اس کی آپا اور ان کے شوہر سے چڑتا تھا' پہلے پہلے تو زینب کو یہ محض وہم لگتا مگر گزرتے وقت اور حالات نے اس کے اس وہم کی تصدیق کردی اس کی وجہ کیا تھی یہ وہ آج اتنے سالوں بعد بھی نہ جان پائی۔

"اتوار والے دن احد کی سالگرہ ہے وہ چاہتی ہیں ہم سب اس میں شریک ہوں۔" بالآخر اس نے اپنا مدعا بیان کر ہی دیا۔

"ہاں تو چلی جانا احسان سے کہنا وہ تمہیں اور بچوں کو لے جائے گا۔"

"اور آپ۔۔۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اسے کہنا پڑا۔

"میں نہیں جاسکتا ایک تو میں اتوار والے دن کچھ مصروف ہوں ایک دو کام نپٹانے ہیں دوسرا تمہارا وہ بہنوئی کیا نام ہے اس کا۔۔۔"

فرہاد نے ذرا سا رک کر اپنے ذہن پر زور ڈالا۔

"ہاں ثنا اللہ' سچی بات یہ ہے کہ مجھے وہ شخص رتی بھر پسند نہیں پتا نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے بڑا کوئی عالم فاضل بنتا ہے۔"

فرہاد شروع ہوگیا' زینب گہری سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی جانتی تھی ایسا ہی ہوگا' اب فرہاد کی کسی بھی بات کا جواب دینے سے بہتر تھا۔ خاموشی اختیار کرلی جائے' وہ ویسے بھی اس کی فیملی کی کسی بھی تقریب میں کم ہی شریک ہوا کرتا تھا اب تو وہ ان سب کی عادی ہوچکی تھی۔

"فرہاد۔۔۔"

اس نے خاموش ہوتے ہی زینب نے ایک بار پھر اسے پکارا۔

"اب کیا بات ہے؟"

اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے اس نے زینب پر نظر ڈالی۔

"مجھے کچھ رقم چاہیے۔"

بہت سوچ کر وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولی۔

"خیریت۔۔۔ یہ آدھی رات کو تمہیں رقم کی کیا ضرورت پڑ گئی۔"

"دراصل مجھے احد کے لیے کوئی تحفہ لینا ہے۔" یہ جملہ اس نے نہایت شرمندگی کے عالم میں ادا کیا۔

"اچھا لے لینا ابھی تو سنڈے کافی دور ہے۔"

وہ منتظر تھی شاید فرہاد مزید کوئی بات کرے' مگر نہیں زینب کو جواب دے کر وہ ایک بار پھر سے اخبار میں مصروف ہوگیا' وہ خاموشی سے کمرے میں پھیلا سامان سمیٹنے لگی۔

"ویسے ایک بات کہوں برا مت منانا۔"

اب اس نے اخبار لپیٹ کر ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔

"تمہاری بہن کا یہ طریقہ اچھا ہے ہر سال کسی ایک بچے کی سالگرہ منا کر لوگوں سے تحفے بٹورنے کا۔"

فرہاد نے ہنستے ہوئے طنز کیا۔

"وہ اتنا خرچہ تحفے لینے کے لیے نہیں کرتیں۔" زینب دروازے سے باہر نکلتے نکلتے رک گئی۔

"یہ ان کے بچوں کی خوشی ہے جیسے وہ اہتمام سے منانا پسند کرتی ہیں اور ہر شخص اپنی پسند اور خوشی کے اظہار کے لیے آزاد ہے۔"

"انہیں، تو تمہارے گھر والے بھی خوب تحفے دیتے ہیں اور یہاں جب بھی آتے ہیں بالکل خالی ہاتھ......"

ایک بار پھر وہ ہی پرانا رونا۔

اتنے سالوں میں آج تک میں نے کبھی اپنے بچوں کی کوئی ایسی تقریب منعقد نہیں کی جس میں کسی کو بلایا جائے اور وہ خالی ہاتھ آئیں۔" زینب نے تڑخ کر جواب دیا۔

"ہاں بیٹا ہوتا تو ضرور میں بھی ایسی خوشی مناتا۔"

جانے اس کے لہجہ میں ایسا کیا تھا کہ زینب بالکل خاموش ہو گئی' اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ اس بات کا کیا جواب دے' آنکھوں میں نمی بھرے وہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

"بلاوجہ ہی تحفہ کے لیے رقم مانگی۔" باہر نکلتے ہی وہ بری طرح پچھتائی۔

"نازیہ اور سالار کے دیئے ہوئے کچھ تحائف ابھی بھی الماری میں رکھے تھے' فضہ بھابھی کے دبئی سے لائے ہوئے تحائف بھی وہیں پڑے ہیں ان میں سے ہی کچھ دے دیتی کیا ضرورت تھی بلاضرورت اس شخص سے الجھنے کی۔"

اسے جی بھر کر افسوس ہوا' مگر اب کوئی فائدہ نہ تھا جانتی تھی کہ اب اگلے کئی دنوں تک فرہاد کا موڈ اتنا ہی خراب رہنا ہے ایک چھوٹی سی بات نے دونوں کے دلوں میں فاصلہ پہلے سے بھی بڑھا دیا۔



ایئرپورٹ سے باہر نکلتے ہی اس نے دور تک ایک نظر دوڑائی اسے کوئی بھی اپنا منتظر دکھائی نہ دیا۔ وہ تو سارے راستے اسی خوش فہمی میں رہی کہ باہر نکلتے ہی ایشال اور آنٹی دونوں اس کے والہانہ استقبال کے لیے موجود ہوں گے مگر اس کی یہ خوش فہمی دیگر تمام باتوں کی طرح پہلے ہی مرحلے پر غلط ثابت ہو گئی' سکینہ نے ایک نظر اس معصوم کے مایوس چہرے پر ڈالی اور سامان کی ٹرالی دھکیلتے آگے کی جانب بڑھ گئی یہاں آنے سے قبل وہ بھی ایسی بہت ساری خوش فہمیوں کا شکار تھی آج یقیناً" وہ بھی اتنی ہی شاک ہوتی جتنی چھوٹی بی بی مگر بھلا ہو فضل دین کا جس نے رات ہی اسے اچھی طرح ہر بات سمجھا دی تھی۔

"دیکھ سکینہ ایک بات اپنی گرہ سے باندھ لے۔"

اسے خوشی خوشی کپڑے استری کرتا دیکھ کر فضل دین اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔

"جو دکھائی دیتا ہے وہ ہوتا نہیں ہے حقیقت تو کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ جو بندہ جان بھی نہیں پاتا۔" وہ تمہید باندھتے ہوئے بولا۔

"میں تیری بات سمجھی نہیں فضل دین۔" سکینہ کچھ الجھ سی گئی۔

"چھوٹی بی بی کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کرنا جو اسے کسی خوش گمانی میں مبتلا کردے۔"

فضل دین آہستہ آواز میں بولا۔

"ان کے سامنے ایشال صاحب کے حوالے سے کوئی بات نہ کرنا۔
دیکھ سکینہ جو تو سمجھ رہی ہے نا ویسا کچھ نہیں ہے۔ بس یہ سمجھ لے کہ جسے بی بی جی یہاں پڑھتی تھیں بس ویسے ہی وہاں پڑھنے جارہی ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ملک صاحب کے گھر میں بھی شاید کسی کو یہ علم نہیں کہ وہ بی بی جی کو کراچی لے کر آرہے ہیں۔"
"ہیں یہ کیوں...؟" مارے حیرت سکینہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔
"ہر کیوں... کا جواب نہیں ہوتا۔"
فضل دین یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا اور سکینہ ایسی خاموش ہوئی کہ رات سے اب تک بالکل ہی خاموش تھی۔
"سکینہ تم بی بی کو لے کر ڈرائیور کے ساتھ جاؤ میں ملک صاحب کے ساتھ جارہا ہوں کچھ کام نبٹا کر ان شاءاللہ شام تک آجاؤں گا... اچھا۔"
"کیا اور کیوں" جیسے سوالات کا گلا اس نے رات ہی گھونٹ دیا تھا وہ خاموشی سے چلتی اس جانب آگئی جہاں ڈرائیور گاڑی... لیے ان کا منتظر تھا' وہ ٹرالی کا سامان ڈگی میں رکھنے لگا سکینہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی' ان سے آگے والی گاڑی کے باہر ملک صاحب کھڑے چھوٹی بی بی سے کوئی بات کررہے تھے جسے وہ خاموشی سے سنے جارہی تھی ملک صاحب نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔
ملک صاحب نے کیا کہا اب سکینہ کو کوئی دل چسپی نہ تھی وہ منتظر تھی کب بی بی گاڑی میں آکر بیٹھے اور ان دونوں کا ایک اور نیا سفر شروع ہو جس کی منزل کے بارے میں اسے کوئی آگہی نہ تھی' ابھی مزید کتنا سفر باقی تھا وہ یہ بھی نہ جانتی تھی چھوٹی بی بی کے گاڑی میں بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھادی سکینہ نے ایک اچٹتی نگاہ اپنے ساتھ والی کے چہرے پر ڈالی جہاں ایک سکوت طاری تھا۔ وہ خاموشی سے اپنی آنکھیں موندے سیٹ پر نیم دراز تھی سکینہ بھی خاموشی سے کھڑکی کے شیشے پار بھاگتی دوڑتی ٹریفک کے نظارے دیکھنے میں منہمک ہوگئی۔



دور تک پھیلی برف' ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے دھرتی نے سفید چادر اوڑھ لی ہو یہ منظر اس قدر حسین تھا کہ ایشال اپنی جگہ مبہوت کھڑا ہوگیا اسے شروع سے ہی اس طرح ہر طرف پھیلی برف بہت اچھی لگتی تھی وہ جانے کتنی دیر تک اسی طرح ساکت کھڑا قدرت کے اس حسین نظارے میں گم رہتا کہ اچانک برف کی اس چادر پر ایک رنگین نقطہ نمودار ہوا' ریڈ فر کوٹ میں وہ یقیناً "اریشہ" تھی' ایشال نے اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالی چار بجنے والے تھے "اریشہ روزانہ اسی وقت گھر آتی آج کل وہ جیولری ڈیزائننگ کی کلاسز لے رہی تھی' سفید برف اس کے کوٹ اور بالوں میں بھی بکھری ہوئی تھی' اس نے کھڑکی میں کھڑے ایشال کو دیکھتے ہی جوش و خروش سے اپنا ہاتھ ہلایا وہ کھڑکی چھوڑ کر دروازے کی سمت بڑھا تاکہ اریشہ کا استقبال پورے دل و جان سے کرسکے۔
دروازے کی جانب بڑھنے سے قبل روز مرہ کی طرح وہ اپنے بازو پر چٹکی بھرنا نہ بھولا وہ دن میں جانے کتنی بار یہ عمل دہرا کے خود کو یقین دلاتا کہ اریشہ کا ساتھ کوئی خواب یا فریب نہیں ہے بلکہ وہ حقیقت میں اسے حاصل کرچکا ہے' اس حصول میں اس نے کیا کیا کھویا اسے اس بات سے کوئی غرض نہ تھی۔
آج جانے کتنے ماہ ہوگئے تھے پاپا نے اس سے بات نہ کی تھی البتہ مما سے وہ تقریباً "روز ہی بات کرتا" اسے یقین تھا جس طرح قدرت نے ہر معاملے میں اس کے لیے آسانی پیدا کی تھی بالکل اسی طرح ایک دن پاپا بھی اس سے ضرور بات کریں گے اور یہ امید اس کے دل میں ہمیشہ پوری جزئیات کے ساتھ برقرار تھی جسے وہ کسی بھی حالت میں توڑنا نہ چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

فرہاد کے گھر سے نکلتے ہی وہ جلدی جلدی کام نبٹانے لگی کیونکہ احسان نے اسے لینے تقریباً" چھ بجے تک آجانا تھا۔ ابھی اس نے برتن دھو کر کچن ہی صاف کیا تھا کہ کسی نے اطلاعی گھنٹی بجادی۔

"یہ کون آگیا؟" اسے حیرت ہوئی۔

"اماں! پھوپھو آئی ہیں۔"

اس سے قبل کہ وہ کچن سے باہر نکلتی مریم بھاگتی ہوئی آئی اور اسے اطلاع بہم پہنچا کر الٹے پاؤں واپس پلٹ گئی۔

"یہ آج کیسے آگئیں ابھی کل تو انہیں فرہاد نے فضہ بھابھی کے گھر چھوڑا تھا۔" زینب نے سوچا ضرور کہا نہیں۔

"یہ فرہاد کہاں گیا؟" زینب پر نظر پڑتے ہی انہوں نے سوال کیا۔

"پتا نہیں ابھی کچھ دیر قبل ہی باہر نکلے ہیں۔"

"اچھا مجھے تو اس نے کہا تھا کہ وہ گھر ہی ہوگا۔"

وہ آہستہ سے بڑبڑائیں، زینب خاموش رہی۔

"دکان پر فون کر کے بتاؤ میں آگئی ہوں۔ مجھے بازار جانا ہے پھر دیر ہو جائے گی۔"

"اوہ تو شاید یہ مصروفیت تھی فرہاد کی جس کے سبب اس نے آج میرے ساتھ جانے سے انکار کیا۔"

پہلی سوچ زینب کے دماغ میں یہ ہی آئی۔

"آپ کھانا کھائیں گی؟"

"ظاہر ہے ایک بج گیا ہے اب تو کھانا کھا کر ہی نکلیں گے۔"

زینب کچن میں آگئی تاکہ جلدی جلدی ان کے لیے کھانا تیار کر سکے ورنہ آج اس کا کھانا بنانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا اس کا ارادہ تھا کہ وہ رات کے سالن کے ساتھ ہی روٹی بنا کر فرہاد کے لیے رکھ دے گی مگر اب کھانا پکانا ضروری تھا۔

آلو قیمہ تیار کر کے اس نے سلاد کے لیے پیاز کاٹی تھی کہ فرہاد گھر آگیا' بہن کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ہزار واٹ کا بلب روشن ہو گیا وہ روشنی جو شاید آج تک زینب نے اس کے چہرے پر کبھی نہ دیکھی تھی سوائے اس وقت کے جب وہ اپنی بہن کے مقابل ہوتا' فرہاد کے چہرے پر بکھری روشنی نے زینب کو سلگا سا دیا۔

"کھانا ذرا جلدی لگا دو ہمیں جانا ہے۔"

فرہاد کی آواز نے اسے اپنے خیالوں سے باہر نکالا کھانا ٹیبل پر رکھ کر وہ پانی لینے کے لیے پلٹی۔

"رائتہ بنا لیتیں۔"

"دہی نہیں تھا۔" وہ آہستہ سے کہتی کچن میں آگئی' ابھی پانی کا جگ بھرا ہی تھا کہ فرہاد کچن کے دروازے پر نمودار ہوا۔

"یہ لو دہی اور ہرا دھنیہ جلدی سے رائتہ بنا لاؤ آپا کبھی بھی قیمہ بنا دہی کے نہیں کھاتیں۔"

اسے ہدایت دیتا وہ وہیں سے واپس پلٹ گیا' زینب نے حیرت سے فرہاد کی پشت کو تکا عام دنوں میں وہ کبھی کسی سخت ضرورت کے وقت بھی اپنا کھانا چھوڑ کر باہر نہ گیا تھا اور آج بہن کی خاطر صرف پانچ منٹ میں ہی دہی لے کر آگیا' کھانا کھاتے ہی دونوں بازار جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے' زینب نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا ورنہ اسے پریشانی تھی کہ یاسمین آپا کو گھر چھوڑ کر وہ کس طرح احد کی سالگرہ میں جائے گی جبکہ یاسمین آپا نے اس کے ساتھ

جانا بھی نہیں تھا۔

"رات کھانے میں بریانی بنا لینا آپا آج یہیں رہیں گی۔"

دروازے سے نکلتے نکلتے فرہاد نے فرمائش کی وہ شاید بھول گیا تھا کہ رات زینب نے اپنے گھر جانا ہے' وہ بھی خاموش رہی ڈر تھا کہیں اس وقت آپا کے گھر جانے سے فرہاد اسے منع نہ کر دے اور پھر اپنی تیاری میں اتنا ٹائم لگا کہ وہ بریانی بنانا بالکل بھول گئی ورنہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ دونوں کے لیے کھانا تیار کر کے ہی نکلے گی مگر احسان اتنی ہڑبونگ میں ساڑھے پانچ بجے ہی آ گیا کہ وہ اپنے اور بچوں کے کپڑے جلدی جلدی شاپر میں ڈال کر اس کے ہمراہ چل دی بنا یہ سوچے کہ گھر واپسی پر اسے فرہاد کی جانب سے ایک کڑی تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا۔



شاپ سے باہر نکلتے ہی اس کی نگاہ سیڑھیوں کی جانب بڑھتی حبیبہ پر پڑی اور تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

"السلام علیکم حبیبہ۔"

قریب پہنچتے ہی اس نے' زوردار آواز میں سلام جھاڑتے ہوئے اسے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا۔

"وعلیکم السلام۔" حبیبہ اسے دیکھتے ہی مسکرا دی۔

"خیریت ہے آج کل تم آفس نہیں آ رہیں۔"

کئی دنوں بعد حبیبہ کو اپنے سامنے موجود پا کر وہ کھل اٹھا تھا۔

"میں چھٹیوں پر ہوں۔" وہ ہنس دی۔

ان سے ملیں یہ میری آنٹی ہیں۔" اچانک ہی حبیبہ نے اپنے ساتھ کھڑی خاتون سے اسے متعارف کروایا سچ تو یہ تھا اتنی دیر سے شاہ زین کو حبیبہ کے آس پاس کوئی دکھائی ہی نہ دیا تھا وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

اسلام علیکم آنٹی۔

"آنٹی یہ شاہ زین ہیں۔"

شاید آنٹی اس سے واقف تھیں اس لیے انہوں نے مزید کوئی سوال نہ کیا۔

"جیتے رہو بیٹا۔" وہ دھیرے سے بولیں۔

"آنٹی کئی ماہ بعد کراچی آئی ہیں اسی سبب میں چھٹیاں لے کر انہیں تھوڑا سا گھما پھرا رہی ہوں۔"

حبیبہ نے آنٹی کے تعارف کے ساتھ ساتھ اپنی چھٹیوں کی بھی وضاحت کر دی وہ مسکرا دیا۔

"آفس کب سے جوائن کر رہی ہو۔"

وہ اس کے ساتھ ساتھ سیڑھیاں چڑھتا اوپر آ گیا۔

"ان شاء اللہ دو دن بعد۔"

"او کے میں تمہارا انتظار کروں گا ٹیک کیئر اینڈ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔"

حبیبہ جواب دے کر آگے کی جانب بڑھ گئی' شاہ زین کچھ دیر تک وہیں کھڑے اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ سامنے والی شاپ میں داخل ہو کر اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔



"تمہاری ماں کہاں ہے۔"

اس کے دروازہ کھولتے ہی فاطمہ خالہ نے جلدی جلدی سوال کیا۔

"اندر کمرے میں ہیں۔" وہ دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

"کون ہے دروازے پہ....."

ماں نے کمرے کے دروازے سے باہر جھانکا۔

"بیٹا جلدی آؤ تمہارے لیے کراچی سے فون آیا ہے۔"

فاطمہ خالہ نے پھولی پھولی سانسوں کے درمیان میں کہا وہ بہت زیادہ ایکسائیٹڈ تھیں جس کا اندازہ ان کے چہرے پر پھیلی سرخی کو دیکھ کر لگایا جا سکتا تھا۔

"کراچی سے فون....."

دروازے کی ناب پر رکھا ماں کا ہاتھ کپکپا اٹھا۔

"ہاں ہاں جلدی آؤ شاید وہ ہی شخص ہے جسے آفتاب نے فون کیا تھا؟"

اماں نے تار پر پھیلا دوپٹا اتار کر اوڑھا' پاؤں میں چپل پھنسائی۔

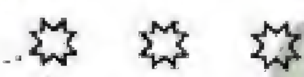
"آپ نے نام نہیں پوچھا تھا۔"

"فون آفتاب نے اٹھایا تھا بیٹا میں پوچھنا بھول گئی کہ کون ہے؟"

خالہ نے خفت زدہ ہوتے ہوئے وضاحت کی۔

"دروازے کی کنڈی لگاؤ میں ابھی آتی ہوں۔" اماں نے باہر نکلتے نکلتے اسے ہدایت کی۔

"اماں کے چہرے پر پھیلی خوشی دیکھ کر اسے اندازہ ہوا شاید کچھ بدلنے والا ہے' جانے کیوں اسے یقین تھا اماں کسی ایسے شخص کے رابطہ کی منتظر ہیں جو آتے ہی انہیں اس ٹوٹے ہوئے گھر سے نکال لے جائے گا ماں کے ساتھ ساتھ وہ بھی کسی انجانے شخص کی اس گھر میں آمد کی ہمیشہ سے ہی منتظر تھی جانتی نہ تھی کہ وہ کون تھا اور ماں کا اس سے کیا رشتہ تھا مگر جو بھی تھا ماں کو اس پر یقین بہت تھا یہ بات وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی اب وہ شدت سے منتظر تھی کہ کب ماں واپس آئے اور اسے پتا چلے کہ کیا ہونے والا ہے۔



"بیٹا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

اس نے چونک کر ملک صاحب کی طرف دیکھا' وہ کچھ الجھے الجھے سے تھے پریشانی ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اسی طرح کمرے میں نہایت خاموشی سے بیٹھے تھے وہ کچھ کہنا چاہتے تھے یہ تو وہ شروع سے ہی جان چکی تھی مگر کیا یہ اسے ابھی تک پتا نہیں چلا تھا۔

"جی انکل بولیں....." وہ مکمل طور پر ان کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"سکینہ۔" انہوں نے ہلکا سا کھنکھارتے ہوئے سکینہ کو پکارا۔

"جی صاحب جی۔"

"اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو میرے لیے کافی بنا دو۔"

دو انگلیوں سے اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے وہ خاصے پریشان دکھائی دیے۔

"اس میں زحمت والی کیا بات ہے صاحب جی ابھی بنا لاتی ہوں۔"

سکینہ جان چکی تھی وہ کمرے میں مکمل تنہائی چاہتے تھے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

"بیٹا میں تمہارا گناہ گار ہوں ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔"

سکینہ کے باہر نکلتے ہی ملک صاحب اس کے قریب آ بیٹھے ان کی پیشانی پر پسینہ کے ننھے ننھے قطرے ابھر

آئے۔

"انکل آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟سب خیریت تو ہے نا؟" انہیں پریشان دیکھ کر وہ بھی گھبرا اٹھی۔

"بیٹا پہلے مجھ سے وعدہ کرو تم مجھ سے معاف کردو گی۔"

انہوں نے یک دم ہی اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"میں تم سے بہت شرمندہ ہوں بیٹا میں چاہ کر بھی تمہیں تمہارا حق نہ دلا سکا۔" وہ روہانسے سے ہو گئے۔

"میں نے بہت کوشش کی مگر ایشال۔۔۔"

وہ سانس لینے کے لیے لحہ بھر کو رکے' وہ بے چین سی ہو گئی حالانکہ یہ سب تو شاید وہ شروع سے ہی جانتی تھی مگر ملک صاحب اپنے بیٹے کے سامنے یوں ہار مان جائیں گے اسے یہ امید بالکل نہیں تھی۔

"میرے بہت سمجھانے پر بھی وہ تمہیں اپنی بیوی کی حیثیت دینے کو تیار نہیں' شرمندگی ان کے لہجہ سے عیاں تھی۔

"وہ اریشہ سے شادی کرنا چاہتا تھا اریشہ اس کی ماموں کی بیٹی ہے۔"

ملک صاحب بولتے گئے وہ خاموشی سے سنتی گئی اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

"میں سمجھ گیا تھا بیٹا کہ یہ رشتے زبردستی کے نہیں ہوتے' زبردستی ان رشتوں کی خوب صورتی کو ختم کر دیتی ہے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ تم ہمیشہ کے لیے ایک بدصورت زندگی کا حصہ بن جاؤ میں نے ایشال کی بات صرف تمہارے لیے مان لی اسے اس زبردستی کے بندھن سے آزاد کر دیا۔"

وہ اپنے دونوں ہاتھ مسلتے ہوئے آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔

"میری طرف سے تم بھی آزاد ہو بیٹا جب چاہو ایشال سے خلع لے کر اپنی پسند اور مرضی سے شادی کر لو تمہیں پورا حق ہے اپنی زندگی جینے کا۔"

"مجھے خلع نہیں چاہیے انکل میں اسی طرح خوش ہوں۔"

اسے اپنی آواز کسی کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

"پاگل ہو تم اس طرح تن تنہا ساری زندگی کس طرح گزارو گی۔"

"گزار لوں گی انکل میں تنہا زندگی گزارنے کی عادی ہو چکی ہوں۔"

تھکن اس کے لہجہ میں اتر آئی۔

"میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے میری ماں کے حوالے سے بدنام کرے' کوئی یہ کہے کہ جیسی ماں ویسی بیٹی' حالانکہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ میری ماں کوئی ایسی ویسی عورت نہیں تھی وہ تو شاید اس کے دل میں پیدا ہونے والا غصہ تھا جسے وقت نے لاوا بنا دیا ایسا لاوا جس میں سب کچھ بہہ گیا۔" وہ رو دی۔

"جو بھی ہے بیٹا میں نے فیصلہ کر لیا ہے ایشال کے پاکستان آتے ہی تمہیں خلع دلوا کر تمہاری اچھی جگہ شادی کردوں گا کیونکہ یہ بھی ہمارے اللہ کا حکم ہے' جوان بچیاں اس طرح تن تنہا زندگی نہیں گزارتیں اس کی اجازت ہمیں ہمارا دین نہیں دیتا۔

سکینہ۔۔۔"

اپنی بات درمیان میں روک کر انہوں نے سکینہ کو پکارا۔

"جی صاحب جی۔" وہ بھاگتی ہوئی آئی۔

"میں تمہاری کافی کا منتظر ہوں۔"

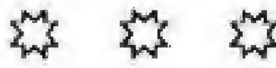
"ابھی لائی جی۔" سکینہ الٹے پاؤں واپس پلٹ گئی۔

"دیکھو بیٹا ہمیشہ یاد رکھو زندگی میں ہمیں وہ ہی ملتا ہے جو ہمارے نصیب میں لکھ دیا جاتا ہے البتہ کئی دفعہ ہمارا یہ نصیب کسی دوسرے راستے سے گھوم کر ہم تک پہنچتا ہے مگر ہم تک آتا ضرور ہے اس لیے دعا کیا کرو کہ تم تک آنے والا تمہارا نصیب اچھا ہو اور تم ہمیشہ خوش رہو۔"

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

"آمین۔"

دل ہی دل میں کہتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں' ایشال کا ساتھ اب شاید مزید اس کے نصیب میں نہ تھا بنا دیکھے بنا ملے' بنا جانے جوڑا جانے والا رشتہ بالکل ویسے ہی اپنے اختتام کو پہنچ گیا جیسے وہ شروع ہوا تھا شاید یہ ہی زندگی ہے۔



"میرا خیال ہے آپ آج رات یہاں ہی رک جائیں صبح چھوڑ آؤں گا۔"

احسان کے منہ سے کوئی تیسری بار یہ جملہ سن کر وہ جھنجلا اٹھی۔

"تمہیں کتنی بار بتاؤں یاسمین آپا رہنے آئی ہیں ایسے میں اگر میں آج رات یہاں رک گئی تو انہیں بہت برا لگے گا اور ویسے بھی اچھا نہیں لگتا گھر آئے مہمان کو اکیلا چھوڑ دیا جائے۔"

"انہیں کمپنی دینے کے لیے فرہاد بھائی ہیں تو سہی اور ویسے بھی جب وہ آپ کے میکے والوں سے مل کر خوش نہیں ہوتے تو آپ ان کے بہن بھائیوں کی اتنی فکر کیوں کرتی ہیں۔"

بالآخر احسان کے دل کی بات لبوں تک آ ہی گئی۔

"بری بات ہے احسان' ایسی بدگمانی والی باتیں نہیں کرتے جن سے دوسروں کے دل خراب ہوں۔"

اماں بی نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالتے ہوئے احسان کو گھرکا۔

"آپ تو جانتی ہیں اماں جی میں سچی بات کیے بنا رہ نہیں سکتا سوری آپا اگر میں نے آپ کا دل دکھایا ہو۔"

جگنو کو گود میں اٹھاتے ہوئے اس نے زینب کے کندھے پر ہاتھ رکھا اسے ویسے بھی اپنی یہ بہن قابل ترس لگتی' اسی سبب فرہاد پر آئے ہوئے غصہ کا اظہار وہ اسی طرح کر دیا کرتا' شاید اس طرح اس کے دل کی بھڑاس کم ہو جایا کرتی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" زینب دھیرے سے مسکرا دی۔

"چلیں آ جائیں میں آپ کو چھوڑ آؤں۔"

جگنو کو گود میں لیے ہوئے وہ باہر کی جانب بڑھ گیا' زینب جلدی جلدی سامان سمیٹ کر مریم کو لیے گاڑی میں آن بیٹھی' وہ سارے راستہ دعا کرتی آئی کہ فرہاد کا موڈ ٹھیک ہو کہیں وہ یاسمین آپا کے سامنے بریانی کا ایشو بنا کر بگڑ نہ جائے اسی سوچ میں گم تھی کہ پتا ہی نہ چلا کب گھر آ گیا' احسان کے گاڑی روکتے ہی وہ چونک اٹھی۔

"اندر تک چھوڑ دوں۔"

اسے سامان اٹھاتا دیکھ کر احسان نے سوال کیا۔

"نہیں رہنے دو میں چلی جاؤں گی' تم جاؤ۔"

وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس وقت احسان کا سامنا فرہاد سے ہو۔

"آپ گھنٹی بجائیں دروازہ کھل جائے تو چلا جاؤں گا۔"

"اچھا۔"

اور پھر جانے کتنی بار زینب نے گھر کی اطلاعی گھنٹی بجائی مگر اندر مکمل طور پر خاموشی طاری تھی بظاہر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے فرہاد سو گیا ہو۔

"واپس آجائیں مجھے لگ رہا ہے فرہاد بھائی سو گئے ہیں۔"

احسان کی بات منہ میں ہی رہ گئی یک دم گیٹ کھول کر فرہاد سامنے آگیا' مگر بنا کچھ کہے وہ گیٹ سے ہی واپس پلٹ گیا' زینب اس کے پیچھے ہی جلدی سے اندر داخل ہو گئی' احسان باہر سے ہی واپس چلا گیا۔

اس نے پہلے کچن میں جا کر کھانا رکھا جو وہ فرہاد کے لیے آپا کے گھر سے لائی تھی اور پھر سوئی ہوئی جگنو کو کندھے سے لگائے اندر کمرے میں آگئی تاکہ بستر پر لٹا سکے مگر اندر داخل ہوتے ہی اسے ایک جھٹکا سا لگا یاسمین آپا بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی فرہاد سے باتیں کر رہی تھیں۔

"مطلب یہ دونوں جاگ رہے تھے پھر بھی دروازہ کھولنے میں اتنی دیر۔" اسے افسوس کے ساتھ ساتھ دکھ بھی ہوا' قریب ہی ٹیبل پر کھانے کے برتن رکھے تھے جو غالباً" بازار سے آیا تھا۔

"ارے میں تو آپ کے لیے کھانا لے کر آئی تھی۔"

بات شروع کرنے کی خاطر وہ جلدی سے بول اٹھی۔

"کیا ضرورت تھی کھانا لانے کی ہم تو کھا چکے۔" فرہاد کا لہجہ خاصا تلخ تھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ جانے سے پہلے بریانی بنا جانا مگر تمہارے نزدیک تو شاید میری کسی بات کی اہمیت ہی نہیں ہے۔"

انداز تلخ' ماتھے پر تیوری مگر لہجہ بالکل دھیما اسے جیسے کوئی نارمل بات کر رہا ہو' کبھی کبھی تو زینب کو حیرت ہوتی اتنے غصہ میں بھی فرہاد کا لہجہ اونچا نہ ہوتا' فرہاد کو دیکھ کر تو شاید کوئی اندازہ بھی نہ لگا سکتا ہو گا کہ اسے لڑنا جھگڑنا بھی آتا ہو گا۔

"بس قسمت کی بات ہے' ہم جیسوں کو دیکھو گھر میں کوئی سسرالی عزیز آجائے تو کیا مجال ہے' جو گھر چھوڑ کر کہیں جائیں پانچ پانچ نندیں بھگتاتی ہوں کبھی مل کر دیکھنا سب بھابی بھابی کی گردان کرتی ملیں گی جب آتی ہیں ایسی آؤ بھگت اور چاہت کرتی ہوں کہ انہیں اپنی ماں کی یاد بھی نہیں آتی پھر بھی دیکھ لو کوئی قدر نہیں۔"

آپا نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"میں نے تو آج تک بھی اس سے کوئی فرمائش نہیں کی جو ملا صبر شکر کر کے کھا لیا' بس آج غلطی سے بریانی کا کہہ دیا اگر جانتا تو وہ بھی نہ کہتا۔"

وہ کٹہرے میں کھڑی تھی۔ دونوں فریقین اپنی اپنی بولے جا رہے تھے اس کا دل نہ چاہا کسی بھی بات کا جواب دے جگنو کو بستر پر لٹا کر مریم کے کپڑے تبدیل کر دیے' آپا وہیں بستر پر بیٹھی کینو چھیل چھیل کر کھا رہی تھیں' زینب نے خاموشی سے اپنے کپڑے تبدیل کیے اور باہر رکھے صوفہ پر جا کر لیٹ گئی۔

"وقت انسان کو ایک موقع ضرور دیتا ہے اپنی تقدیر بدلنے کا۔"

ہاں یہ سالار ہی کی آواز تھی' وہ چونک اٹھی چاروں طرف دیکھا کوئی نہ تھا اس نے آنکھیں موند لیں' سالار اپنے پورے وجود سمیت اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

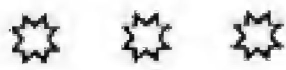
"کتنا کہا تھا زینب اس بے فیض شخص کو چھوڑ دو یہ کبھی تمہاری قدر نہیں کر سکتا مگر تم نے میری بات نہ مانی۔" وہ ابھی بھی ناراض تھا' زینب بے چین ہو اٹھی جھٹ سے آنکھیں کھول دیں' آنکھیں کھولتے ہی سالار اس سے دور ہو گیا وہ اٹھ بیٹھی دل چاہا زور زور سے روئے اپنی اس خواہش کو اس نے بمشکل قابو کیا۔

"جانے نازیہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

سالار کا خیال آتے ہی اسے نازیہ بھی یاد آگئی پچھلے کئی ماہ سے اس کی کوئی خیر خبر نہ ملی تھی۔

"فضا بھابھی کو ضرور پتا ہو گا۔ اب جس دن ملی ان سے ضرور پوچھوں گی" اپنے دماغ کو دوسری سمت لگاتے ہی وہ خاصی ریلیکس ہو گئی۔

کچھ دیر قبل والی ذہنی کوفت خود بخود کم ہو گئی، وہ دوبارہ سے صوفے پر لیٹ گئی اسے بہت نیند آرہی تھی مریم نے بھی صبح اسکول جانا تھا اسی لیے وہ وہیں لیٹے لیٹے سو گئی یہ جانے بنا کہ کب یاسمین اٹھیں اور دوسرے کمرے میں جا کر سوئیں فرہاد نے بھی اسے نہ جگایا صبح چھ بجے الارم کی آواز سے اس کی جو آنکھ کھلی تو خود کو صوفے پر پا کر ایک دم رات والی ساری بات یاد آگئی جس کے ساتھ ہی اس کا دل فرہاد کے خلاف بھر گیا۔



وہ کب سے فون کے سامنے بیٹھی اسے ہی گھورے جا رہی تھیں جو ایسے خاموش ہوا تھا جیسے دوبارہ کبھی بولے گا ہی نہیں، ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی جانتی تھیں سوائے ایک شخص کے اس نمبر پر کسی کا فون نہیں آسکتا پھر بھی یہ سوچ سوچ کر پریشان تھیں کہ جانے کون تھا؟ انہیں مسلسل بے چینی کے عالم میں انگلیاں چٹخاتے دیکھ کر شبانہ سے نہ رہا گیا۔

"آپ اتنا پریشان مت ہوں ان شاء اللہ ابھی فون آجائے گا۔"

"تم ایک دفعہ چیک تو کرو کہیں یہ فون ہی خراب نہ ہو گیا ہو اور میں ویسے ہی انتظار کرتی رہ جاؤں۔"

"نہیں فون تو بالکل ٹھیک ہے۔"

شبانہ نے ریسیور کان سے لگا کر چیک کرتے ہوئے اطلاع دی۔

"تم نے نام پوچھا تھا کون تھا؟" دل تصدیق چاہ رہا تھا۔

"آفتاب سے بات ہوئی تھی آپ یہ چائے لیں میں ابھی ان سے پوچھ کر آپ کو بتاتی ہوں۔"

شبانہ اندر کمرے کی جانب چل دی، خالہ تسبیح ہاتھ میں لیے وہیں کمرے میں بچھے تخت پر آن بیٹھیں، جب آفتاب کمرے سے باہر آیا۔

"میں نے نام تو نہیں پوچھا البتہ اتنا پتا ہے دوسری طرف کوئی خاتون تھیں جو آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھیں۔"

"خاتون...." انہوں نے بے یقینی کے عالم میں دہرایا۔

آفتاب کی طرف سے دی جانے والی یہ اطلاع ان کے لیے خاصی غیر متوقع تھی۔

"تم نے صحیح طرح سنا تھا کہ انہوں نے میرا ہی نام لیا تھا۔"

ضرور فون کسی اور کے لیے تھا، پہلی سوچ ان کے دماغ میں یہ ہی آئی۔

"جی آپا انہوں نے آپ کا نام لے کر کہا تھا کہ "آپ سے بات کروا دی جائے اور یہ بھی کہ میں کراچی سے بات کر رہی ہوں۔"

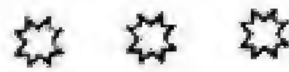
"اچھا...."

کسی خیال میں گم انہوں نے چائے کا ٹھنڈا یخ کپ لبوں سے لگا لیا اور ساری چائے کا ٹھنڈا یخ کپ لبوں سے لگا لیا اور ساری چائے ایک ہی سانس میں پی گئیں۔

"اچھا میں چلتی ہوں اب فون آئے تو نام ضرور پوچھ لینا۔" کپ واپس ٹرے میں رکھتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جی اب تو میں نام پوچھ کر ہی آپ کو بلواؤں گی۔"

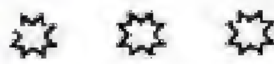
شبانہ نے انہیں یقین دہانی کرائی اور وہ بیرونی دروازے کا پردہ ہٹا کر اپنے گھر جانے والے رستہ پر چل دیں' یہاں آتے ہوئے ان کے قدموں میں جو روانی اور چستی تھی وہ کہیں کھو گئی تھی اب تو صرف ایک تھکن تھی جس نے ان کے پورے وجود کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔



وہ آئی اس نے دیکھا اور فتح کر لیا حبیبہ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا تھا وہ شاہ زین کے حواسوں پر بری طرح سوار ہو چکی تھی کئی بار تو اسے ایسا محسوس ہوتا کہ اگر اس کی زندگی سے حبیبہ کو نکال دیا جائے تو شاید کچھ بھی باقی نہ بچے گا وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ ان کے آفس میں جاب کرتی ہے شاید وہ بہترین انٹیریر ڈیزائنر ہونے کے ساتھ ساتھ بیچلر ان بزنس کی ڈگری بھی رکھتی تھی خوب صورت' پروقار اور بااعتماد لڑکی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نہایت ہی قابل' فرض شناس اور ذمہ دار ورکر بن گئی مگر یہ وہ تمام خوبیاں نہیں تھیں جن کے سہارے زندگی کے اتنے بڑے فیصلے ہو سکتے ان فیصلوں کے لیے تو اس کا فیملی بیک گراؤنڈ اہمیت رکھتا تھا۔

وہ کون تھی یا کس کی بیٹی تھی؟ یہ وہ سوال تھے جن کا جواب جانے بنا وہ اپنی مما سے کوئی بات نہیں کر سکتا تھا وہ کسی اپر کلاس فیملی سے تعلق رکھتی تھی یا لوئر کلاس گھرانے سے اس کا تعلق تھا شاہ زین کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا صرف اپنے مما' پاپا کو حبیبہ کے گھر والوں سے ملوانا ضروری اور رسمی تھا جس کے لیے پہلے حبیبہ سے بات کرنی لازمی تھی اور آج اتنے ماہ گزر جانے کے بعد بھی وہ خود میں اتنی ہمت نہ پا رہا تھا کہ حبیبہ سے یہ سب پوچھ سکتا بہرحال اب جو بھی تھا اسے کوئی فیصلہ کرنا تھا' اسے جلد ہی حبیبہ سے بات کرنی تھی مبادا کہیں کوئی اور درمیان میں آکر اس معاملے کو خراب نہ کرے۔

یہ سب سوچتے ہوئے شاہ زین نے اپنے سامنے رکھے لیپ ٹاپ کو آن کر دیا جس کی اسکرین پر بالکل سامنے حبیبہ کی بڑی سی تصویر جگمگا رہی تھی' وہ خود بخود مسکرا دیا' لیپ ٹاپ اپنے قریب کرتا ہوا وہ اس کے حسن میں اتنا محو ہوا کہ آس پاس سب کچھ فراموش کر دیا۔



"ارے تو کیا سالار نے تمہیں اتنے ماہ میں ایک بار بھی فون نہیں کیا مطلب یہ کہ اس نے تمہیں نازیہ کے آپریشن کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"

فضہ بھابھی نے حیرت سے اس کا بھرپور جائزہ لیا' جواباً" وہ خاموش رہی اس بات کا وہ کیا جواب دیتی۔

"بہرحال اب تو وہ خاصی بہتر ہے اور صباحت بتا رہی تھی کہ شاید ایک دو ماہ میں سالار یہاں آئے گا اپنی تمام پراپرٹی بیچنے وہ دبئی شفٹ ہو رہا ہے۔" انہوں نے ایک نیا انکشاف کیا۔

"اچھا۔"

اس سے زیادہ اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا' فضہ بھابھی نے ایک نظر اس کے ستے ہوئے چہرے پر ڈالی۔

"کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"جی ٹھیک ہوں آپ کے پاس اگر نازیہ کا کوئی نمبر ہو تو دے دیں میں فون کر کے اسے صحت یابی کی مبارک باد ہی دے دوں۔"

میرے پاس تو نہیں ہے البتہ اسفند کے پاس سالار کا نمبر ضرور ہوگا اگر مل گیا تو ٹھیک ہے ورنہ تم ایسا کرنا صباحت سے کہنا وہ دے دے گی۔"

"جی ٹھیک ہے میں صباحت بھابھی سے ہی لے لوں گی۔"

پچھتاوے نے اسے ایک بار پھر گھیر لیا اسے محسوس ہوا جیسے اب وہ کبھی سالار کو نہ دیکھ سکے گی وہ اس سے کبھی نہیں ملے گا کاش اس نے سالار کی بات مان لی ہوتی۔

"اماں مجھے کھانا دو۔"

جگنو نے اس کا دوپٹا کھینچ کر اپنی جانب متوجہ کیا۔ وہ یکدم چونک اٹھی بیٹی کے چہرے پر پڑنے والی نظر نے اسے اندر تک آسودہ کر دیا ہلکا سا پچھتاوا جو دل میں جگہ بنانے چلا تھا یکدم ہی اڑن چھو ہو گیا۔

"آپ بیٹھیں بھابھی میں اسے کھانے کے لیے کچھ دوں۔" وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں بس میں بھی اب چلوں گی پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔"

اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اللہ حافظ میری صباحت سے بات ہوئی تو تمہیں نازیہ کا نمبر لے دوں گی۔"

زینب سے ملنے کے بعد وہ گھر کی دہلیز پار کر گئیں اور وہ جلدی سے کچن میں آ گئی تاکہ جگنو کے لیے کچھ ایسا تیار کرے جسے کھا کر وہ خوش ہو جائے اس کے دل میں سوائے جگنو کی محبت کے کوئی دوسرا خیال باقی نہیں رہا تھا۔

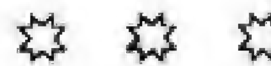


وہ اپنی آنکھ کے آنسوؤں کا قطرہ قطرہ بہا دینا چاہتی تھی اسے جتنا رونا تھا بس آج ہی رو لینا تھا آج کے بعد کبھی نہیں ایشال کے تصور کے ساتھ اس کی کوئی یاد وابستہ نہ تھی ماسوائے اس رشتے کے جوان دو اجنبی اور انجان لوگوں کے درمیان چھوڑ دیا گیا تھا اس نے اتنے سالوں میں کبھی ایشال کی کوئی تصویر بھی نہ دیکھی تھی صرف ایشال کا ہلکا سادہ سراپا جو اس شام کے حوالے سے اس کے ذہن میں موجود تھا آج وہ بھی کھرچ کر نکال دیا۔

وہ ایشال نامی شخص کو بھول جانا چاہتی تھی جس نے اس کی کوئی قدر نہیں کی کاش وہ ایک کزن ہونے کے ناطے ہی زندگی میں ایک بار اس سے آ کر ملتا تو سہی اسے اپنی اور اریشہ کی محبت سے آگاہ کرتا تو وہ یقیناً" اس کا ضرور ساتھ دیتی خود ملک انکل سے اس کی سفارش کرتی مگر اب اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جسے ایشال کے نزدیک وہ ایک کم تر درجے کی حیثیت رکھتی تھی شاید اپنی ماں کی طرح وہ بھی اس سے صرف اس لیے نفرت کرتا تھا کہ ان کے نزدیک اس کی ماں ایک بد کردار عورت تھی وقت نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ۔

"عورت ایک حسین شیشے کا مجسمہ ہوتی ہے جس پر پڑنے والے پتھر سے آنے والی معمولی سی دراڑ اسے وہ بد صورتی عطا کر دیتی ہے جو تا عمر ختم نہیں ہوتی حتی کہ وہ عورت ختم ہو جاتی ہے۔"

اسے اپنے آپ کو بہت سنبھال کر چلنا تھا تاکہ دنیا کو بتا سکے کہ اس کی تربیت کرنے والی عورت دنیا کی عظیم ترین عورتوں میں سے ایک تھی ہاں اسے اپنی ماں پر فخر تھا وہ ساری زندگی ایشال کے نام پر صرف اس لیے گزار دینا چاہتی تھی کہ اپنی ماں کے دامن پر لگا ماضی کا داغ دھو سکے اسے امید تھی کہ وہ اس عمل میں ضرور کامیاب ہو گی اور جلد ہی دنیا پر ثابت کر دے گی کہ اس کی ماں اتنی گناہ گار نہ تھی جتنا لوگوں نے اسے بدنام کر دیا۔



"ارے ارے دیکھ کر گر جاؤ گی۔"

اس سے قبل کہ وہ سیڑھیوں سے پھسل جاتی شاہ زین نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیا۔

"جن کے ساتھ تمہارے جیسے مخلص دوست ہوں وہ لوگ کبھی پھسل کر نہیں گرتے۔"

"تھینک گاڈ تم نے مجھے اپنا دوست تو مانا۔" وہ شرارتاً" ہنس دی۔

شاہ زین نے اس کا بازو اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔

"دوست مانتی ہوں اسی لیے تو آج تم نے مجھے گرنے سے بچانے کی ہمت کی ورنہ ایک انجان لڑکی کو اس طرح سنبھالنے سے قبل کتنی بار سوچنا پڑتا کہ کہیں اگلی بندی غلط ہی نہ سمجھ لے۔" وہ خاصے خوشگوار موڈ میں تھی۔

"ہاں یہ بھی درست ہے۔" وہ فوراً" ہی مان گیا۔

"ویسے تم اس وقت جا کہاں رہی ہو؟"

شاہ زین اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے اس کے ساتھ ہی چلنے لگا۔

"یونیورسٹی' دراصل آج میری کلاس دو بجے تھی اس لیے میں نے سر سے کل ہی ہاف لیو لے لی تھی۔"

"میں اسی طرف جا رہا ہوں' آجاؤ تمہیں بھی چھوڑ دوں۔" شاہ زین کی آفر بری نہ تھی۔

"شیور اگر زحمت نہ ہو تو۔"

اپنے سلکی بالوں کو اس نے اک ادا سے پیچھے کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہارے کسی کام سے مجھے زحمت کبھی نہیں ہو سکتی۔"

شاہ زین نے رک کر اس کے خوب صورت چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

"بلکہ مجھے تو اس وقت بہت اچھا لگتا ہے جب میں تمہارا کوئی کام کروں۔"

"اچھا پھر تو مجھے اپنے سارے کام تم سے ہی کروانے چاہئیں۔"

حبیبہ ہنس دی' مدھر گھنٹیوں کی آواز جن کا سحر ہمیشہ سے شاہ زین کو اپنی گرفت میں لے لیا کرتا تھا' وہ بنا جواب دیے چپ چاپ اس کے ساتھ چلنے لگا دیگر باتوں کی طرح اسے ہمیشہ حبیبہ کی سنگت بھی بہت اچھی لگتی تھی۔



سالار جیسے ہی گھر میں داخل ہوا' چاروں طرف پھیلی خاموشی سے یک دم ہی ہول اٹھا جلدی سے آگے بڑھا' ناب گھما کر اپنے بیڈ روم کا دروازہ کھولا' چاروں طرف گھپ اندھیرا طاری تھا' دروازے کے پیچھے ہاتھ ڈال کر لائٹ آن کی' سفید روشنی ہر طرف پھیل گئی۔

"نازیہ۔۔۔ نازیہ۔"

آگے بڑھ کر اس نے نازیہ کے منہ سے کمبل ہٹایا۔

"ارے آپ کب آئے۔"

گہری نیند سے بے دار ہونے کے باوجود' اسے اپنے سامنے دیکھ کر نازیہ کے چہرے پر ایک سکون سا چھا گیا۔ وہ کہنیاں بیڈ سے ٹکا کر اٹھ بیٹھی۔

"ابھی ابھی آیا ہوں۔" سالار نے اس کے پیچھے رکھا تکیہ درست کیا۔

"مالتی کہاں ہے؟"

مالتی نازیہ کی نرس کا نام تھا۔

"آج اس کے بچے کی طبیعت خراب تھی بس ابھی کچھ دیر قبل ہی نکلی ہے گھر جانے کے لیے' میں نے خود اسے چھٹی دی ہے۔"

میرے آنے کے بعد چھٹی دے دیتیں' جانتی ہو ابھی جب میں گھر آیا تو ہر طرف پھیلے سناٹے سے میرا دل ہول اٹھا تھا اتنی خاموشی جیسے گھر نہیں کوئی قبرستان ہو' کم از کم ٹی وی ہی چلا کر رکھا کرو اس کی آواز سے بھی گھر میں زندگی محسوس ہونے لگتی ہے۔"

نازیہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی گئی۔ جہاں ایک عجیب سا تاثر پھیلا ہوا تھا بے بسی اور تنہائی کی کیفیت نے سالار کو اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا یا شاید نازیہ کو ایسا محسوس ہوا۔

"تم نے مالتی سے کہنا تھا کل جب آئے اپنے بچے کو بھی ساتھ ہی لے آئے' یہاں کون ہے جس نے اسے تنگ کرنا ہے۔"

سالار نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا الماری سے اپنے کپڑے نکالے' باتھ روم کی طرف بڑھا ہی تھا کہ نازیہ نے آواز دے کر روک لیا۔

"سالار مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"میں فریش ہو کر آتا ہوں۔"

سالار جواب دے کر واش روم کی طرف بڑھ گیا وہ جو کہہ رہا تھا سب سچ تھا' گھر میں پھیلی خاموشی اب نازیہ کو بھی ڈسنے لگی تھی پاکستان میں کم از کم یہ سہولت تو تھی کہ بروقت کوئی نہ کوئی آیا رہتا مگر یہاں تو سوائے ویک اینڈ کے کبھی کوئی نہ آتا تھا' نازیہ کی والدہ ایک ہفتہ ان کے گھر رہ کر واپس گئی تھیں' ان کا گھر نازیہ کے اپارٹمنٹ سے تقریباً" ایک گھنٹہ کی مسافت پر تھا لہٰذا اب اگلے ہفتہ سے قبل ان کا آنا ناممکن تھا ایسے میں سارا دن گھر میں اکیلے رہنا نازیہ کو بھی مزید بیمار کر رہا تھا وہ پاکستان واپس جانا چاہتی تھی جو فی الحال ناممکن تھا' کیونکہ ابھی اس کا علاج جاری تھا۔

"کیا کہہ رہی تھیں تم۔" سالار نے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنائے اور نازیہ کے قریب آن بیٹھا جو جانے کن خیالوں میں گم تھی۔

"نازیہ۔"

اس نے نازیہ کا ہاتھ تھام کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

آں ہاں وہ بری طرح چونکی۔

"تم مجھ سے کچھ کہہ رہی تھیں۔"

"ایک بات کہوں سالار ناراض مت ہونا۔"

"ہاں بولو کیا کہنا ہے۔"

"سالار تم جانتے ہو نا مجھے شروع سے بچے بہت اچھے لگتے ہیں' میں نے جب بھی تم سے یہ بات کی تم نے ہمیشہ مجھے جھٹلا دیا اور کہا کہ تمہیں کبھی یہ کمی محسوس نہیں ہوئی میں صحیح کہہ رہی ہوں نا سالار۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکی' سالار خاموشی سے سب سن رہا تھا۔

"ہاں...." وہ دھیرے سے بولا۔

"لیکن سالار اب مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے تم بھی گھر کی اس تنہائی سے تھک گئے ہو۔"

سالار ابھی بھی خاموش رہا جانے کیوں وہ آج نازیہ کی کسی بھی بات کو جھٹلانا نہ چاہتا تھا۔

"اس لیے میں نے تم سے کہا تھا کہ دوسری شادی کر لو۔" وہ بے بسی سے بولی' نمی اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔

"تمہارے سوا کسی دوسری عورت کا ساتھ میرا مقدر نہیں۔"

دل و دماغ پر چھائے زینب کے تصور کو جھٹکتے ہوئے اس نے نازیہ کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھام لیے۔

"میں اس گھر کی تنہائی میں تمہارے ساتھ خوش ہوں۔" چاہ کر بھی وہ اپنے لہجہ میں سچائی پیدا نہ کر سکا۔

"لیکن میں خوش نہیں ہوئی سالار۔" نازیہ روہانسی ہو گئی۔

"مجھے ایک بچہ لا دو سالار کسی سے بھی مانگ کر۔"

"مانگ کر۔"

نازیہ کے الفاظ سالار کو حیران کر گئے۔

"ہاں سالار مجھے بچہ چاہیے مجھے ایک بچہ ایڈاپٹ کرنا ہے' بس سالار اب میں اس طرح زندگی نہیں گزار سکتی دنیا میں کئی لوگ ہمارے جیسے ہیں جن کی اپنی اولاد نہیں ہوتی مگر وہ دوسروں کے بچوں کو اپنا کر اپنی زندگی کو رنگین بنا لیتے ہیں تم میری بات سمجھ رہے ہو نا۔"

سالار کی خاموشی محسوس کر کے وہ ذرا سا رک گئی۔

"اس لیے بہتر ہے سالار ہم بھی ایک بچہ ایڈاپٹ کرلیں اور پھر اپنی زندگی اس کے سہارے گزار دیں یقین جانو بچہ کسی کا بھی ہو اپنا سمجھ کر پالو تو اپنا ہی ہو جاتا ہے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے مگر ہمیں یہاں اس پردیس میں کون اپنا بچہ دے گا ہمارے تمام بہن بھائیوں کے بچے تو اچھے خاصے ہوش مند ہیں ہر کوشش کے باوجود وہ ہمیں کبھی اپنے ماں باپ کا درجہ نہیں دے سکیں گے۔"

سالار نے اسے سمجھایا تاکہ وہ اس جذباتی کیفیت سے باہر نکل سکے جس میں کچھ دیر قبل تک سالار بھی کھویا ہوا تھا۔

"ویسے بھی لے پالک بچوں کی ولدیت کو تبدیل کرنا قرآن کی رو سے ناجائز ہے ایسے میں ہم کس طرح کوئی بچہ پال سکتے ہیں۔"

"ایک بات کہوں سالار۔" وہ سالار کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں کہو یار اب کیا کہنا ہے۔"

"تم پاکستان جا رہے ہو نا۔"

"ارادہ تو ہے تاکہ کاروبار دبئی شفٹ کر سکوں۔"

"تو بس پھر ٹھیک ہے تم وہاں جانے سے قبل میری زینب سے بات کروا دو۔"

"کیوں خیریت آج تمہیں زینب کیسے یاد آگئی۔"

"میں اسے کہوں گی وہ ہمیں اپنی جگنو دے دے اور وہ مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے۔" سالار اس کی بچکانہ بات سن کر ہنس دیا۔

"تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ تمہارے کہنے پر وہ تمہیں اپنی بیٹی دے دے گی ان بچیوں کے لیے تو وہ فرہاد جیسے شخص کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے پر مجبور ہے ورنہ جانے کب کا اسے چھوڑ چکی ہوتی۔"

"مجھے یقین ہے وہ میری بات کبھی نہیں ٹالے گی۔" نازیہ بضد ہو گئی۔

"پہلی بات تو یہ کہ بچی صرف زینب کی نہیں ہے اور فرہاد بھی کبھی اپنی بیٹی اس طرح ہمیں نہیں دے گا بالفرض اگر اس نے دے بھی دی تو سوچو وہ تین' چار سالہ بچی جو ایک پل کے لیے بھی اپنی ماں کو خود سے دور نہیں ہونے دیتی یہاں آکر کس طرح رہ پائے گی۔"

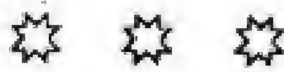
اس نے نازیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سمجھایا۔

وہ خاموش ہو گئی۔

"چلو تھوڑی سی ہمت کرو آج کھانا باہر کھاتے ہیں۔"

سالار قریب رکھی وہیل چیئر گھسیٹ لایا' فی الحال نازیہ زیادہ دیر تک چل نہیں سکتی تھی۔ ان کے اپارٹمنٹ سے کچھ دور مین روڈ پر ایک پاکستانی ریسٹورینٹ تھا جہاں وہ دونوں اکثر کھانا کھانے جایا کرتے' ریسٹورینٹ چونکہ واکنگ ڈسٹینٹ پر تھا للذا سالار نازیہ کو وہیل چیئر پر ہی اپنے ساتھ لے جایا کرتا۔

"تم وہیل چیئر ہٹادو میں آج پیدل ہی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔" وہ آہستہ آہستہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
جب تک ڈاکٹر تمہیں واک کرنے کی اجازت نہیں دیتے تمہیں اس وہیل چیئر پر ہی سفر کرنا ہو گا لہٰذا بیٹھ جاؤ۔"
سالار نے آفس کا پیدل چلنے والا آئیڈیا قطعی رد کر دیا نازیہ نے خاموشی سے کھڑے ہو کر شیشے میں اپنا مکمل جائزہ لیا' سر کے بال درست کیے اور سالار کے قریب آن کھڑی ہوئی۔
"چلو تم وہیل چیئر لے لو جتنا میں چل سکی بنا تھکے چل لوں گی جب تھک گئی تو تم میرا بوجھ اٹھالینا۔"
اوکے۔
سالار مان گیا' دونوں آہستہ آہستہ چلتے لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔



"تمہیں ایک بات بتاؤں۔"
ارم اسکول میں اس کے ڈیسک پر بیٹھتے ہوئے نہایت ہی رازدارانہ انداز میں بولی اس کی آواز اور لہجہ دونوں ہی اس قدر مدھم تھے کہ سوائے اس کے کوئی دوسرا نہ سن سکتا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔
"خیریت تو ہے کیا ہو گیا۔" ارم کے انداز گفتگو نے اسے تھوڑا سا پریشان کر دیا۔
"پہلے وعدہ کرو تم کسی کو بتاؤ گی نہیں۔"
"جلدی بتاؤ ارم کیا ہو گا کیوں اس قدر سسپنس پھیلا رہی ہو۔"
وہ جلد از جلد جاننا چاہتی تھی کہ ایسا کیا ہو گیا جو ارم اس قدر پریشان ہے۔
"ارم نے یہاں وہاں دیکھا کہیں کوئی ان کی طرف متوجہ تو نہیں۔"
"بی سیکشن کی روما کو جانتی ہو نا روما وحید صائمہ آنٹی کی بیٹی۔" اس نے ارم کی جانب دیکھا۔
"ارے وہ ہی صائمہ آنٹی جن کے کپڑے تمہاری امی سیتی ہیں۔"
"ہاں ہاں میں روما کو جانتی ہوں تم آگے بتاؤ ایسا کیا ہو گیا جو تم اتنی دیر سے مسلسل سسپنس پھیلا رہی ہو۔" وہ جھنجلا اٹھی۔
"یار وہ کل شام سے غائب ہے۔" ارم مزید اس کے قریب ہو گئی۔
"غائب ہے۔۔۔" اس نے حیرت سے دہرایا۔
"میں تمہاری بات نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔"
"یار روما کل چار بجے ٹیوشن پڑھنے گئی اور پھر واپس نہیں آئی' آنٹی آٹھ بجے کے قریب مجھ سے پوچھنے آئی تھیں کیونکہ وہ میری ہی اکیڈمی آتی ہے ٹیوشن پڑھنے۔"
"اچھا پھر۔"
"پھر یہ کہ میں نے تو اسے کل دیکھا ہی نہیں جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ کل اکیڈمی آئی ہی نہیں۔"
"پھر کہاں گئی؟" ارم کی وضاحت نے اسے حیران کر دیا۔
"یہ ہی تو نہیں پتا آنٹی اور انکل اس قدر پریشان ہیں کہ کیا بتاؤں رات میں امی کے ساتھ گئی تھی تو انکل نے منع کیا کہ فی الحال ہم روما کی گم شدگی سے متعلق محلے میں کسی سے ذکر نہ کریں۔"
"ہو سکتا ہے وہ کسی بات پر ناراض ہو کر اپنے کسی رشتہ دار کے گھر چلی گئی ہو تاکہ اس طرح اپنی ماں کو پریشان کر سکے۔"

"نہیں اگر ایسا ہوتا تو اس کے گھر والے اتنے پریشان نہ ہوتے ویسے بھی انہوں نے رات تک اپنے تمام رشتے داروں کے گھر تو یقیناً" دیکھ ہی لیا ہوگا۔"

ارم کی بات خاصی حد تک درست تھی۔

"تو پھر تمہارے خیال میں وہ کہاں گئی۔"

روما کی اس طرح گمشدگی نے اسے بھی تشویش میں مبتلا کردیا۔

"تم شوکے کے دوست رضا کو جانتی ہو۔"

"نہیں میں سوائے اس منحوس انسان کے اور کسی کو نہیں جانتی۔"

"تم نے اسے دیکھا ضرور ہوگا' سوکھا لمبا سا' اکثر ہی شوکے کے ساتھ ہوتا ہے۔"

"پتا نہیں میں نے دھیان نہیں دیا۔"

"اس کی روما سے دوستی تھی وہ ہماری اکیڈمی میں ٹیوشن پڑھنے بھی آتا تھا میں نے وہاں بھی ایک دوبار دیکھا روما کو اس سے بات کرتے ہوئے تو مجھے خاصی حیرت ہوئی پھر میں نے روما کو ڈھکے چھپے لفظوں میں منع بھی کیا کہ وہ اس لڑکے سے دور رہے تو اچھا ہوگا مگر میری یہ بات اس نے سن کر اڑا دی۔"

دیگر باتوں کی طرح یہ بھی اس کے لیے ایک نیا انکشاف تھا۔

"اور جب میں نے اگلے دن ان دونوں کو پھر اکٹھے دیکھا تو خاموش ہوگئی اور دوبارہ روما سے اس ٹاپک پر بات نہیں کی۔"

"اوہ تو تمہارے خیال میں...." اپنی بات اس نے جان بوجھ کر ادھوری چھوڑ دی۔

"ہاں یقیناً" روما کی گمشدگی میں اسی خبیث کا ہاتھ ہے۔"

"تو یہ بات تم صائمہ آنٹی کو بتادو۔"

"نہیں مجھے امی نے سختی سے منع کیا ہے تم تو شوکے اور اس کے دوستوں کی بدمعاشی سے واقف ہو۔" ارم یک دم خوف زدہ ہوگئی۔

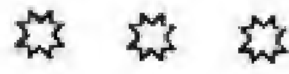
"ایسا نہ ہو کہ بلاوجہ مجھے نقصان پہنچائیں۔"

"چلو اللہ کرے وہ خیر خیریت سے اپنے گھر آجائے۔"

دونوں نے دل کی گہرائیوں سے یہ دعا کی جس کے قبولیت کی گھڑی شاید گزر چکی تھی' اسی شام دو گلیاں آگے موجود ایک باڑے سے ملنے والی کسی لڑکی کی تشدد زدہ لاش نے پورے محلے میں تہلکہ مچا دیا بنا جانے ہی اسے یہ محسوس ہوا کہ لاش یقیناً" روما کی ہے' جو کل شام سے غائب تھی' رات تک اس بات کی تصدیق بھی ہوگئی روما کی اس طرح کی موت نے پورے محلے میں ایک کہرام برپا کردیا اس واقعہ کے خوف نے پورے محلے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جانے کیوں اسے اور ارم کو ایسا لگتا جیسے روما کے ہولناک قتل میں شوکا اور اس کا دوست رضا ملوث ہیں مگر یہ ایک ایسی بات تھی جو وہ کبھی کسی سے کہہ نہ سکتی تھیں ارم تو ذہنی طور پر اس قدر اپ سیٹ ہوئی کہ اگلے کئی دنوں تک اسکول بھی نہ آئی' کبھی کبھی اس کا دل چاہتا وہ آنٹی صائمہ کو روما اور رضا کی دوستی سے آگاہ کردے مگر وہ خود شوکے سے اتنا ڈرتی تھی کہ شاید مرتے دم تک یہ بات منہ سے نہ نکال پاتی۔

کبھی کبھی اسے ایسا بھی لگتا جیسے ارم اور اس کے علاوہ اماں کو بھی شوکے پر شک ہے اس نے کئی بار اپنی ماں کی آنکھوں میں جھانکتی خوف کی پرچھائیاں صاف محسوس کیں ماں اسے اسکول خود چھوڑنے جانے لگی تھیں اور جب وہ اسکول سے واپس آتی تو اماں دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی ملتیں اسے ذرا سی بھی دیر ہوجاتی تو اماں گلی کی نکڑ تک آجاتیں یہ تمام باتیں اتنا سمجھانے کے لیے کافی تھیں کہ اماں شوکت اور اس کے دوستوں سے ڈر گئی ہیں اور

ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کا یہ خوف بڑھتا ہی جا رہا تھا جس کا اندازہ اسے بخوبی ہو چکا تھا۔



"یہ جگنو کتنے سال کی ہو گئی ہے۔"

یاسمین آپا نے چائے کا سپ لیتے ہوئے اک نظر جگنو پر ڈالی جو قریب ہی بیٹھی اپنے کھیل میں مگن تھی بظاہر ان کا انداز خاصا سرسری سا تھا۔

"اگلے ماہ کی پندرہ کو پورے چار سال کی ہو جائے گی سوچ رہی ہوں اسے بھی اسکول داخل کروا دوں۔" زینب نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"تو تم کیا کوئی دوائی وغیرہ لے رہی ہو یا کوئی اور مسئلہ ہے۔"

"کس بات کی دوا۔" زینب ان کی بات کی گہرائی تک نہ پہنچ پائی۔

"بیٹی والی ماں کو تو بڑی خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جلد ہی بیٹے کی نعمت سے بھی نوازے۔" وہ تمہید باندھتے ہوئے بولیں۔

"مگر تم تو شاید دو بیٹیوں پر ہی قناعت کیے بیٹھی ہو ورنہ اب تک تو ایک بیٹا ہو جانا چاہیے تھا۔" اب وہ کھل کر اپنے مدعا کی جانب آگئیں۔

"بیٹی ہو یا بیٹا یہ تو اللہ کی جانب سے ہے ضروری نہیں کہ تیسری دفعہ مجھے بیٹا ہی ہو۔"

اپنی ذاتیات میں آپا کی اس قدر دخل اندازی اسے ذرا نہ بھائی۔

"ویسے بھی یہ قطعی طور پر میرا اپنا ذاتی مسئلہ ہے اور مجھے نہیں اچھا لگتا کوئی بلاوجہ اس مسئلے کی ٹوہ لے۔" ہلکا سا غصہ اس کے لہجہ میں در آیا۔

"ایک تو تم ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہو جاتی ہو اور پھر یہ بھی بھول جاتی ہو کہ بات کس سے کر رہی ہو۔" آپا کو زینب کا جواب دینا بالکل پسند نہ آیا۔

"اب صباحت ہی کو لے لو پہلے بھی ماشاء اللہ دو بیٹے ہیں اور پھر سے اگلے ماہ وہ ایک بار پھر ماں کے عہدے پر فائز ہونے والی ہے۔"

"ضروری تو نہیں جو کام وہ کریں وہ مجھ پر بھی فرض ہو جائے۔" وہ تلخ ہو گئی۔

کچھ دن قبل والا غصہ شاید ابھی بھی زینب کے دل میں کہیں موجود تھا ورنہ عام طور پر وہ کبھی اس طرح بات نہ کیا کرتی تھی۔

"میں نے تو ایسے ہی سرسری سا ذکر کیا تھا تم نے جانے کیوں اتنا غصے میں آگئی بس ایک دلی خواہش تھی کہ جیسے دوسرے دونوں بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے بیٹے دیے ہیں فرہاد کو بھی اس نعمت سے نوازے اور اس میں کوئی ایسی برائی والی بات نہ تھی کہ تم مجھے اس قدر لتاڑنے لگو۔"

وہ برا مناتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں سامان پیک کر رہی ہوں تم بھابھی کو فون کر دو وہ ڈرائیور بھیج دیں مجھے ان کے گھر واپس جانا ہے۔ چار دن نند کو برداشت کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔" ان کی شکل دیکھ کر بھی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ کس قدر غصہ میں ہیں' زینب کو تاسف نے آگھیرا۔

"کیا ضرورت تھی بلاوجہ ان سے اتنی بحث کرنے کی اب پتا نہیں اس ساری گفتگو کو فرہاد کے سامنے کس طرح پیش کریں چلو اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

دل ہی دل میں یہ سب سوچتی وہ فون کی جانب بڑھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)



نفیسہ سعید

ایسا کب ہے زندگی

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال اپنی کزن عریشہ میں دلچسپی رکھتا ہے اور سن بلوغت تک پہنچتے ہی وہ اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے' ملک صاحب ہار مانتے ہوئے اس کی دوسری شادی عریشہ سے کر دیتے ہیں۔ جس کی شرط صرف اتنی ہے کہ وہ اپنی پہلی منکوحہ کو طلاق نہیں دے گا۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کراچی آئی ہے جہاں وہ شاہ زین کے والد کے آفس میں جاب کرنے لگتی ہے۔ جس دوران شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے' مگر حبیبہ کا رد عمل اس معاملے میں خاصا عجیب و غریب ہے وہ شاہ زین کو اپنا دوست تو مانتی ہے' مگر اس کی محبت کا مثبت جواب نہیں دے پاتی۔

فرہاد تین بھائی ہیں اس کے دونوں بڑے بھائی معاشی طور پر مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی' بچوں کی ضروریات بھی کھلے دل سے پوری کرتے ہیں جبکہ فرہاد اس معاملے میں خاصا کنجوس ہے یہ ہی سبب اس کی بیوی زینب کو فرہاد سے بد ظن کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔

فضا' زینب کی جٹھانی ہے۔ جو اس کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہے اور اپنی اس حسد کا اظہار وہ اکثر و بیشتر اپنے رویہ سے کرتی رہتی ہے۔ سالار' صباحت کا کزن ہے۔ جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زینب کو پسند کرنے لگتا ہے' اسی لیے وہ بہانے بہانے اسے قیمتی تحائف سے بھی نوازتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

دسویں قسط





اب کی بار جو اماں کی طبیعت خراب ہوئی تو سنبھلنے میں ہی نہ آئی بخار کی شدت کم ضرور ہوتی مگر ختم نہ ہوتا' کبھی کبھی تو اسے لگتا جیسے ماں کے اندر کوئی ایسا روگ پل رہا ہے جو اسے گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے جو بھی تھا اس کے لیے ماں کی زندگی بہت اہمیت رکھتی تھی یہ ہی تو اس کا ایک واحد سہارا تھا جس نے اسے تحفظ کا احساس دے رکھا تھا خدانا خواستہ یہ سہارا اس سے چھین جاتا تو وہ کہیں کی نہ رہتی۔

ماں کی لحہ لحہ بڑھتی بیماری اسے تشویش میں مبتلا کر رہی تھی کراچی سے آنے والے فون کے بعد وہ بہت پرامید تھی' اسے محسوس ہونے لگا جیسے اس کی پریشانیوں کے دن ختم ہونے والے ہیں' مگر اس کی یہ امید بھی گزرتے وقت کے ساتھ دم توڑ گئی' اس فون کے بعد دوبارہ نہ تو کوئی فون آیا اور نہ ہی اماں نے خود کسی کو فون کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

اکثر اس کا دل چاہتا وہ ماں سے پوچھے کہ وہ کون سے حالات تھے جس کے تحت تنہائی کی زندگی اس کا مقدر بن گئی۔

اسے لگتا ماں اس سے بہت کچھ چھپا رہی ہے وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس کا ماضی کیا ہے وقت اور حالات نے اسے بہت سمجھ دار بنا دیا تھا' وہ سمجھ چکی تھی کہ اپنے بارے میں ہر بات جاننا اب اس کے لیے بہت ضروری ہو گیا ہے' اسے انتظار تھا کہ اماں کی طبیعت جیسے ہی کچھ سنبھلے وہ اماں سے پوچھے کہ ٹرنک میں رکھے اس چھوٹے سے باکس میں ایسا کیا ہے جو ماں اسے ہمیشہ تالا لگا کر رکھتی ہے۔ شاید اس باکس میں کوئی ایسا راز تھا جو اماں کے ماضی سے جڑا تھا' اب یہ راز اس کے لیے جاننا اشد ضروری تھا' اماں سے بات کس طرح شروع کی جائے وہ اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھی' جب فاطمہ خالہ اماں کو اسپتال سے دوا دلا کر گھر واپس لائیں۔

"بیٹا اپنی ماں کے لیے کچھ کھانے کو لاؤ پھر میں اسے دوائی پلاؤں۔" اسے ہدایت دے کر وہ واپس اندر کمرے میں چلی گئیں' اس نے اماں کے لیے تیار کیا ہوا دلیہ پیالی میں نکالا اور اندر آ گئی۔

"بیٹا آفتاب کراچی جا رہا ہے میں نے اسے نمبر دے دیا ہے وہ ان شاء اللہ وہاں جا کر انہیں ضرور ڈھونڈ لے گا اور مجھے امید ہے تمہارا حال سن کر وہ ضرور اپنا غصہ بھول کر تم سے ملنے آئیں گے۔"

خالہ نے اماں کا ہاتھ پیار سے تھپتھپایا۔

"ویسے تو آفتاب تمہارے بھائی کے ایک دوست کو بھی جانتا ہے میں نے کہا تھا کہ وہاں جا کر تمہارے بھائی کی معلومات لے اگر کوئی اتہ پتہ ہے تو اسے بھی ایک خط لکھ دے۔"

"نہیں خالہ میں ان لوگوں کو اپنی بیماری کی اطلاع نہیں دینا چاہتی۔"

اماں نے خالہ کو فوراً" سے بیشتر منع کر دیا۔

"میرے بہن بھائیوں کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ ہمیشہ سے جانتے تھے کہ میں کہاں اور کس حال میں ہوں مگر اللہ بھلا کرے ان لوگوں کا ایسا تعلق ختم کیا کہ کبھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا کہ میں کن حالوں میں زندہ ہوں۔ ان کا مجھ پر یہ بھی احسان بہت ہے جو اس مکان میں کسی نے اپنا حصہ نہ جتایا اگر جو وہ اس کے حصے بخرے کرنے آ جاتے تو شاید میرے سر پر یہ چھت بھی نہ ہوتی۔"

بولتے بولتے اماں کے گلے میں پھندا سا لگ گیا' شاید وہ رو رہی تھیں۔

"مکان کا ایک حصہ کرایہ پر دے کر جانے میری کتنی مشکلیں حل ہوئیں' ان کے اس احسان کو دل سے مانتے ہوئے میں نے ہمیشہ انہیں دعائیں دیں اللہ انہیں ہمیشہ خوش رکھے مگر خالہ میں یہ نہیں چاہتی کہ وہ مجھے آج یہاں آ کر اس حال میں دیکھیں میں اپنا بھرم ختم نہیں کرنا چاہتی میری تو صرف اتنی سی خواہش ہے کہ میری بیٹی اپنوں میں واپس چلی جائے جس کی خاطر میں اتنی کوشش کر رہی ہوں ورنہ کسی سے ملنے کی کوئی خوشی میرے دل میں نہیں

ہے۔"

"اچھا بیٹا تم اب رو مت تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی' صبح سے بھوکی ہو یہ دلیہ کھا لو اللہ تعالیٰ تمہیں صحت و تندرستی دے تمہارا سایہ اس بچی کے سر پر ہمیشہ سلامت رکھے۔"

خالہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے باہر کی طرف چل دیں جب اس نے بھاگ کر انہیں پیچھے سے جالیا۔

"خالہ ایک منٹ مجھے آپ سے کام ہے۔" خالہ دروازہ کھولتے کھولتے رک گئیں۔

"خالہ اماں کو آخر ایسی کون سی بیماری ہے جو ان کی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے' اماں کا بخار ٹھیک کیوں نہیں ہو رہا' انہیں کیا بیماری ہے آپ مجھے سب کچھ صاف صاف بتا دیں۔" وہ خالہ کا بازو پکڑے کھڑی تھی۔

"کیا بتاؤں بیٹا۔" انہوں نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"تمہاری ماں کو ٹی بی ہے جو اس کی ہڈیوں میں پھیل گیا ہے۔"

خالہ کی بات سنتے ہی اس کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔

"اس کے پھیپھڑے بھی خراب ہو چکے ہیں سمجھ نہیں آتا وہ ابھی تک زندہ کیسے ہیں۔"

خالہ کی بات ختم ہوتے ہی وہ وہیں فرش پر بیٹھ کر بلک بلک کر رونے لگی' خالہ نے کچھ دیر اسے اسی طرح رونے دیا جانتی تھیں کہ یہ خبر ہی ایسی ہے جس نے اس معصوم بچی کا دل ہلا دیا ہے۔

"دیکھو بیٹا میں شاید تمہیں' تمہاری ماں کی بیماری کا کبھی نہ بتاتی مگر اب یہ ضروری ہو گیا تھا کہ تمہیں سب کچھ بتا دوں' جانے حالات کیا پلٹا کھائیں کم از کم تمہیں آنے والے وقت کے لیے خود کو تیار تو رکھنا چاہیے' اب اپنے آپ کو مضبوط کرو یہ وہ وقت ہے جب تمہاری ماں کو تمہاری ضرورت ہے' اس کی خدمت کرو اس پر ظاہر نہ ہونے دو کہ تمہیں کچھ پتا ہے' آفتاب کراچی جا کر تمہارے تایا کو ڈھونڈنے کی کوشش کرے گا ایک دفعہ ان سے رابطہ ہو جائے تو تمہاری ماں کا علاج بھی ہو جائے گا اور تمہیں بھی یقیناً سہارا مل جائے گا سمجھ لو ان کا ملنا تمہاری تمام پریشانیوں کا حل ہے۔"

خالہ نے ہر بات کی مکمل وضاحت کر دی اس کے لیے اس وقت سوائے اپنی ماں کی بیماری کے ہر بات غیر ضروری تھی۔

"اٹھو بیٹا وضو کر کے نماز پڑھو اور اپنی ماں کے حق میں دعا کرو۔"

خالہ نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا' انہیں اس وقت وہ انتہائی قابل ترس لگی انہوں نے اسے اپنے گلے سے لگا کر خاموش کروایا۔

"فکر نہ کرو اللہ بڑا کارساز ہے کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا کرے گا۔"

"ان شاء اللہ' اس نے پورے یقین کے ساتھ آمین کہا اور وضو کرنے چل دی۔



"تم نے یاسمین آپا سے کیا کہا ہے۔"

فرہاد گھر میں داخل ہوتے ہی اس کے سامنے آن کھڑا ہوا اس کا لہجہ اس کے غصے کی گواہی دے رہا تھا۔

"کچھ بھی نہیں کیوں کیا ہوا؟" زینب نے کرسی سے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"جھوٹ مت بولو زینب ان کا مجھے کچھ دیر قبل فون آیا تھا اور جب میں نے پوچھا تو بتایا کہ تم نے بے عزتی کی ہے بلاوجہ کی باتیں سنائیں اور وہ فضہ بھابی کے گھر واپس چلی گئیں۔"

"اک ذرا سی بات کا انہوں نے اتنا بتنگڑ بنایا کہ آپ کو فون کر کے میری چغلی لگا دی' خوب کیا بات ہے۔"

یاسمین آپا کی اس حرکت نے زینب کو سیخ پا کر دیا آخر وہ بھی انسان تھی کب تک یہ سب کچھ برداشت کرتی۔

"انہوں نے کوئی چغلی نہیں کی' انہیں تو مجھ سے کام تھا جس کے لیے فون کیا مجھے ان کی آواز بھاری محسوس ہوئی تو میں نے پوچھ لیا' وہ بے چاری تو کچھ بتا ہی نہ رہی تھیں میرے بار بار اصرار کرنے پر صرف اتنا بتایا کہ تم نے بدتمیزی کی ہے اور ساتھ ہی سختی سے منع بھی کیا کہ گھر جا کر تم سے ایسی کوئی بات نہ کروں جس سے گھر میں لڑائی ہو۔"

"وہ ہر کام کرنے کے بعد اسی طرح سچی ساوتری بننے کی کوشش کرتی ہیں۔"

"یہ تم کس طرح بات کر رہی ہو جانتی ہو یاسمین آپا ہماری بڑی بہن ہیں جن کے سامنے کبھی ہم بھائیوں نے بھی اونچی آواز میں بات نہیں کی اور ایک تم ہو جو ان سے بدتمیزی کرنے کے بعد بھی پشیمان نہیں ہو اور ابھی بھی مسلسل ان کے بارے میں غلط سلط باتیں کر رہی ہو۔"

"میں نے کون سی غلط بات کی ہے' جو سچ ہے۔ وہ بتا رہی ہوں' ہماری بھی اپنی بھابھی سے اونچ نیچ ہو ہی جاتی ہے مگر ہم نے تو کبھی اپنے بھائیوں کے پاس بیٹھ کر ایسی باتیں نہیں کیں جن سے دونوں میاں بیوی کے دلوں میں فرق آئے۔"

"جو بھی ہے مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگا کہ تمہاری کی ہوئی کسی بات سے آپا کو تکلیف پہنچے انہوں نے تم سے کوئی غلط بات نہیں کی تھی لہٰذا آئندہ خیال رکھنا ایسا دوبارہ نہ ہو۔"

فرہاد کے لہجہ میں چھپی دھمکی صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

"ویسے بھی ضروری نہیں کہ جو کچھ تمہارے گھر میں ہوتا ہو وہ روایت ہمارے ہاں بھی پروان چڑھ جائے ہمارا تعلق ایسے گھرانے سے ہے جہاں آج بھی اپنے سے بڑوں کی عزت کی جاتی ہے لہٰذا دوبارہ میرے سامنے اپنے گھر کی مثال نہ دینا۔"

"مجھے ضرورت بھی نہیں ہے دوبارہ ان سے کوئی بات کرنے کی۔"

"وہ یہاں آئیں گی تو بات کرو گی مجھے اپنی بہن کا پتا ہے' جہاں اس کی عزت نہ ہو۔ وہاں وہ دوبارہ کبھی پلٹ کر نہیں جاتیں۔"

"خود جب دل چاہے کسی کی بھی بے عزتی کر دیں عزت صرف ان کی ہے باقی سب تو بے عزت ہیں۔" اس کی تیز آواز سے مومو ذرا سا کسمسائی۔

"آہستہ بولو بچے اٹھ جائیں گے تم سے جب بھی کوئی بات کرو اسی طرح چیخ چیخ کر جواب دیتی ہو۔"

فرہاد کی آواز حسب دستور خاصی دھیمی تھی' زینب کو مکمل طور پر تپا نے کے بعد وہ نہایت مطمئن انداز میں ریموٹ ہاتھ میں لیے چینل سرچ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ زینب کے نزدیک اب مزید کچھ کہنا سوائے بے وقوفی کے کچھ نہ تھا وہ جگنو کو گود میں لیے خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔



"یہ عمو لغاری یہاں کیوں آیا تھا۔"

شاہ زین اس کے سر پر کھڑا جواب طلب کر رہا تھا' حبیبہ نے نظریں اٹھا کر حیرت زدہ انداز میں اسے دیکھا' شاہ زین کے ماتھے پر پڑی تیوریاں اس کی ناگواری کو ظاہر کر رہی تھی۔

"شاید میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ وہ میرا یونیورسٹی فیلو ہے اور ویسے بھی مجھے کسی سے ملنے کے لیے یقیناً" آپ

کی اجازت کی ضرورت نہیں یہ بات میں پہلے بھی سمجھا چکی ہوں۔"
ٹیبل پر رکھا فولڈر ہاتھ میں لیے وہ اٹھ کھڑی ہوئی ساتھ ہی اس نے چور نظروں سے اپنے چاروں طرف دیکھا کہیں کسی نے شاہ زین کو اس طرح بات کرتے ہوئے دیکھ تو نہیں لیا مگر شاید لنچ ٹائم کے باعث اس وقت وہاں کوئی موجود نہ تھا اس نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔

"تم نے کہا تھا مجھے یاد ہے مگر جانے کیوں مجھے اچھا نہیں لگتا جب تم اس طرح کسی سے ہنس کر بات کرتی ہو خاص طور پر عمیر لغاری جو مجھے بالکل پسند نہیں۔"

"یہاں ایک لسٹ لگا دیں ناکہ مجھے علم رہے کہ آپ کو کون پسند ہے اور کون ناپسند۔"
وہ اس کے سامنے تن کر کھڑی تھی غصہ اس کے چہرے پر سرخی بن کر چھلک رہا تھا۔

"کوئی بھی ایسا مرد جو تم سے ہنس کر بات کرے مجھے ناپسند ہے۔"
اپنے سینے پر ہاتھ باندھے وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا اگر میں کسی سے بات کروں یا کوئی مجھ سے ہنس کر بات کرے تو اس میں آپ کو کیا پرابلم ہے۔"
حبیبہ حیرت کے عالم میں تھی وہ سمجھ نہ پائی کہ آج شاہ زین کو کیا ہو گیا ہے آج سے پہلے تو اس نے کبھی اس طرح بات نہ کی تھی شاہ زین کا عجیب و غریب رویہ حبیبہ کے لیے حیران کن تھا۔

"پتا نہیں حبیبہ تم سمجھ کیوں نہیں رہیں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں یا شاید میں تمہیں سمجھا نہیں پا رہا۔"
اک بے بسی سی اس کے لہجے میں در آئی۔

"فی الحال تو میرے سامنے سے ہٹیں مجھے یہ فائل سرکو دے کر آنی ہے۔"
شاہ زین کی نظروں میں ضرور ایسا کچھ تھا۔ حبیبہ تھوڑا سا گھبرا گئی اب شاہ زین مزید کچھ کہے بنا سامنے سے ہٹ گیا۔ حبیبہ اس کے نہایت قریب سے گزرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"یہ آج شاہ زین کو کیا ہوا تھا؟"
شاہ زین کا بدلہ رویہ اسے سارا دن پریشان کرتا رہا شاید پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس نے شاہ زین کی اس گفتگو کا ذکر کرن سے بھی نہ کیا' جانے اس کی نظروں میں ایسا کیا تھا کہ اس رات ایک پل حبیبہ کی آنکھ نہ لگی وہ جب بھی سونے کی کوشش کرتی شاہ زین اپنے پورے استحقاق کے ساتھ اس کے سامنے آن کھڑا ہوتا ایسے میں سوتے جاگتے صبح ہو گئی رات جاگنے کے باعث اس کے سر میں شدید درد تھا اس نے صبح اٹھ کر اچھی طرح ناشتا کر کے سر درد کی ٹیبلٹ لی اور جا کر لیٹ گئی آج اس کا ارادہ آفس جانے کا بالکل نہ تھا۔

"میرا شاید دماغ خراب ہو گیا تھا جو ساری رات ایک فضول سی بات کو لے کر ضائع کر دی کیا ضرورت تھی مجھے شاہ زین کی کسی بھی بات کی اتنی ٹینشن لینے کی' اب اسے خود پر غصہ آنے لگا۔

"ایک نارمل سی بات کو خواہ مخواہ اتنی اہمیت دے کر اپنے سر پر سوار کر لیا اب مجھے سکون کی نیند لینی چاہیے اور یہ بھول جانا چاہیے کہ کل کیا ہوا۔"
اس سوچ کے ساتھ بھی وہ مطمئن ہو گئی۔ قریب رکھا اپنا سیل فون اٹھایا' آف کر کے تکیے کے نیچے رکھا اور بالکل سیدھی لیٹ کر آنکھیں بند کرتے ہی اپنے ذہن کو تمام سوچوں سے آزاد کر دیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی گہری وادیوں میں اتر گئی۔



صباحت بھابھی کا بیٹا پیدا ہوا تھا جو غالباً پیدائش کے ایک گھنٹہ بعد ہی فوت ہو گیا' سنا تھا ان کی اپنی حالت بھی

کچھ زیادہ بہتر نہ تھی مگر وہ اتنی دور تھیں کہ عیادت کے لیے جانا کم از کم اس کے لیے ممکن نہ تھا' سوائے اس کے کہ وہ فون پر ان کی خیریت دریافت کرے' مگر فی الحال وہ فون پر بھی بات کرنے کے قابل نہ تھیں۔

یاسمین آپا دو دن قبل ہی واپس اپنے گھر گئی تھیں۔ اب ان کی پوری کوشش تھی کہ کسی بھی طرح صمد بھائی انہیں ٹکٹ بھیجیں اور وہ دبئی روانہ ہوں بقول ان کے اس حالت میں صباحت کو کسی اپنے قریبی رشتہ دار کی ضرورت تھی جبکہ صباحت کی امی پہلے ہی وہاں ان کے پاس موجود تھیں۔ دو دن میں کئی بار فرہاد کو فون کرتیں اس وقت بھی فرہاد ان ہی سے فون پر بزی تھا' زینب وہیں بیٹھی مریم کو ہوم ورک کروا رہی تھی' جب اچانک ہی بالکل اتفاقی طور پر سنے گئے جملے نے اس کے کان کھڑے کر دیے۔

"بس اللہ کی مرضی ہے آپا وہ جسے جو چاہے عنایت کر دے خواہش تو ظاہر ہے میری بھی بہت ہے مگر کیا کروں اللہ تعالیٰ سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہاں ہاں آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں میں ابھی صمد بھائی کو فون کر کے کہتا ہوں کہ آپ کے لیے ٹکٹ کا جتنی جلدی ہو سکے ارینج کر دیں۔"

وہ صرف یک طرفہ گفتگو سن رہی تھی جس کے باعث اندازہ لگانا مشکل تھا کہ دوسری طرف کیا کہا گیا ہے مگر فون بند کرتے ہی فرہاد کی بات نے اس پر سب کچھ واضح کر دیا۔

"آپا نے مجھے ایک اچھی لیڈی ڈاکٹر بتائی ہے میرا خیال ہے تم کل تیار رہنا ہم ان کے پاس چلیں گے تاکہ پتا لگے تمہارے اندر کوئی بیماری تو نہیں پیدا ہو گئی اور اگر ایسا ہے تو علاج کروایا جا سکے' ہو سکتا ہے اس دفعہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بیٹے سے نواز دے۔"

وہ کیا کہنا چاہتا تھا' گفتگو کے آخر میں زینب کی سمجھ میں آ گیا مگر اسے یہ سمجھ نہ آیا کہ آخر آپا اسی ایک بات کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہیں۔

"فرہاد آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جگنو شروع سے ہی بہت کمزور رہی ہے اس لیے میں چاہتی تھی کہ کم از کم وہ اس قابل ہو جائے کہ اپنے پاؤں پر چل سکے اور یہ بات آپ کو اچھی طرح پتا ہے اور میرا خیال ہے بجائے میری کسی وضاحت کے آپ کو خود آپا کو یہ سب بتانا چاہیے تھا۔"

اسے برا تو لگا مگر وہ برداشت کر گئی اور کوشش کی کہ نہ اس کی آواز بلند ہو اور نہ ہی چہرے پر ایسے تاثرات آئیں جن سے اس کی خفگی کا اندازہ لگایا جا سکے۔

فرہاد نے شاید اس کی کوئی وضاحت سنی ہی نہیں کیونکہ وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کر کے فون پر ایک بار پھر سے مصروف ہو گیا اس دفعہ اس نے دبئی کال ملائی تھی اور دوسری طرف اس کا رابطہ بحال ہو گیا تھا' زینب اٹھ کھڑی ہوئی اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ صمد بھائی سے کیا بات کر رہا ہے۔ وہ جگنو کو اٹھائے اندر آ گئی تاکہ اسے نہلا کر اس کے کپڑے تبدیل کر سکے۔



"تم نے اکیڈمی کیوں چھوڑ دی جبکہ تمہارا احساب بہت خراب ہے اور امتحان بھی قریب ہیں۔" ارم کی بات سن کر وہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"وہاں دو تین بار پولیس آئی تھی۔ وہ روما کی تمام دوستوں سے پوچھ گچھ کر رہی ہے اور ہر بار مجھے ایسا محسوس ہوا کہیں غلطی سے بھی میرے منہ سے رضا کا نام نہ نکل جائے بس اسی خوف کے سبب میں نے اکیڈمی چھوڑ دی۔"

"تو کیا انہیں وہاں سے رضا کے متعلق کچھ پتا نہیں چلا۔"

"کچھ کہہ نہیں سکتی مگر جس دن سے رومہا کا قتل ہوا ہے رضا تو غائب ہے ہی سنا ہے شوکا بھی اپنے گھر نہیں ہے مجھے تو لگتا ہے اس واردات میں رضا اکیلا نہیں تھا ضرور شوکا بھی اس کا شریک جرم رہا ہوگا۔" وہ نہایت رازداری سے بولی۔

"جو بھی ہے کم از کم ان دنوں اس منحوس سے میری جان چھٹی ہوئی ہے آج کل کہیں راستے میں بھی نہیں ہوتا۔"

"وہ شاید یہاں کہیں بھی نہیں پولیس کے خوف سے کہیں چھپا بیٹھا ہے بے غیرت۔"

"بہرحال جو بھی ہے اللہ تعالیٰ رومہا کے قاتلوں کو ضرور کیفر کردار تک پہنچائے پتا نہیں کیسے ہوتے ہیں وہ لوگ جو اس طرح ہنستی کھیلتی لڑکیوں سے زندگی چھین لیتے ہیں۔"

ارم کے الفاظ سنتے ہی اس کے جسم میں ایک جھرجھری سی آگئی' اسے لگا اگر خدانا خواستہ رومہا کی جگہ وہ ہوتی تو اس تصور سے ہی وہ گھبرا اٹھی۔

"اور تم بتاؤ آنٹی کی طبیعت کیسی ہے اب۔" ارم اس کی حالت پر توجہ دیے بنا بولی۔

"ویسی ہی ہے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔"

"اللہ تعالیٰ انہیں صحت عطا فرمائے۔" ارم نے خلوص دل سے دعا دی۔

"آمین۔"

اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں' اس کی زندگی میں ماں سے زیادہ کچھ اہم نہ تھا ماں کی اہمیت کا اندازہ ہر گزرتا دن اسے دے رہا تھا۔



وہ کسی کام سے باہر نکلے تو اپنی جگہ ٹھہر گئے' حبیبہ کے قریب کھڑا شاہ زین انہیں یہ منظر اچھا لگا' بے شک حبیبہ کے چہرے کے تاثرات کچھ بہتر نہ تھے مگر شاہ زین کے چہرے پر پھیلی نرم سی محبت انہیں اتنی دور سے بھی واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔

حبیبہ انہیں شروع دن سے ہی بے حد پسند تھی۔ شاہ زین اور اس کا ساتھ ان کی دلی خواہش تھی مگر وہ کسی سے اس کا اظہار کرتے ہوئے ڈرتے تھے' انہیں خطرہ تھا کہیں شاہ زین منع نہ کردے' وہ حبیبہ کا ساتھ رد نہ کردے' مگر آج انہیں لگا کہ ایسا نہیں ہوگا شاہ زین کی طرف سے وہ مطمئن ہو کر دروازے سے ہی واپس اپنے کمرے میں پلٹ گئے اب انہیں خدشہ تھا تو صرف حبیبہ کا جس سے اس موضوع پر بات کرنا شاید مشکل تھا بہرحال جو بھی تھا اب اگر شاہ زین اس رشتہ پر تیار ہو جائے تو باقی تمام مسئلے بھی حل ہو جائیں گے۔

یہ سوچ کر دل ہی دل میں مطمئن ہوتے ہوئے انہوں نے کرسی کی پشت سے سر لگاتے ہوئے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔



"میں شاید یاسمین آپا کے ساتھ دبئی چلا جاؤں کچھ دنوں کے لیے صمد بلا رہا ہے۔"

فرہاد کی طرف سے دی جانے والی یہ اطلاع اتنی غیر متوقع تھی کہ زینب کا منہ کھلا ہی رہ گیا۔

"کیوں کیا آپ کا ٹکٹ بھی صمد بھائی بھیج رہے ہیں۔"

پہلا خیال اس کے ذہن میں یہ ہی آیا' پائی پائی پر جان دینے والا فرہاد جیسا شخص ایک دم ہی اتنا پیسہ کیسے خرچ کر سکتا تھا اسے حیرت ہوئی۔

"نہیں میرا کیوں بھیجے گا یا سمین آپا تو بہن ہیں انہیں وہ اس لیے ٹکٹ بھیج رہا ہے۔" زینب کی کم عقلی پر وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

"میں اب اتنا بھی غریب نہیں ہوں کہ بھائی سے ملنے جانے کے لیے اس سے پیسہ مانگوں' کرایہ دار کا ایڈوانس جوں کا توں رکھا ہے اسے استعمال میں لے آؤں گا۔"

"اور اتنے دنوں تک دکان کیسے چھوڑیں گے۔" وہ سب کچھ جان لینا چاہتی تھی۔

"وہ شیر دل سنبھال لے گا اب اسے کافی سمجھ آگئی ہے کاروبار کس طرح کرتے ہیں وہ جان چکا ہے۔"

شیر دل تو شروع سے ان کی دکان پر ملازم تھا' مگر شاید آج کچھ ایسا خاص ہو گیا تھا کہ وہ یک دم سمجھدار قرار دے دیا گیا۔

سچ ہے ہر انسان اپنے فیصلے اپنی ضرورت کے حساب سے کرتا ہے کہاں تو فرہاد کا دکان سے چند گھنٹے غائب رہنا لاکھوں کے نقصان کے مترادف' کہاں اب ایک ماہ دکان چھوڑنے پر کوئی پریشانی نہیں واہ میرے مولا۔

وہ صرف سوچ سکی مگر بولی نہیں۔

"مزے کی بات تو یہ ہے کہ میرے پاس پاسپورٹ بھی نہیں ہے۔ کبھی بنوایا ہی نہیں کیونکہ ضرورت نہیں پڑی اب پہلی فرصت میں وہ بنوالوں گا۔"

دبئی جانے کی خوشی اس کے چہرے سے امڈی پڑی تھی "صباحت بھابھی کی طبیعت کیسی ہے اب۔"

فرہاد اکثر ہی صمد بھائی کو فون کرتا اسی لیے وہ اس سے ہی صباحت بھابھی کی طبیعت پوچھ لیا کرتی۔

"اب تو کافی بہتر ہیں صمد بتا رہا تھا گھر شفٹ ہو گئی ہیں۔"

"چلیں شکر ہے۔"

فرہاد کے اس طرح دبئی جانے کا سن کر اس کی دل آزاری ضرور ہوئی مگر وہ یہ سب فرہاد پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی اسی لیے خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی کہ اچانک کسی نے باہر کا دروازہ بجایا۔

"زینب دیکھنا ذرا کون آیا ہے۔"

زینب اس کے کہنے سے قبل ہی باہر کی طرف چلدی' اتنی دیر میں اطلاعی گھنٹی بج اٹھی 'یقیناً" مریم ہوگی اس وقت وہ ساتھ والی خالہ سے سپارہ پڑھ کر آیا کرتی تھی یہ ہی سبب تھا جو اس نے بنا پوچھے دھڑ سے دروازہ کھول دیا۔

باہر مریم نہ تھی بلکہ ایک اجنبی شخص کھڑا تھا' کالی شلوار قمیص میں ملبوس گورا چٹا اونچا لمبا مرد ایک دم زینب کو اپنے سامنے دیکھ کر فورا" دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا زینب اپنی اس لاپرواہی پر دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہوئے دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔

"السلام علیکم جی میں آپ کی کرایہ دار کا بھائی ہوں' وہ ہی جو آپ کے گھر کے اوپر رہتی ہیں۔"

"جی بولیں کیا بات ہے؟" زینب دروازے کے پیچھے سے ہی بولی۔

"میری بہن کے داخلی دروازے کی چابی نہیں مل رہی اسے میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جانا ہے اگر مزید دیر ہوئی تو ڈاکٹر کا کلینک بند ہو جائے گا۔" وہ سانس لینے کے لیے رکا۔

"تو پلیز آپ ذرا سیڑھیوں کی طرف سے کھلنے والے اپنے اندرونی دروازے کا لاک کھول دیں تاکہ وہ میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جا سکے' واپس آکر میں اسے چابی بنوا دیتا ہوں۔"

اس شخص نے ہر بات تفصیل سے بیان کر دی' زینب بنا جواب دیے کچن میں آ گئی جس کے شیلف کی دراز میں چابیوں کا ایک گچھا پڑا ہوا تھا' زینب نے جلدی جلدی ڈھونڈ کر مطلوبہ چابی نکال کر دروازے پر آ گئی۔

"یہ چابی لے لیں اوپر والے گھر کی ہی ہے میرے پاس غلطی سے رہ گئی تھی کئی بار سوچا فائزہ کو دے دوں مگر ہر بار

بھول جاتی تھی۔"

اس شخص نے ہاتھ بڑھا کر زینب سے چابی تھام لی۔

"بہت بہت شکریہ آپ کا۔"

زینب نے کوئی جواب نہ دیا اور دروازہ بند کر کے واپس اندر کمرے میں آگئی جہاں فرہاد الماری کے دونوں پٹ کھولے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

"کون تھا باہر۔" زینب کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا۔

"فائزہ کا بھائی تھا اس کے داخلی دروازے کی چابی گم ہو گئی ہے' چاہ رہا تھا کہ میں سیڑھیوں کی سائیڈ کا دروازہ کھول دوں۔"

"پھر۔" فرہاد اپنی تلاش کا کام ادھورا چھوڑ کر اس کی طرف مکمل طور سے متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"اوپر والے گھر کی ایک ایکسٹرا چابی کچن میں رکھی تھی میں نے اسے وہ دے دی۔" "تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟"

فرہاد کا سوال خاصا غیر متوقع تھا' وہ ناسمجھی والے انداز میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تم نے کنفرم کیا تھا کہ وہ فائزہ ہی کا بھائی ہے؟"

واقعی یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا' اب فرہاد نے جو پوچھا تو یک دم گڑبڑا سی گئی۔

"نہیں مجھے کنفرم تو نہیں ہے مگر اس نے کہا تھا کہ آپ اندر سے دروازہ کھول دیں فائزہ نے باہر جانا ہے تو یقیناً اس کا بھائی ہی ہو گا نا۔" وہ شرمندہ ہوتے ہوئے بولی۔

"کوئی بھی تم سے آکر کہہ دے گا کہ میں فائزہ کا بھائی ہوں تو دروازہ کھول کر اسے اندر بلا لینا بے شک وہ کوئی ڈاکو ہی کیوں نہ ہو' جانے کیسی کم عقل عورت ہو تم' پتا نہیں کیسے گھر کی چابی تھما دی' اب اگر اوپر کوئی واردات ہو گئی تو تم بھگتنا بیوقوف عورت....."

اپنے نرم انداز میں اسے باتیں سناتا چپل پہن کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا' زینب نے دیکھا مریم دروازے کے عین درمیان کھڑی اسے حیرت سے تک رہی تھی' وہ خاموشی سے اٹھی اور باتھ روم کی سمت بڑھ گئی تاکہ اس کی آنکھ سے گرنے والا کوئی آنسو مریم نہ دیکھ سکے۔



"دیکھو شاہ زین کسی سے شادی کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کون ہے؟ اس کا تعلق کس خاندان سے ہے؟ اور تم حبیبہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے سوائے اس کے کہ وہ تمہارے آفس میں جاب کرتی ہے اور ایک اچھی لڑکی ہے؟ تم تو اس کے گھر اور گھر والوں کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے صحیح کہہ رہی ہوں نا میں" فون کے دوسری طرف موجود جازبہ نے اس سے اپنی بات کی تصدیق چاہی۔

"جی بالکل درست فرمایا آپ نے میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا مگر یہ سچ ہے کہ اس کا تعلق ضرور کسی اچھے خاندان سے ہو گا جس کا اندازہ اسے دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔" اس نے حبیبہ کی وکالت کی۔

"اگر تم دلی طور پر مطمئن ہو تو پھر حبیبہ سے بات کرو اسے بتاؤ کہ تم اسے پسند کرتے ہو اور اس سے شادی کرنا چاہتے ہو نیز یہ کہ تمہیں اس کے گھر والوں سے ملنا ہے' بات ختم اور جب وہ تمہارا پرپوزل قبول کر لے تو پھر پاپا سے بات کرو مجھے امید ہے کہ وہ تمہیں منع نہیں کریں گے۔"

"آپی آپ جو کہہ رہی ہیں وہ سب ٹھیک ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں یہ سب کچھ حبیبہ سے کہنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا وہ بہت موڈی لڑکی ہے اگر بلاوجہ ناراض ہو گئی تو مجھے امید ہے کہ وہ دوبارہ کبھی مان کر نہ دے گی۔"

یہ ہی وہ سبب تھا جس کے تحت وہ حبیبہ سے بات کرتے ہوئے تھوڑا سا گھبرا جاتا تھا۔

"ویسے مجھے یقین ہے کہ پاپا اس کے بارے میں ضرور جانتے ہوں گے کیوں کہ مجھے منیجر صاحب نے بتایا تھا کہ حبیبہ 'پاپا کے کسی قریبی دوست کی بیٹی ہے جس کی فیملی کسی دور دراز گاؤں میں رہتی ہے اور وہ یہاں تعلیم حاصل کرنے آئی ہے۔"

یہ سب باتیں وہ تھیں جو اس نے کافی عرصہ قبل حبیبہ کے بارے میں سنی تھیں۔

"چلو ٹھیک ہے اب تم یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

جاذبہ نے اس کی پوری بات سننے کے بعد سوال کیا "میں چاہتا ہوں کہ آپ جلد از جلد پاکستان آئیں اور آکر حبیبہ سے ملیں اسے اوکے کریں اور پھر مما سے میری سفارش کریں۔"

"ان شاء اللہ میں دو ماہ تک پاکستان آرہی ہوں کیونکہ تمہارے بھائی کو چند دن کی چھٹی مل رہی ہے تو میرا ارادہ ہے کہ ہم پاکستان کا ایک چکر لگالیں۔"

"ارے واہ! یہ تو آپ نے بڑی اچھی خبر سنائی بس تو پھر مجھے صرف آپ کی آمد کا انتظار ہے امید ہے اس کے بعد میرے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"تمہارا تو فی الحال ایک ہی مسئلہ ہے اور وہ ہے حبیبہ۔" جاذبہ بھی ہنس کر بولی۔

"اور میں ان شاء اللہ اس مسئلہ کو ضرور حل کردوں گی اب میں فون بند کرتی ہوں تم مما کو میرا سلام دے دینا۔"

"اللہ حافظ۔"

جاذبہ کے فون بند کرتے ہی وہ حبیبہ کے خوب صورت تصور میں کھو گیا۔



زینب کی طبیعت کچھ دنوں سے خراب تھی عجیب متلی سی محسوس ہوتی اور کچھ بھی کھانے کو جی نہ کرتا' سارا دن نڈھال پڑی رہتی' غالباً "بلڈ پریشر لو ہو گیا تھا گھریلو ٹوٹکوں سے کوئی فائدہ نہ ہوا تو سوچا شام میں سادیہ کے ساتھ ڈاکٹر کی طرف جائے گی' ابھی بھی وہ مریم کو اسکول سے لے کر گھر واپس آئی تو شدید چکر محسوس ہوئے چنانچہ بنا کچھ پکائے تب سے ایسے ہی پڑی تھی۔

مریم بھاگ کر سادیہ کو بلا لائی۔

"خیریت ہے تم ایسے کیوں پڑی ہو۔" سادیہ بھی اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔

"میں فرہاد بھائی کو بلاتی ہوں آکر تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں۔" اسے سیدھا کر کے سادیہ نے ماتھا چھوتے ہوئے کہا۔

"فرہاد کو چھوڑو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں گلی کے کونے پر جو لیڈی ڈاکٹر ہے اسے ہی دکھا آتی ہوں۔" فرہاد کا نام سنتے ہی وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"چلو اگر ہمت ہے تو آجاؤ۔"

سادیہ نے چپل اٹھا کر اس کے نزدیک کی' اس سے قبل کہ وہ اٹھ کر کھڑی ہوتی بیرونی دروازہ کھول کر فرہاد اندر داخل ہوا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" فرہاد حیرت سے بولا۔ وہ چادر اوڑھے باہر جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سادیہ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔" وہ بمشکل بول پائی۔

"اچھا ایسا کرو جلدی سے کھانا دے دو مجھے کھا کر واپس دکان جانا ہے۔"

زینب کی بات کو قطعی نظر انداز کرتا' اپنا حکم نامہ جاری کر کے وہ واش روم کی جانب بڑھ گیا' سادیہ نے ایک خاموش نظر فرہاد پر اور دوسری بالکل ساکت کھڑی زینب پر ڈالی اسے پہلی بار اندازہ ہوا کوئی مرد اتنا بے حس بھی ہو سکتا ہے اس کا شوہر جیسا بھی تھا کم از کم اتنا بے حس نہ تھا اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

"تم لیٹ جاؤ میں کھانا گرم کر کے لے آتی ہوں۔"

زینب کو اپنی جگہ کھڑا چھوڑ کر وہ بھاگ کر کچن کی طرف گئی۔

جلدی جلدی دو روٹیاں بنائیں اور رات کا سالن گرم کر کے ٹرے میں رکھے واپس آگئی' فرہاد خاموشی سے ٹرے آگے رکھے کھانے میں مصروف ہو گیا یہ بھی نہ پوچھا کہ تمہارے پاس پیسے ہیں یا نہیں' سادیہ کے سامنے پیسوں کا تقاضا کرنا زینب کو بالکل اچھا نہ لگا اسی لیے خاموشی سے سادیہ کے ساتھ چلتی ڈاکٹر کے کلینک تک آگئی' ڈاکٹر نے اس کا اچھی طرح چیک اپ کیا اور کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیے۔

"خیریت ہے ڈاکٹر صاحبہ کیا ہوا ہے اسے۔" جیسے ہی اس نے ٹیسٹ سلپ تھامی سادیہ بول اٹھی۔

"ہاں بالکل خیریت ہے۔"

ڈاکٹر نے مسکرا کر زینب کے تھکے ہوئے چہرے پہ ایک نظر ڈالی جو کسی بھی احساس سے عاری تھا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ پریگننٹ ہیں اسی لیے ٹیسٹ لکھ دیے ہیں تاکہ تصدیق ہو سکے۔"

ڈاکٹر نے سادیہ کو مخاطب کیا جبکہ ڈاکٹر کی یہ بات سن کر زینب بری طرح چونک اٹھی۔

"اوہ گڈ یہ تو بہت اچھی نیوز ہے۔"

فرہاد کی بیٹے والی خواہش زینب کے ذریعہ سادیہ تک پہنچ چکی تھی۔ اسی لیے اس نے خوشی کا اظہار کیا۔

"نیوز تو اچھی ہے۔ بس ذرا یہ کمزور ہیں خون کی کمی بھی ہے اسی لیے کچھ دوائیں لکھ کر دے رہی ہوں ساتھ ہی دس انجکشن کا ایک کورس بھی لکھ دیا ہے وہ بھی جلدی لگوا لینا اور ان کے ہزبینڈ سے کہنا ان کا پوری طرح خیال رکھے یہ کافی کمزور ہیں۔"

ڈاکٹر کی تمام ہدایت نہایت خاموشی سے سنتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی فیس دی اور باہر نکل آئی اسے سمجھ نہ آیا وہ یہ خبر فرہاد کو کس طرح سنائے اور اگر تیسری بار بھی بیٹی ہو گئی تو۔۔۔

"کیسی عورت ہو جو بیٹیوں پر ہی قناعت کیے بیٹھی ہو۔"

یاسمین آپا کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اس نے گھبرا کر یہاں وہاں دیکھا۔

"پریشان مت ہو ان شاء اللہ تعالیٰ اس دفعہ تمہارا بیٹا ہی ہو گا۔" سادیہ نے اس کا ہاتھ تھام کر دعا دی۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" ٹیسٹ کی پرچیاں تھامے وہ بوجھل قدموں سے سادیہ کے ساتھ گھر کی سمت چل دی۔



اسے کروٹیں بدلتے کتنا ہی ٹائم گزر گیا' مگر نیند تھی کہ آنکھوں سے کوسوں دور' رات کے اندھیرے میں طاری سناٹا ایک عجیب سا ماحول پیدا کر رہا تھا سردیوں کی کالی اندھیری راتیں اسے ہمیشہ اسی طرح خوف زدہ کرتی تھیں اور پھر وہ ماں کی رضائی میں اس کے ساتھ چپک کر سویا کرتی' مگر اب تو جانے کتنے سال گزر گئے یہ راتیں تنہائی میں کاٹتے ہوئے۔

سکینہ اس کے کمرے میں ضرور سوتی تھی' مگر وہ ماں نہ تھی اور اب تو آج تین دن سے سکینہ بھی یہاں نہ تھی وہ گاؤں اپنی بیٹی کے پاس گئی ہوئی تھی اس کے نواسے کی طبیعت بہت خراب تھی جب تک وہ لاہور میں تھی سکینہ

کبھی گاؤں جا کر رات نہ رکی تھی' مگر اب اتنی دور سے اس کا اتنی جلدی واپس آنا ناممکن تھا اب تو جو کچھ تھا اس کے لیے صرف سکینہ اور چاچا فضل دین ہی تھے جن کے سہارے وہ اپنی زندگی کے دن کاٹ رہی تھی۔

"اور اگر خدانا خواستہ سکینہ کو کچھ ہو گیا تو۔۔۔" اس خیال کے ذہن میں آتے ہی وہ اٹھ بیٹھی۔

"کیا یہ تنہائی ہمیشہ کے لیے میرے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔"

اس نے پاس رکھا موبائل اٹھایا' ٹائم دیکھا ابھی تو صرف دو بجے تھے۔ یا خدا اتنی لمبی رات کس طرح گزرے گی اور یہ نیند منحوس بھی جانے کہاں غائب ہو گئی ہے۔ جو آ کر ہی نہیں دے رہی۔ اپنا غصہ سوائے نیند کے وہ کسی پر نہ اتار سکی تھی۔

"ملک انکل آپ کو میرے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھے۔" تکیہ سیدھا کر کے دوبارہ لیٹنے سے قبل اس کے دل میں ایک ہلکا سا شکوہ ابھرا۔

مگر اس میں ان کا کیا قصور' انہوں نے تو ہمیشہ میرے اچھے کے لیے ہی سوچا اور جو کچھ کیا میری بہتری کو مد نظر رکھ کر کیا' سارا قصور میرے مقدر کا ہے یہ سب تو میرے نصیب کی خرابی ہے۔"

ملک صاحب کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے اس نے اپنے مقدر کو کوسا۔

"اس سے تو اچھا تھا کہ انکل میرا نکاح نہ کرتے اور مجھے اسی طرح ایک بیٹی کی حیثیت سے اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاتے' آنٹی وہاں مجھ سے جیسا بھی سلوک کرتیں ہوتے تو سب میرے اپنے ہی نا۔ ایشال کے ساتھ نکاح نے تو خود مجھے بھی اپنی نظروں میں بھی ذلیل کر دیا' اس نے تو مجھے اس قابل بھی نہ جانا کہ کبھی اتنے سالوں میں ایک دفعہ مجھ سے فون پر ہی بات کر لیتا' منکوحہ نہ سہی ایک کزن ہی سمجھ کر' مگر شاید میری حیثیت اس کے نزدیک ایک پتھر سے زیادہ نہ تھی جسے ٹھوکر مار کر اپنے راستے سے ہٹانا اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھا اور اس نے مجھے راستے کے پتھر ہی کی طرح اپنی زندگی سے دور پھینک دیا۔"

یہ سب سوچتے اس کا دل بھر آیا۔ چھوکیلا ہو گیا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔

"میرے پروردگار شاید میں بہت گناہ گار سہی' مگر تیری ایک ادنیٰ بندی ہوں میرے مولا زندگی میں ایک بار ایشال کو میرے سامنے ضرور لانا' مگر اس حال میں کہ اس کے دل میں مجھے کھونے کا دکھ اور پچھتاوا ضرور ہو اور اس لمحہ مجھے اس کے سامنے مضبوط رکھنا' مجھے کمزور نہ پڑنے دینا' شاید زندگی میں' میں نے تجھ سے کچھ نہیں مانگا سوائے اس چھوٹی سی خواہش کے' میرے مالک میری یہ خواہش ضرور پوری کرنا۔"

اپنی دعا کے اختتام پر دل میں ہی "آمین" پڑھتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں اور اپنے دماغ کو بالکل خالی چھوڑ دیا اور پھر کچھ ہی دیر میں وہ نیند کی گہری وادیوں میں اتر گئی۔



وہ تار پر کپڑے پھیلا رہی تھی جب باہر کا دروازہ کھول کر فاطمہ خالہ اندر داخل ہوئیں۔

"تمہاری ماں کہاں ہے؟"

وہ آج کئی دنوں بعد ایک بار پھر اسے پرجوش سی دکھائی دیں شاید ان کے پاس آج پھر کوئی نئی خبر تھی۔

"کچن میں آجائیں خالہ روٹی بنا رہی ہوں۔"

اس کے جواب دینے سے قبل ہی ماں کچن سے پکاری۔

"آفتاب کراچی سے واپس آگیا ہے تو جلدی سے فارغ ہو کر کمرے میں آ تجھے ضروری بات بتانی ہے۔"

خالہ ہدایت دیتیں اندر چلی گئیں' اس نے جلدی جلدی باقی کپڑے بھی تار پر پھیلائے اور بالٹی باتھ روم میں

رکھی' ہاتھ منہ دھو کر اندر کمرے میں ہی آگئی جہاں خالہ' ماں کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھی تھیں ماں کی گود میں رکھے نیلے نیلے نوٹ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

"دیکھو بیٹا یہ رقم انہوں نے خود تیرے لیے بھیجی ہے۔"

"مگر خالہ مجھے اب ان روپوں کی ضرورت نہیں رہی' ماضی بن گئی ایسی خواہشیں جو کبھی ہوا کرتی تھیں اب تو صرف زندگی کے چند بچے کچھے دن ہیں جو اس آس پر گزار رہی ہوں کہ میری بیٹی اپنوں تک پہنچ جائے۔"

آخری جملہ اماں نے اس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے ادا کیا۔

"ان شاء اللہ پہنچ جائے گی آفتاب کی بات ہوئی ہے وہ خود تو پاکستان میں نہیں تھا' مگر دفتر والوں نے فون پر بات کروادی تھی آفتاب نے صرف تیری بیماری کا بتایا یامن کر بست دکھی ہوا وعدہ کیا پاکستان آتے ہی تجھ سے ملنے آئے گا دفتر والوں نے اس کی ہدایت کے مطابق یہ رقم آفتاب کو دے دی وہ خود ہوتا تو شاید آفتاب بھی نہ لیتا' مگر بیٹا تجھے اپنے علاج کے لیے تو ان پیسوں کی ضرورت تھی نا تو میری مان رکھ لے' ان سے اپنا علاج کروا۔"

خالہ نے ماں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے سمجھایا' ماں کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں نے اسے بے چین کر دیا وہ ان کے قدموں کے قریب جا بیٹھی۔

"پیسہ بہت بری چیز ہے خالہ' ہر رشتہ چھین لیتا ہے پتا نہیں میں غلط تھی یا اس کا باپ' مگر سچ تو یہ ہے کہ ہم دونوں کو ہی پیسے سے محبت تھی۔"

"نہیں بیٹا' تو شاید اپنی ضرورت کے ہاتھوں مجبور تھی قصور تو اس کا تھا جس نے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی تجھے کبھی تیرا حق نہ دیا وہ بھی ذمہ دار ہے تیری اس تباہی و بربادی کا' میں تو تجھے بہت اچھے سے جانتی ہوں تو تو بڑی صابر سی بچی تھی اس نے تیری قدر ہی نہ کی اور جب اپنا مرد ہی قدر نہ کرے تو نا سمجھ عورت شاید بھٹک ہی جاتی ہے اسی لیے تو ہمارے مذہب نے مرد پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد کی ہے' اس رقم کو بہترین قرار دیا ہے جو اپنے اہل و عیال پر خرچ کی جائے' مگر افسوس نا سمجھ لوگ نہیں سمجھ پاتے اور اپنے ہاتھوں سے ہی سب کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں بس میری تو صرف اتنی ہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھی مغفرت کرے اور تیری لیے بھی زندگی کو آسان بنائے۔"

خالہ نے روتی ماں کو ساتھ لگاتے ہوئے خلوص دل سے دعا دی۔

"بیٹا یہ فون نمبر بھی رکھ لے تیرا تو کوئی نمبر تھا نہیں جو آفتاب دیتا' اپنے گھر کا دے آیا ہے اور اس نے اپنا موبائل نمبر دیا ہے جو پاکستان آکر وہ استعمال کرتا ہے شاید دس' پندرہ دنوں تک واپس آجائے۔" خالہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"یہ رقم سنبھال لے تیرے کام آئے گی۔" ماں کو ہدایت کرتی وہ باہر نکل گئیں۔

"اماں۔"

خالہ کے باہر نکلتے ہی وہ ماں کے قریب ہوئی۔

"یہ اتنے روپے کس نے بھیجے ہیں؟"

ماں خاموشی سے اپنی گود میں دھرے ہاتھوں کو تکتی گئی۔

"بتاؤ نا ماں کون ہے وہ' جس کے انتظار میں تم جی رہی ہو وہ میرا باپ نہیں ہے یہ تو میں جانتی ہوں کیونکہ ابا تو شاید اس دنیا میں نہیں ہے اس لیے خالہ نے اس کے لیے مغفرت کی دعا کی تو پھر وہ کون ہے ماں' جس نے بنا کچھ کہے تمہارے لیے اتنی رقم بھیج دی کون دیتا ہے کسی کو اتنا پیسہ۔

ماں آج مجھے سب کچھ بتا دو۔ میں کون ہوں؟ اور ہم یہاں تن تنہا سب سے کٹ کر کیوں زندگی گزار رہے ہیں ایسا کیا کیا تھا تم نے ماں جو سب نے تمہیں چھوڑ دیا۔ پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا کہ تم جی رہی ہو یا مر گئیں بتاؤ نا

اماں۔"

روتے روتے اس نے ماں کو جھنجھوڑ دیا۔

"میرے ٹرنک سے وہ چھوٹا باکس نکال کر لاؤ۔"

اماں کی مدھم آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"میں آج تمہیں سب کچھ بتا دوں گی وہ سب کچھ جو اندر ہی اندر مجھے گھن کی طرح کھا گیا میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں کون ہوں؟ اور وہ کون سے حالات تھے جو مجھے یہاں لے کر آئے تمہیں سب کچھ بتاؤں گی پہلے تم وہ باکس نکال لاؤ۔"

وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اگلے ہی سیکنڈ ٹرنک سے باکس نکال کر ماں کے پاس آبیٹھی جو آنکھیں موندے بالکل خاموشی سے چت لیٹی تھیں وہ منتظر تھی کہ ماں کب اپنی بات شروع کرے 'مگر وہ تو شاید بھول گئی تھیں کہ اسے کچھ بتانا ہے وہ بنا کچھ کہے وہیں ماں کے پاس بیٹھی رہی۔ کیوں کہ آج وہ سب کچھ جان لینا چاہتی تھی چاہے ماں کے جاگنے کے انتظار میں اسے ساری رات وہیں بیٹھنا پڑتا۔



وہ چت لیٹا چھت کو گھورے جا رہا تھا' جسمانی طور پر تو وہ اپنے کمرے میں تھا' مگر اس کا ذہن کئی سال قبل مغل پورہ کی ان گلیوں میں بھٹک رہا تھا جہاں اس کا بچپن گزرا تھا' گلیوں میں کرکٹ کھیلتے بچوں کا شور جن کا بیٹ لکڑی کی ایک ڈنڈی ہوا کرتی تھی' پرچون کی دکان میں چلنے والا ٹیپ ریکارڈر جو بنا رکے سارا دن بجے جاتا۔

گلی کے کونے پر لگا بڑا سا آم کا درخت جس کے سائے تلے وہ اور اس کے دوست ساری دوپہر گلی ڈنڈا کھیلتے اور ذرا نہ تھکتے' ایسے میں اسکول سے گھر واپس آتی استانی جی کی بیٹی' جو ایک قریبی سرکاری اسکول کی طالبہ تھی' یونیفارم کی نیلی قمیص اور سفید دوپٹا میں ملبوس وہ آج تک وجاہت کے ذہن میں نقش تھی جانے اس میں ایسا کیا تھا جو اس کے بعد اسے کبھی کوئی لڑکی نہ بھائی یہاں تک کہ وہ خود کو کبھی شادی کے لیے بھی دلی طور پر آمادہ نہ کر سکا حالانکہ ان دونوں کے درمیان کچھ بھی نہ تھا یہاں تک کہ وہ تو شاید وجاہت کو جانتی بھی نہیں تھی۔

ایسی انجان لڑکی سے وجاہت کو کب اور کس طرح محبت ہوئی پتا ہی نہ چلا اور جب پتا چلا تب تک وہ اس کی زندگی سے کہیں دور جا چکی تھی' وہ اس کے تصور کو بڑی مشکل سے اپنے ذہن سے نکال پایا تھا' مگر آج بھی جہاں کہیں وہ کسی خوب صورت عورت کو دیکھتا' ایک بار پھر ماضی میں اسی طرح کھو جایا کرتا اسے ہر خوب صورت عورت میں وہ ہی دکھائی دیتی جب کہ وہ اس کی شکل بھی تقریباً" بھول چکا تھا جانتا تھا اتنے سالوں میں وہ کافی تبدیل بھی ہو چکی ہوگی۔

مگر پھر بھی وجاہت کو یقین تھا کہ اگر وہ اسے کہیں نظر آئی تو وہ ضرور اسے پہچان جائے گا اس پہچان کا اب کوئی فائدہ نہ ہونے کے باوجود وہ اسی کوشش میں خاموشی سے مصروف تھا جس میں پتا نہیں وہ کبھی کامیاب بھی ہو پاتا یا نہیں' وہ یہ نہیں جانتا تھا اور نہ ہی جاننا چاہتا تھا۔

وہ تو صرف غیر ارادی اور لاشعوری طور پر اسے یاد رکھے ہوئے تھا' اس یک طرفہ محبت کی آگ نے ہمیشہ ہی وجاہت کو جلائے رکھا' مگر اسے محبت کی اس آگ میں سلگنا اچھا لگتا تھا' وہ جو اس کی زندگی میں کبھی تھی ہی نہیں' جو ماضی کی ایک حسین یاد سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی' اس سب کے باوجود وہ آج بھی وجاہت کے دل میں زندہ تھی' اور دلوں میں بسنے والے لوگ آسانی سے بھلائے نہیں جاتے۔



"یہ لو۔"

کمرے میں داخل ہوتے ہی فرہاد نے ہاتھ میں پکڑا لفافہ اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" اسے حیرت ہوئی۔

"آپا نے فون پر ایک حکیم کا ایڈریس دیا تھا جس کی دوا کھانے سے اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں کو بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے سوچا میں بھی لے لوں شاید اسی بہانے اللہ تعالیٰ ہم پر بھی مہربان ہو جائے' ایک لمبی لائن میں لگ کر یہ دوا لی ہے پورے یقین اور عقیدے کے ساتھ کھانا' آپا کا کہنا ہے کہ۔"

"آپ کو کنفرم ہے یہ دوا کھانے سے یقینی طور پر بیٹا ہی ہوگا۔"

اس نے فرہاد کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے سوال کیا۔

"ظاہر ہے یقین تھا تو اپنا ٹائم اور پیسہ برباد کر کے آیا ہوں۔"

شاید اسے زینب کا سوال پسند نہیں آیا تھا جس کا اندازہ اس کے ماتھے پر ابھرنے والی تیوریوں سے بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"اور اگر نہ ہوا تو۔"

اس نے فرہاد کے ماتھے پر ابھرنے والی تیوریوں کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے ایک اور سوال کیا۔

"کبھی زندگی میں اچھی بات نہیں کرنا ہمیشہ ایسی بات کرنے کی کوشش کرنا جو دوسروں کو آگ لگا دے۔"

فرہاد تپ گیا' زینب جانتی تھی کہ آپا کا فرمان پتھر پر لکیر کی مانند ہے اگر انہوں نے کہہ دیا تو اسے یہ دوا ہر حال میں کھانی ہوگی اس نے لفافہ اٹھا کر الماری کی دراز میں ڈال دیا۔

"اب یہ یہاں ہی نہ پڑا رہ جائے پورے ڈھائی سو روپے کی دوا ہے۔"

باہر نکلتے نکلتے فرہاد کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی مگر اس نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور خاموشی سے باہر نکل آئی۔



"نازیہ کا بیٹا۔"

زینب کو لگا شاید اس نے غلط سنا ہے۔

"ہاں اب تو ماشاء اللہ ایک ماہ کا ہو گیا۔"

صباحت بھابھی کے چہرے پر نظر آنے والی خوشی ان کے سچ کی غمازی تھی جبکہ زینب کے چہرے پر چھائی حیرت کسی طور کم نہ ہوئی۔

"مگر بھابھی اسے تو شاید ڈاکٹرز نے جواب دے دیا تھا کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔" اسے کسی طور یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں' مگر اللہ سے بڑی کوئی طاقت نہیں جسے جب چاہے اپنی رحمت سے نواز دے' سچ تو یہ ہے زینب کہ اس سے بڑا کوئی ڈاکٹر نہیں۔ ویسے اس نے وہاں لندن میں کسی اچھی گائناکولوجسٹ سے اپنا علاج بھی کروایا تھا اور میں تو سمجھی کہ تمہیں علم ہوگا' شاید اس نے کوئی فون وغیرہ کیا ہو' مگر سچ تو یہ ہے کہ بیماری کی حالت میں ڈلیوری کا ہونا اور پھر اتنے سال بعد بچے کی ذمہ داری سنبھالنا کافی مشکل امر ہے اس لیے شاید اسے ٹائم ہی نہیں ملا ہوگا اب تو خیر سے وہ میرے پاس دبئی شفٹ ہو گئی ہے سالار نے تمہارے بھائی کے ساتھ پارٹنر شپ شروع کر دی ہے۔"

اسے ان تمام باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی سوائے اس کے کہ نازیہ ماں بن گئی' ساتھ ہی اسے دل ہی دل میں

افسوس بھی ہوا کہ سالار اور نازیہ میں سے کسی نے بھی اسے اس قابل نہ سمجھا کہ اس سے اپنی خوشی شیئر کرتے۔
"اگر تمہیں نازیہ سے بات کرنی ہو تو میں کروا دیتی ہوں۔"
صباحت نے ہینڈ بیگ سے اپنا موبائل نکالتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔
"نہیں بھابھی اس وقت تو نہیں' میں کھانا بنانے جا رہی ہوں فارغ ہوں گی تو پھر ضرور کروں گی۔"
اس نے کہہ تو دیا' مگر اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اسے تو رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ یہاں سے جانے کے بعد اتنے عرصے میں ایک بار بھی سالار یا نازیہ نے اس سے رابطہ نہ کیا جبکہ ایک بار اس نے بڑی کوشش کر کے نازیہ کو فون بھی کیا تھا تاکہ اس کی طبیعت پوچھ سکے اس دن صرف تین منٹ کی کال میں اس کی بڑی مختصر سی بات ہوئی تھی۔
اپنی حیثیت سے بڑھ کر پیسہ خرچ کرنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ نازیہ وہ پہلے والی نازیہ نہیں رہی تھی یا شاید اپنی ہی طبیعت کی خرابی کے باعث اس کا رویہ کچھ سرد سا تھا' مگر جو بھی تھا زینب کو اس دن نازیہ سے بات کر کے کچھ اچھا نہیں لگا تھا یہ ہی وجہ تھی کہ جو اس نے آج صباحت بھابھی کو ٹال دیا۔



فون کب سے بج رہا تھا' بڑی مشکل سے اس نے اپنی موندھی ہوئی آنکھیں کھولتے ہوئے اسکرین پر ایک نظر ڈالی جہاں "شاہ زین کالنگ" جگمگا رہا تھا۔
لیس کا بٹن دباتے ہوئے اس نے سامنے لگی ہوئی گھڑی پر ایک نظر ڈالی' جو شام کے پانچ بجا رہی تھی۔
"کب سے فون کر رہا ہوں کہاں تھیں تم۔۔۔"
دوسری طرف شاہ زین کے لہجہ میں چھلکتی بے چینی صاف محسوس کی جا سکتی تھی جو حبیبہ کے لیے باعث حیرت تھی۔
"میں سو رہی تھی خیریت۔"
اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔
"سوری یار میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا۔"
شاید حبیبہ کے سرد لہجہ نے اسے شرمندہ کر دیا تھا۔
"اٹس اوکے' ویسے بھی پانچ بج گئے میں اٹھنے ہی والی تھی۔"
حبیبہ نے اپنے لہجہ کو حتی الامکان۔۔۔ خوش گوار بنانے کی کوشش کی جبکہ اپنی نیند اس طرح خراب ہونے پر اس کا موڈ خاصا آف ہوا تھا۔ کیوں کہ نیند کے معاملے میں وہ خاصی کانشس تھی۔
"تم آج رات کہیں بزی تو نہیں۔"
آج سنڈے تھا اسی کی یونیورسٹی بھی آف تھی اور یہ بات شاہ زین اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ عموماً" اتوار کا دن ہاسٹل میں رہ کر ہی گزارا کرتی تھی۔
"نہیں۔۔۔"
اس نے ایک پل سوچا۔
"میری ایک یونیورسٹی فیلو کی برتھ ڈے ہے وہاں انوائٹ ہوں ویسے تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"
"دراصل میں آج ہمارے گھر ایک فیملی ڈنر ہے تو مما نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں بھی انوائٹ کرلوں اسی لیے فون کیا تھا بہر حال اگر تم بزی ہو تو کوئی مسئلہ نہیں پھر کبھی سہی۔"

حبیبہ کے جواب نے شاہ زین کو مایوس کر دیا۔
"سوری شاہ زین اگر میرا پہلے سے پروگرام نہ ہوتا تو میں ضرور آتی۔" اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔
"کوئی بات نہیں اصل میں آپا آئی ہوئی تھیں میں چاہ رہا تھا تم ان سے بھی مل لیتیں۔"
شاید وہ چاہ رہا تھا کہ حبیبہ اپنا پہلا پروگرام کینسل کر دے۔
"پھر کبھی مل لوں گی۔ اللہ حافظ میں فون بند کر رہی ہوں کیوں کہ مجھے تیار ہونا ہے۔"
شاہ زین کا جواب سنے بنا ہی اس نے فون بند کر دیا۔
"شکر ہے میں نے بروقت جھوٹ بول دیا۔"
شاہ زین کے سوال کرنے کے انداز نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتا ہے جبکہ آج اس کا موڈ کہیں بھی جانے کا نہیں تھا خاص طور پر شاہ زین کے گھر تو وہ فی الحال بالکل بھی جانا نہیں چاہتی تھی کیوں کہ اسے پسند نہیں تھا بلاوجہ کسی کے گھر اس طرح منہ اٹھا کر چلے جانا۔
جب تک شاہ زین کی مما اسے خود انوائٹ نہ کرتیں' اگر یہ بات وہ شاہ زین سے کہتی تو شاید اسے اچھا نہیں لگتا اسی لیے حبیبہ کا بولا گیا بے ضرر سا جھوٹ اسے بلاوجہ کی ٹینشن سے آزاد رکھنے کا سبب بن گیا جس پر اس نے اللہ تعالیٰ کا ایک بار پھر سے شکر ادا کیا۔
جانے کیوں اسے ہمیشہ سے ہی چڑ رہی کسی کے سامنے جا کر بلاوجہ کی فارمیلٹیز نبھانا' اسے کبھی پسند نہ آیا' نہ چاہتے ہوئے بھی دوسروں کی ہر بات پر مسکرا مسکرا اس کی تائید کرنا اس کے لیے خاصا ناپسندیدہ عمل تھا جس سے وہ ہمیشہ بچنے کی کوشش کرتی' یہ ہی وجہ تھی جو اس نے شاہ زین کی بات سمجھتے ہی فوراً "جھوٹ کا سہارا لیا اور ان تمام باتوں سے بچ گئی جو اسے ناپسند تھیں۔



صباحت بھابھی صرف پندرہ دن پاکستان رہ کر واپس چلی گئیں۔ انہوں نے کراچی کے کسی پوش ایریا میں ایک پلاٹ خریدا تھا اب اس پر کنسٹرکشن کا کام شروع تھا' وہاں وہ اپنی مرضی اور پسند سے گھر تعمیر کروا رہی تھیں جس کے لیے انہوں نے پاکستان کا یہ مختصر سا چکر لگایا۔ ایک ہفتہ وہ کراچی کے کسی ہوٹل میں ٹھہریں اپنی پسند کی کسی کمپنی کو گھر کا ٹھیکہ دیا ہر چیز خود پسند کی۔
ان کے ساتھ تو صمد بھائی بھی تھے مگر سب کرتا دھرتا صباحت بھابھی تھیں اور یہ عمل کسی اور کے لیے نہ سہی مگر زینب کے لیے خاصا حیران کن تھا دونوں بھائیوں میں کتنا فرق تھا وہ جیسے جیسے سوچتی حیران ہوتی کہاں فرہاد اور کہاں صمد بھائی۔
فرہاد نے تو ساری زندگی اس سے کسی بھی بات میں مشورہ لینا ضروری نہیں سمجھا' جبکہ صمد بھائی اپنا کوئی کام بھابھی کی مرضی کے بغیر کرنے کا تصور بھی شاید نہ کرتے تھے اس میں یقیناً سارا عمل دخل قسمت کا تھا ایک ہی گھر میں بیاہی جانے والی دو عورتوں کی الگ الگ قسمت جس کے آگے کسی کا کوئی زور نہیں۔



پاؤں کے نیچے گرم تپتی ریت اور اوپر کھلا آسمان' اس نے چاروں طرف نظر ڈالی کوئی بھی نہ تھا اس ویران ریگستان میں وہ تن تنہا کھڑی تھی یہ احساس ہوتے ہی وہ گھبرا اٹھی' مارے خوف کے اس کے حلق میں کانٹے سے اگ آئے' وہ بھاگنا چاہتی تھی مگر قدم تھے کہ من من بھاری ہو گئے' چاروں طرف پھیلا ہو کا عالم اور رات کا اندھیرا ایک دم اس کے حلق نے تیز چیخ نکلی۔

"کیا ہوا بیٹا کیوں اس طرح چیخ رہی ہو۔"
کانوں میں پڑنے والی یہ آواز یقیناً آنٹی سکینہ کی تھی اس نے فوراً سے بیشتر آنکھیں کھول دیں' وہ اپنے بستر پر تھی' شاید لائٹ چلی گئی تھی' کمرے میں پھیلے حبس سے اس کی سانس بند ہو رہی تھی۔
"کچھ نہیں آنٹی عجیب ڈراؤنا سا خواب دیکھ لیا تھا بس اسی لیے ڈر گئی۔"
دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس نے سکینہ کو جواب دیا۔
"فجر کی اذان ہونے والی ہے اٹھ کر وضو کر لو' نماز پڑھ کر قرآن کی تلاوت کرو' بہت دن ہو گئے تم نے اپنی ماں کو کوئی تحفہ نہیں بھیجا' پڑھو اور پڑھ کر اسے بخشو اس کی مغفرت کی دعا کرنے والا اس دنیا میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے۔"
آنٹی سکینہ کی بات ختم ہونے سے بیشتر ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی' آنٹی نے کمرے میں رکھی ایمرجنسی لائٹ اٹھا کر باتھ روم میں رکھ دی تاکہ وہ اطمینان سے وضو کر سکے۔
"شکریہ آنٹی آپ میرا بہت خیال رکھتی ہیں سچ تو یہ ہے کہ ماں کی جگہ بے شک کوئی نہیں لے سکتا مگر اس کی کمی کو ضرور پورا کیا جا سکتا ہے اور یہ کمی آپ نے ہمیشہ پوری کی آپ میرے لیے اپنوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔"
بے اختیار ہی اس نے آنٹی سکینہ کے دونوں ہاتھ تھام لیے "کوئی ماں اپنی اولاد پر احسان نہیں کرتی اس لیے میرا تم پر کوئی احسان نہیں ہے۔" سکینہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔
"جاؤ وضو کرو اور پھر باہر لاؤنج میں آجاؤ وہیں نماز پڑھیں گے" خاموشی سے سر ہلاتی وہ باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔



"تم فرہاد کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں جاتیں تاکہ وہ تمہارا اچھی طرح چیک اپ کر کے تمہیں کوئی دوا دے' ہو سکتا ہے اس سے تمہیں متلی ہونا بند ہو جائے۔"
سادیہ نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا "فرہاد کے ساتھ۔" زینب نے آہستہ سے دوہرایا۔
"اس کے پاس کہاں ٹائم ہوتا ہے رات گیارہ بجے تو وہ دکان بند کر کے گھر آتا ہے۔"
"ہاں تو کیا ہوا اس کی دکان پر اور ملازمین بھی تو ہیں ان میں سے کسی کو بھی بٹھا کر تمہیں لے کر جائے' بیٹا پیدا کرنے کا بہت شوق ہے مگر بیوی کا ذرا خیال نہیں۔"
سادیہ اتنی ہی منہ پھٹ تھی' زینب سمجھتی تھی کہ اتنا پیسہ خود کمانے کی بدولت اس میں یہ خود اعتمادی آئی ہے دوسروں لفظوں میں شاید جاب نے یہ اعتماد بخشا تھا۔
"بہرحال مجھے کوئی حرج نہیں ہے میں تمہیں خود ڈاکٹر عطیہ کریم کے پاس لے جاؤں گی اچھی ڈاکٹر ہے تمہارا معائنہ کر کے تمہیں طاقت کی دوائیں دے گی کیونکہ میرے خیال میں تمہیں کافی کمزوری بھی ہو رہی ہے۔"
سادیہ نے اس کے زرد چہرے پر ایک نظر ڈالی۔
"فیس کتنی ہے اس کی؟"
سادیہ کی تمام باتوں کے جواب میں وہ صرف اتنا ہی بولی۔
"پتا نہیں مجھے تو خود چار سال ہو گئے اس کے پاس گئے ہوئے' تم فرہاد بھائی سے کہو کہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس جانا ہے پیسے دیں' بیٹے کے لیے حکیم سے ڈھائی سو کی دوا تو خرید لایا اور یہ بھی پتا ہے کہ دوسرا مہینہ شروع ہوتے ہی کھانے لگو مگر بیٹا پیدا کرنے والی ماں کے لیے کیا کرنا ہے اس بارے میں کوئی علم نہیں' مجھے تو حیرت ہے تمہاری وہ

بیٹیاں کیسے ہوگئیں۔"

"مریم تو میری امی کے گھر ہوئی تھی وہ میری حالت دیکھ کر مجھے شروع میں ہی اپنے ساتھ لے گئی تھیں کیونکہ مجھے الٹیاں بہت تھیں' جگنو کی دفعہ بھی ساری ذمہ داری انہوں نے ہی اٹھائی تھی۔"

سادیہ کی طرف دیکھتے ہوئے زینب ہلکا ہنس دی "یہ پہلی ذمہ داری ہے جو فرہاد پر پڑی ہے اب دیکھو کیسے نبھاتا ہے۔"

"بس تو پھر فرہاد بھائی کو بگاڑنے میں تمہارا خود اپنا ہاتھ ہے۔ جب ساری زندگی ایک مرد پر کوئی ذمہ داری نہ ڈالو گے تو وہ ایسا ہی ہو گا اس میں فرہاد بھائی کا کوئی بھی قصور نہیں ہے۔"

سادیہ نے تاسف سے سر ہلایا۔

"وہ تو اب بھی سوچ رہے ہوں گے کہ شاید تمہیں پھر تمہاری امی ہی لے جائیں گی۔" سادیہ کی بات کافی حد تک درست تھی۔

"نہیں اس دفعہ جو کچھ بھی ہو گا میرے اپنے گھر پر ہی ہو گا' اب ماں کا گھر بھابھی والا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ اس حوالے سے وہ کوئی بات کریں۔"

زینب کی سوچ کافی حد تک درست تھی۔

"چلو پھر تم شام میں ریڈی ہو جانا' ہم رکشہ میں چلیں گے ڈاکٹر عطیہ کے کلینک اور ہمارے گھر سے تو بس اسٹاپ بھی خاصا دور ہے' اس لیے رکشہ ہی بہتر رہے گا۔" سادیہ نے اسے پوری تفصیل سمجھائی۔

"ٹھیک ہے تم آجانا میں تیار ہو جاؤں گی۔"

وہ اپنی چادر سنبھال کر اٹھ کھڑی ہوئی' سادیہ اسے رخصت کرنے باہر دروازے تک آئی۔ وہ ہمیشہ سے ہی زینب کی اسی طرح چاہت کیا کرتی تھی۔



"تمہیں شاہ زین کے ساتھ اس طرح جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔" حبیبہ کی بات ختم ہوتے ہی کرن بول اٹھی۔

"اگر وہ تمہیں اپنے گھر والوں سے ملانا چاہتا تھا تو تمہیں جانا چاہیے تھا آخر اس میں حرج ہی کیا تھا۔"

"ضروری تو نہیں ہے جو وہ چاہتا سو میں بھی ویسا ہی چاہوں!"

چیونگم کھول کر منہ میں ڈالتے ہوئے اس نے کرن پر ایک نظر ڈالی۔
"ابھی شاید شروع میں ہی میں نے تمہیں وضاحت دے دی تھی کہ مجھے بلاوجہ لوگوں پر جا کر مسلط ہونا بالکل پسند نہیں۔ اب سوچو ذرا ایک فیملی ڈنر جہاں آپ کے سارے اپنے موجود ہوں' آپ ایسے موضوع پر بات کر کے ہنس رہے ہو جو آپ سب کا مشترکہ ہے وہاں اچانک ایک اجنبی لڑکی آجائے جسے سوائے نام کے کوئی دوسرا نہ جانتا ہو تو یقیناً" آپ ہنستے ہنستے رک جائیں گے' آپ کا موضوع گفتگو تبدیل ہو جائے گا۔ آپ سب ریزرو ہو جائیں گے صحیح یا غلط؟"

بات کرتے کرتے ایک دم ہی حبیبہ نے کرن سے اپنی بات کی تصدیق چاہی۔
"جو تم کہہ رہی ہو وہ بالکل ٹھیک ہے حبیبہ مگر اجنبیت دور کرنے کے لیے کوئی ایک پہلا قدم تو اٹھانا پڑتا ہے۔"
"مجھے اتنا عرصہ ہو گیا اس آفس میں آج تک شاہ زین کی مما سے میری سلام سے زیادہ گفتگو نہیں ہوئی تو پھر سوچو بھلا میں کیسے ان کے گھر ڈنر کرنے چلی جاتی مجھے تو عجیب بددماغ سی خاتون لگتی ہیں۔"

ٹانگ پر ٹانگ رکھتے ہوئے اس نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔
"حیرت ہے یہ تم کہہ رہی ہو۔" اس کے انداز گفتگو نے کرن کو واقعی حیران کر دیا۔
"یاد ہے تم نے کافی عرصہ قبل مجھ سے کہا تھا کہ ضروری نہیں جو سامنے سے جیسا نظر آئے ویسا ہی ہو اور اپنی اس رائے کا اظہار تم نے میڈم کے لیے بھی کیا تھا۔
"کیا ہو گا اس وقت جب میں یہاں نئی نئی آئی تھی اور انہیں جانتی نہ تھی۔"
اس نے کرن کی بات کو جھٹلایا نہیں "مگر اب ان کے بارے میں میرا خیال کافی حد تک تبدیل ہو چکا ہے میرے خیال میں وہ خاصی ناک چڑھی اور بددماغ سی خاتون ہیں۔"
"السلام علیکم سر۔"
کرن کے اس طرح بوکھلا کر سلام کرنے پر اس نے پلٹ کر دیکھا' دروازے کے عین درمیان شاہ زین کھڑا تھا وہ کب آیا دونوں کو اپنی گفتگو میں پتا ہی نہیں چلا اب جو دیکھا تو عجیب شرمندہ سی ہو گئی۔
"شاید اس نے ہماری گفتگو سن لی ہے۔"
شاہ زین کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہی اس نے اندازہ لگایا جس کی تصدیق اگلے ہی پل ہو گئی۔
"ایک مشورہ دوں آپ کو حبیبہ۔"
وہ آہستہ آہستہ چلتا حبیبہ کے سامنے آن کھڑا ہوا' سینے پر دونوں بازو باندھے لب بھینچے وہ سیدھا حبیبہ کی آنکھوں میں ہی جھانک رہا تھا اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیا جواب دے' جبکہ کرن اپنے سامنے رکھی فائل اٹھا کر فوراً" ہی کمرے سے باہر کھسک گئی اب وہاں وہ بالکل تنہا تھی۔
"کسی کے بارے میں کوئی رائے اس وقت تک قائم مت کیا کریں جب تک آپ اسے اچھی طرح جان نہ لیں' کیونکہ کئی بار آپ کا لگایا ہوا اندازہ خود آپ کو بعد میں شرمندہ کر دیتا ہے۔"
یہ تو شاید اس کے اپنے الفاظ تھے جو وہ اکثر دوسروں سے کیا کرتی تھی۔
"سوری شاہ زین اگر میری کسی بات سے آپ کی دل آزاری ہوئی ہو۔"
"سوری کی کوئی بات نہیں ہے آپ ایک جمہوری ملک کی شہری ہونے کے ناطے اظہار رائے کی آزادی رکھتی ہیں اس پر کسی بھی قسم کی کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔" وہ بدستور اپنی سابقہ سنجیدگی سے ہی بولا۔
"میں تو جسٹ مشورہ دے رہا ہوں' جسے ماننا یا نہ ماننا آپ کے مکمل اختیار میں ہے' میری طرف سے کوئی زبردستی نہیں ہے۔"

آہستہ آہستہ کہتا ہوا واپس پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔
"شکر۔"
اس کے باہر نکلتے ہی حبیبہ نے اپنی کتنی دیر سے رکی سانس بحال کی۔
"مجھے لگتا ہے انہوں نے ہماری ساری باتیں سن لی تھیں۔"
شاہ زین کے باہر نکلتے ہی کرن فوراً" اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔
"ہاں۔"
شرمندگی حبیبہ کے لہجہ سے بھی جھلک رہی تھی۔
"مجھے پتا ہی نہیں چلا وہ کب ہمارے پیچھے آکر کھڑا ہوا۔"
"میرا خیال ہے وہ ہم سے ناراض ہو کر گئے ہیں۔"
تاسف کرن کے لہجہ سے بھی جھلک رہا تھا۔
"میں نے معذرت تو کر دی تھی مگر شاید اس کا غصہ کم نہیں ہوا۔" حبیبہ کرسی پیچھے کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ذرا اس کا غصہ کم ہو تو میں ایک بار پھر ایکسکیوز کرلوں گی اب وہ مانے یا نہ مانے اس کی مرضی' جو الفاظ میرے منہ سے نکل گئے اب انہیں تو واپس نہیں لیا جاسکتا ہاں اگر ان الفاظ سے کسی کی دل آزاری ہو تو معذرت ضرور کی جاسکتی ہے۔"
حبیبہ اپنی ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے بولی جبکہ کرن بنا کوئی جواب دیئے خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔



"فرہاد۔ فرہاد۔"
اس نے فرہاد کا پاؤں ہلاتے ہوئے آواز دی۔
"کیا ہوگیا؟"
اپنے منہ سے کپڑا ہٹاتے ہوئے بمشکل اس نے آنکھیں کھولیں۔
"مریم کو اسکول چھوڑ آؤ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"
اسے رات سے بخار تھا' اس وقت تو بہت زیادہ نقاہت محسوس ہو رہی تھی' سر میں بھی شدید درد تھا۔
"تو چھٹی کروالو"
مشورہ سے نوازتے ہوئے اس نے دوبارہ چادر سر تک تان لی۔
"کروالیتی مگر آج اس کا پیپر ہے۔"
"کیا مصیبت ہے سکون سے سونا بھی نصیب نہیں۔"
چادر دور پھینکتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"بجائے مجھے بھگانے کے زیادہ بہتر تھا کہ تم اسے سادیہ کے ساتھ بھیج دیتیں وہ بھی تو اسی کے اسکول میں پڑھاتی ہے۔"
"ہاں مگر وہ صبح سویرے اسکول کے لیے نکل جاتی ہے۔"
"بات صرف اتنی ہے کہ تمہیں میرا سونا برداشت نہیں۔"
منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا وہ مریم کی انگلی تھامے باہر نکل گیا۔ زینب میں بالکل کھڑے ہونے کی ہمت نہ تھی۔ وہ

تکیہ سیدھا کرکے وہیں لیٹ گئی آنکھ لگے کچھ ہی دیر ہوئی تھی جب فرہاد کی تیز آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"زینب۔ زینب۔"

اس نے آنکھیں کھول کر سامنے گھڑی پر ایک نظر ڈالی گیارہ بج گئے تھے۔

"اوہ۔" وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی تاکہ فرہاد کو ناشتا بنا کر دے سکے۔

"تم نے میری دراز سے پیسے نکالے ہیں۔"

فرہاد کا آواز دے کر جگانے کا مقصد بھی غالباً "یہ ہی تھا۔

"کون سے پیسے۔"

کچھ تو طبیعت کی خرابی اور کچھ اچانک نیند سے بے داری وہ سمجھ نہ پائی فرہاد کیا کہہ رہا ہے۔

"مکان کے کرایہ کی رقم میں نے یہاں دراز میں رکھی تھی اس میں کچھ پیسے کم ہیں۔"

"اوہ اچھا۔"

زینب کو یک دم جیسے کچھ یاد آگیا۔

"مریم کو امتحان کی فیس دینی تھی آج آخری تاریخ تھی وہ رات کو نکالی تھی شاید پچاس روپے تھے۔" اس نے مکمل وضاحت دی۔

"پوچھ کر نکالنے چاہئے تھے۔" فرہاد کے لہجہ میں ناگواری تھی۔

"بنا پوچھے اس طرح اگر تم ہی رقم نکالو گی تو کل کو بچیوں کو کیا سبق دو گی؟ تمہیں دیکھ کر بچوں کو بھی چوری کی عادت ڈلے گی۔"

وہ بنا سوچے بولے چلا گیا۔

"چوری۔"

زینب کو فرہاد کی بات سن کر عجیب سا لگا۔

"یہ چوری نہیں ہے فرہاد' گھر کی رقم گھر کی ضرورت کے لیے نکالی میں آپ سے لینا بھول گئی تھی بس اسی لیے۔"

شرمندگی کے ساتھ ساتھ اسے ہلکا سا غصہ بھی آگیا فرہاد کا رویہ گزرے وقت کے ساتھ کافی تبدیل ہوتا جارہا تھا جانے کیوں وہ دن بدن نہ صرف چڑچڑا ہورہا تھا بلکہ ذرا ذرا سی بات پر غصہ بھی زیادہ کرنے لگا تھا۔

"آئندہ ایسا مت کرنا کیونکہ مجھے یہ سب پسند نہیں۔"

پیسوں والی دراز کو تالا لگا کر چابی جیب میں ڈالتا وہ باہر نکل گیا۔

"بہت ہی گھٹیا شخص ہے اس حالت میں بھی ایک پچاس روپوں کو لے کر میری بے عزتی کرگیا۔"

غصہ میں پہلی بار زینب کے منہ سے فرہاد کے لیے اس طرح کے غلط الفاظ نکلے جن پر اسے بالکل افسوس نہیں تھا۔



فاطمہ خالہ کے ساتھ گھر میں داخل ہونے والا وہ شخص اس کے لیے قطعی اجنبی تھا مارے حیرت وہ چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی' اس کے اس قدر حیرت زدہ ہونے کا سبب اس شخص کا حلیہ تھا' نہایت سوٹڈ بوٹڈ ایک امیر و کبیر شخص' جس کے قیمتی پرفیوم کی خوشبو سے پورا صحن مہک اٹھا' بنا پوچھے وہ جان چکی تھی کہ آنے والا کون ہے؟ اس نے پلٹ کر دیکھا ماں کچن کے دروازے سے باہر نکلی۔

"کون آیا ہے؟"

سوال کے ساتھ ساتھ ماں کی نظر اپنے سامنے کھڑے شخص پر پڑی وہ وہیں ساکت ہو گئی۔

"سالار۔"

ماں کے لبوں سے سرسراہٹ کے ساتھ وہی نام نکلا جو وہ سننا چاہتی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا یہ تم ہو تم یہاں اس حلیہ میں یا خدا اگر میں نے تمہیں خود یہاں نہ دیکھا ہوتا تو شاید کبھی کسی کی بات پر یقین نہ کرتا۔"

اس نے نظر اٹھا کر دیکھا انکل سالار رو رہے تھے۔ کسی بھی مرد کو اس طرح روتے اس نے آج پہلی بار دیکھا تھا' ماں کے جسم پر کپکپی طاری تھی اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے کہیں وہ گر نہ جائے' اسی خوف سے اس نے دیوار کا سہارا لے رکھا تھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا زندگی میں جب میری ضرورت پڑے مجھے پکار لینا مگر تمہیں شاید مجھ پر بھروسا نہ تھا تم نے مجھے کبھی نہیں پکارا میں تو یہ ہی سمجھتا رہا کہ تم اپنی نئی زندگی میں خوش اور مگن ہو کر ہمیں بھول چکی ہو مگر یہ کیا تم اس حال میں... یقین جانو مجھے اس قدر شرمندگی ہو رہی ہے کہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔"

وہ ماں کے قریب کھڑے آہستہ آہستہ بول رہے تھے اور ماں تھی کہ بس روئے جا رہی تھی' دونوں میں سے کسی کی بھی توجہ اس پر نہ تھی شاید وہ اس وقت وہاں بالکل مس فٹ تھی۔ مگر اسے خواہش تھی کہ انکل سالار' یہاں تک آگئے یقیناً' اب ان کی زندگی سے تمام پریشانیاں دور ہونے والی تھیں ماں کی باتیں سن کر اسے ہمیشہ یہ ہی لگا کہ جیسے انکل سالار اس کے تمام دکھ اور پریشانیوں کو دور کرنے والی جادو کی چھڑی لے کر اس گھر میں آئیں گے اور آج وہ آگئے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

نفیسہ سعید

ایسا کب ہے زندگی

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کمسن بیٹے ایشان کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشان اپنی کزن عریشہ میں دلچسپی رکھتا ہے اور سن بلوغت تک پہنچتے ہی وہ اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے ملک صاحب ہار مانتے ہوئے اس کی دوسری شادی عریشہ سے کر دیتے ہیں جس کی شرط صرف اتنی ہے کہ وہ اپنی پہلی منکوحہ کو طلاق نہیں دے گا۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کراچی آتی ہے جہاں وہ شاہ زین کے والد کے آفس میں جاب کرنے لگتی ہے جس دوران شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے مگر حبیبہ کا رد عمل اس معاملے میں خاصا عجیب و غریب ہے وہ شاہ زین کو اپنا دوست تو کہتی ہے مگر اس کی محبت کا مثبت جواب نہیں دے پاتی۔

فرہاد تین بھائی ہیں اس کے دونوں بڑے بھائی معاشی طور پر مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی بچوں کی ضروریات بھی خوش دلی سے پوری کرتے ہیں جبکہ فرہاد اس معاملے میں خاصا کنجوس ہے یہ ہی سبب اس کی بیوی زینب کو فرہاد سے بدظن کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔

فضا زینب کی جٹھانی ہے جو اس کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہے اور اپنی اس حسد کا اظہار وہ اکثر و بیشتر اپنے رویہ سے کرتی رہتی ہے۔ سالار صباحت کا کزن ہے جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زینب کو پسند کرنے لگتا ہے اسی لیے وہ بہانے بہانے اسے قیمتی تحائف سے بھی نوازتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

11
گیارہویں قسط





"شاہ زین"

وہ جیسے ہی سیڑھیوں کی جانب بڑھا' حبیبہ تیزی سے بھاگ کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو مجھے ہوسٹل چھوڑ دیں گے۔"

اسے خاصی حیرت ہوئی شاید اتنے عرصہ دوستی میں پہلی بار حبیبہ نے اس کے ساتھ جانے کا خود کہا تھا۔

"وائے ناٹ شیور۔"

وہ آگے کی جانب بڑھ گیا۔

"ایک سیکنڈ۔"

اس کے ساتھ چلتی حبیبہ کو جیسے پھر سے کچھ یاد آگیا۔

"کل سنڈے ہے نا؟"

پہلے کی طرح اس کا یہ سوال بھی خاصا غیر معقول سا تھا۔

"ظاہر ہے آج اگر یسٹرڈے ہے تو یقیناً" کل سنڈے ہی ہوگا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے مجھے دوپہر میں پک کر لینا' میں کل لنچ آپ کی فیملی کے ساتھ کروں گی۔"

اس نے تیزی سے کے ساتھ اپنی بات مکمل کی' آج کی اس کی ساری گفتگو ہی خاصی غیر متوقع تھی۔ شاہ زین چلتے چلتے رک گیا۔

"میری نک چڑھی مما کے ساتھ لنچ کرتے ہوئے تمہیں عجیب سا محسوس نہیں ہوگا۔"

حبیبہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے اپنی بات مکمل کی۔

"اب کیا کروں' مجبوری ہے۔"

حبیبہ کندھے اچکاتے ہوئے ہنس دی۔

"تمہاری ناراضی سے بہتر ہے تمہاری نک چڑھی مما کے ساتھ لنچ کرلیا جائے۔"

"بائی داوے تم انہیں آنٹی کہہ سکتی ہو۔"

"اوکے' ویسے گھر میں تمہاری مما کے علاوہ اور کون کون ہوگا۔" شاہ زین کے ساتھ چلتے چلتے اس نے دریافت کیا۔

"کوئی بھی نہیں صرف میں اور مما کیوں کہ پاپا تو تم جانتی ہو آج کل شہر میں نہیں ہیں شاید ایک دو دن تک آجائیں۔"

"اچھا اور تمہاری بہن۔"

"بہن۔" اس نے حبیبہ کی جانب دیکھ کر دہرایا۔

"شاید تم جاذبہ آپا کی بات کر رہی ہو۔"

"ہاں ہاں وہی۔"

"وہ میری بہن نہیں کزن ہیں' آج کل اپنے سسرال میں ہیں۔"

"اوہ اچھا تم ہمیشہ ایسے ذکر کرتے تھے کہ مجھے لگا وہ تمہاری سگی بہن ہیں۔"

"میرے لیے تو وہ سگی بہن سے بھی بڑھ کر ہیں' ویسے بھی ان کے والدین کی وفات کے بعد ان کی زیادہ تر پرورش میری ماں نے ہی کی ہے' سمجھ لو کہ میری مما نے ہی انہیں پالا ہے ان کی شادی بھی ہمارے ہی گھر سے ہوئی تھی۔"

"اوہ تو یہ سب جان کر تو مجھے یقیناً" آنٹی کے بارے میں اپنی رائے کو مکمل تبدیل کرنا ہوگا۔"

حبیبہ کا لہجہ ستائشی تھا۔

"ہاں' جب تم ان سے ملوگی تو مجھے یقین ہے کہ تمہارے تمام سابقہ خیالات غلط ثابت ہو جائیں گے کیوں کہ میری ممانہ صرف ایک بہترین ماں بلکہ ایک عظیم ترین عورت بھی ہیں۔"

"شاید ہر اولاد اپنی ماں کے بارے میں ایسے ہی خیالات رکھتی ہے۔"

حبیبہ نے پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"یقیناً" کیوں کہ ماں ایک ایسا رشتہ ہے جو ہر غرض سے پاک ہے۔"

"بے شک۔"

حبیبہ نے صرف اتنا کہا اور خاموش ہو گئی۔

"بہر حال میں مما سے بات کر کے تمہیں فون پر بتا دوں گا اگر وہ کل گھر پر ہوئیں اور ان کی کوئی اور مصروفیت نہ ہوئی تو میں تمہیں بارہ بجے تک پک کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی۔"

ہوسٹل آگیا تھا وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔



"میرا نام زینب ہے۔"

سامنے فرش پر بیٹھی لڑکی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی۔

"زینب بنت ہاشم۔"

وہ لڑکی ہاتھ میں کاغذ قلم تھامے مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ تھی' اور چاہتی تھی کہ زینب اپنی بات دوبارہ شروع کرے' مگر وہ اس طرح خاموش ہوئی جیسے الفاظ ختم ہو گئے ہوں۔ "آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔"

بالآخر ایک طویل خاموشی سے اکتا کر وہ لڑکی بول اٹھی۔

"ہاں میں کہہ رہی تھی کہ تم میرا نام صرف زینب لکھنا یا پھر ام مریم لکھ دینا' ویسے بھی ہمارے مذہب میں عورت کی شناخت اس کے باپ یا شوہر کے نام سے نہیں ہوتی ہر عورت اپنی شناخت خود ہے اور میں بھی صرف زینب ہوں' اپنی بچیوں کی ماں زینب اس کے علاوہ میری اور کوئی پہچان نہیں۔"

اپنی بات ختم کر کے وہ سانس لینے کے لیے رکی۔

"میں چاہتی ہوں تم میری کہانی لکھو بالکل سچ سچ جو میں تمہیں بتاؤں تاکہ دنیا جان سکے کیا صحیح تھا اور کیا غلط۔ وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ میں ایک لالچی' خود غرض اور عیاش عورت ہوں جس نے اپنے شوہر کے اعتماد کو دھوکا دیا اور اپنے شوہر کی قدر نہ کی' اسے دنیا میں رسوا کر دیا وہ جان سکیں کہ سچ کیا تھا۔"

اتنا کہہ کر وہ رونے لگی۔

"دیکھیں پلیز آپ روئیں مت' اور مجھ سے وہ سب کچھ کہہ دیں جو آپ کے دل میں ہے' وہ سب کچھ جس نے آپ کو آج یہاں اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ اپنی اولاد کی جدائی بھی آپ کا مقدر ٹھہر گئی۔ آپ دنیا کو بتائیں کہ کن حالات کے تحت آپ نے یہ انتہائی قدم اٹھایا کیونکہ میں جانتی ہوں آپ ایک ماں بھی ہیں' اور کسی بھی ماں کے نزدیک اس کی اولاد سے بڑھ کر کوئی اہم نہیں ہوتا۔"

لڑکی نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے زینب کا سر اپنے کندھے سے لگاتے ہوئے اسے تسلی دی۔

"میں تمہیں جو کچھ بتاؤں گی اسے من و عن لکھ دینا تاکہ دنیا یہ فیصلہ کر سکے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط اور شاید اسی طرح میرے ماتھے پر لگی عیاشی اور بدکردار عورت کی مہر مٹ جائے۔"

وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے آہستہ آہستہ بولی۔

''ٹھیک ہے بس اب آپ مجھے سب کچھ بتائیں وہ سب جو سچ ہے۔''

لڑکی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی' اس نے اپنا کاغذ اور قلم ایک بار پھر سے سنبھال لیا اب وہ پوری طرح متوجہ تھی کہ زینب جو کچھ کہے اسے پوری طرح اپنے پاس محفوظ کر سکے۔

☼ ☼ ☼

''مما آپ پورے ٹائم پر ارتشہ کو ایئرپورٹ سے پک کر لیجئے گا کیونکہ وہ اکیلے آتے ہوئے ویسے بھی کافی گھبرا رہی ہے۔''

فون کے دوسری طرف ایشال تھا۔

''کیوں بیٹا تم اس کے ساتھ نہیں آ رہے؟''

مما کو ایشال کی بات سن کر حیرت کا جھٹکا لگا۔

''میں تھوڑا لیٹ آؤں گا مجھے ابھی چھٹی نہیں ملی۔''

''بیٹا ضرور آ جانا تم اچھی طرح جانتے ہو صبا بھابھی کی اکلوتی بیٹی ہے اور تم تو پچھلے سال حذیفہ کی شادی پر بھی نہیں آئے تھے اسے لے کر بھی وہ تم سے ناراض ہیں۔''

مما نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''جی جانتا ہوں مما کہ آنٹی مجھ سے ناراض ہیں اس سلسلے میں میری حنظلہ اور حذیفہ دونوں سے بات ہوئی ہے میں نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ ان شاءاللہ شادی سے ایک ہفتہ قبل پہنچ جاؤں گا آپ آج پلیز رات نو بجے تک ارتشہ کو پک کر لیجئے گا بھولیے گا مت۔''

''تم فکر مت کرو میں ڈرائیور کے ساتھ اسے خود لینے جاؤں گی بس تم شادی تک پہنچ جانا۔''

''ان شاءاللہ مما ضرور' اللہ حافظ اپنا خیال رکھیے گا۔''

☼ ☼ ☼

''میری تیسری بیٹی کی پیدائش نے ہی شاید میری زندگی یکسر تبدیل کر دیا' میں جو اپنی ماں کے گھر سے ایک ایسی خوشگوار اور مکمل زندگی کا تصور لے کر اس گھر میں آئی تھی' جہاں شاید سب کچھ میرے ایک اشارے کا منتظر ہو گا' میں سمجھتی تھی کہ وہ تمام خواہشات جو میری ماں پوری نہیں کر سکی' شوہر کے گھر جا کر بنا کسی مشکل کے میرے حصول میں ہوں گی مگر شادی کے بعد پتا چلا زندگی وہ نہیں ہے' جس کا تصور ہمیشہ یہ رہا کہ شوہر کے گھر جا کر ہر خواہش پوری کرتا یہاں تو شاید زندگی ماں کے گھر سے بھی زیادہ مشکل تھی۔

جہاں یہ سمجھا گیا کہ عورت ایک بے جان کٹھ پتلی ہے جس کی اپنی کوئی خواہشات نہیں ہوتیں' بلکہ اس کی ڈوری ایک مرد کے ہاتھ میں ہے وہ اسے جیسے چاہے اپنی مرضی کے مطابق چلائے۔ مجھے دوسرے مردوں کا نہیں پتا مگر فرہاد ایک ایسا ہی مرد تھا جو مجھے اپنی مرضی کے رنگ میں ڈھالنا چاہتا تھا وہ چاہتا تھا کہ میرا سونا' جاگنا' کھانا پینا' غرض کے پہننا اوڑھنا بھی اس کی مرضی کے تابع ہو' بازار جا کر اپنی مرضی کی شاپنگ کرنا میری ایک ایسی خواہش تھی جو گزرتے وقت کے ساتھ دم توڑ گئی۔ میں وہ ہی پہنتی جو مجھے فرہاد لا دیتا' چاہے وہ مجھے ناپسند ہی کیوں نہ ہو مگر میں انکار کا حق نہ رکھتی تھی یہاں تک بھی ٹھیک تھا میں اپنی بچیوں کی خاطر سب کچھ برداشت کرنے کو تیار تھی مگر جیسے ہی میں تیسری بار ماں بنی سب کچھ ایک دم تبدیل ہو گیا۔

میں تین دن اسپتال رہی' فرہاد ایک بار بھی مجھے یا بچی کو دیکھنے نہ آیا حتیٰ کہ اس نے میری خیریت دریافت کرنے

کے لیے ایک فون بھی نہ کیا شاید بیٹی کی پیدائش میری ایک ایسی خطا تھی جس کی میں واحد ذمہ دار تھی۔
صباحت بھابھی کے ساتھ ساتھ مجھے صمد بھائی نے بھی فون کیا دونوں نے ہی مجھے بیٹی کی پیدائش پر مبارک باد دی، فضا بھابھی اور ان کے بچے بھی اسپتال آئے، میرے بھائی بھابھی سب آئے نہ آیا تو فرہاد نہ آیا، ڈسچارج ہونے کے بعد اماں نے چاہا کہ میں ایک ماہ کے لیے ان کے ساتھ گھر چلی جاؤں مگر میں نے صاف انکار کردیا مجھے اپنی بچی کے ساتھ اپنے ہی گھر جانا تھا میری ضد کے آگے اماں خاموش ہوگئیں اور مجھے احسان کے ساتھ آکر گھر چھوڑ گئیں وہ گھر جہاں میرا استقبال کرنے کے لیے کوئی بھی نہ تھا۔
فرہاد دکان پر تھا اس نے مجھے آتے دیکھا ضرور مگر گھر آنے کی زحمت نہ کی۔ البتہ سادیہ میرے ساتھ ہی آگئی دونوں بچیوں کو کھانا بنا کر دینے کے علاوہ اس نے میرے لیے بھی پرہیزی کھانا تیار کیا، گھر کی صفائی میں میری مدد کی اس کے جانے کے بعد میں رات تک منتظر رہی کب فرہاد دکان بند کرکے آئے اور میں اس کے تاثرات جان سکوں جو مجھے امید تھی کہ اچھے نہ ہوں گے، مگر میرے لیے اس دنیا میں سب سے زیادہ اہم وہ ہی ایک شخص تھا کیونکہ وہ میرے بچوں کا باپ ہونے کا اعزاز رکھتا تھا۔



مہندی کے فنکشن میں ہر طرف بکھرا گرین کلر ایشاِل کو وہ سب کچھ یاد کروا رہا تھا جو وہ یاد کرنا نہ چاہتا تھا۔ اسے رہ رہ کر آج وہ ہرے دوپٹے والی لڑکی یاد آرہی تھی جو جانے کہاں اور کس حال میں تھی۔ اس نے تو اریشہ سے شادی کے بعد سے لے کر آج تک اپنی ماں سے بھی اس کا ذکر نہ کیا۔
وہ جب سے پاکستان آیا تھا پاپا کا رویہ اس سے خاصا ریزرو تھا اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ انہوں نے اسے اور اریشہ کو اپنے گھر رکنے کی اجازت دے دی تھی ورنہ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ پاکستان میں قیام کا تمام عرصہ اسے ماموں کے گھر رہنا ہوگا۔
مگر آج اس تقریب نے جانے کیوں اسے کئی سال پیچھے ماضی میں پہنچا دیا۔ آج اسے احساس ہوا اس نے جو کچھ کیا شاید اس لڑکی کے ساتھ زیادتی تھی اسے ایک دفعہ اس لڑکی سے ملنا ضرور چاہیے یقیناً وہ لڑکی ابھی تک اس کے نام پر بیٹھی تھی کیونکہ طلاق اس نے دی نہ تھی اور خلع اس لڑکی نے لی نہ تھی۔
"مجھے پاپا سے بات کرنی چاہیے جو بھی ہو اس دفعہ میں اس سے مل کر اسے طلاق دے کر جاؤں گا تاکہ وہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے لیے کسی بھی دوسری جگہ شادی کرسکے۔"
یہ سوچ کر اس نے ایک نظر کچھ دور بیٹھی اریشہ پر ڈالی جو زور و شور سے گانے گانے میں مصروف تھی۔
"کبھی کبھی تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میرے یہاں اولاد کا نہ ہونا بھی شاید اسی لڑکی کے دل سے نکلی کسی بددعا کا نتیجہ ہے۔"
اپنے سامنے کھڑے حنظلہ کے چھوٹے سے بیٹے کو دیکھتے بے اختیار اس کے دل میں یہ خیال آیا جس کی اس نے تردید نہ کی، حنظلہ کی شادی اس کی شادی کے صرف دو ماہ بعد ہوئی تھی اور آج وہ دو بچوں کا باپ تھا جبکہ اس کا آنگن ابھی تک سونا تھا۔
"بس تو طے ہے اب میں اس لڑکی سے ضرور ملوں گا تاکہ پاپا کی شرط کے مطابق اسے طلاق دے دوں اور وہ کہیں اور شادی کرسکے شاید اسی طرح میرے گھر کے سونے آنگن میں بہار آجائے۔" پاپا پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا۔



"مجھے علم تھا تیسری بھی بیٹی ہی پیدا ہوگی۔"

فرہاد کا لہجہ خاصا ہتک آمیز تھا یا شاید مجھے ایسا محسوس ہوا میں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا وہ فون کان سے لگائے ہنا لیا" اپنی بہن سے مصروف گفتگو تھا جس کی تصدیق اگلے ہی پل ہو گئی۔

"آپا میری ذمہ داری تو صرف دو الا کرنا تھی اب مجھے علم نہیں کہ اس نے کھائی یا نہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے میرے چہرے پر ایک نظر ڈالی جہاں پھیلی ناگواری صاف محسوس کی جا سکتی تھی' وہ اپنی آپا سے میرے بارے میں بات کر رہا تھا' بلکہ یہ سب مجھے سخت ناپسند تھا۔

"نہیں آپا طبیعت تو نہیں خراب' بس یہ بچی ساری رات روتی ہے اور مجھے بالکل بھی سونے نہیں دیتی اور صبح دکان پر جانا ہوتا ہے۔"

مجھے قطعی نظر انداز کر کے وہ آپا سے مصروف گفتگو تھا' مجھے صرف فرہاد کی آواز سنائی دے رہی تھی دوسری طرف آپا کیا کہہ رہی تھیں میں وہ سب سننے سے قاصر تھی۔

"ہاں میں بھی یہ ہی سوچ رہا تھا چلیں ٹھیک ہے اللہ حافظ۔"

آپا نے مجھ سے بات کرنے کی زحمت نہ کی اور فون بند کر دیا۔

"تم ذرا فارغ ہو کر ساتھ والا کمرہ صاف کر دینا میں آج سے وہاں سونا شروع کروں گا کیونکہ یہ ساری رات بہت روتی ہے اور میری نیند خراب ہونے کے باعث صبح مجھ سے دکان پر صحیح کام نہیں ہوتا۔"

یقیناً" یہ وہ ہدایت تھی جو ابھی آپا نے چند پل قبل ہی اسے دی تھی اور اب اس پر عمل درآمد فرہاد کی زندگی کا اولین مقصد تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

میرا موڈ اس سے کوئی بحث کرنے کا نہ تھا' اور پھر شام تک کمرہ صاف ہو گیا اور اس رات جو فرہاد اس کمرے میں تنہا سویا تو اس نے پھر کبھی رات اٹھ کر یہ بھی دیکھنے کی زحمت نہ کی کہ مجھے اس کی ضرورت ہے یا نہیں دوسرے معنوں میں وہ دیگر تمام باتوں کے ساتھ ساتھ میری ہر ضرورت سے فارغ ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

پاپا کا فون کب سے بج رہا تھا' ایشال نے دیکھا وہ کمرے میں نہ تھے وہ اپنا فون صوفہ پر ہی بھول گئے تھے جب تک ایشال نے فون اٹھایا وہ بند ہو چکا تھا ایشال ان کا سیل ہاتھ میں لیے مما کی جانب آیا۔

"پاپا کہاں گئے ان کا فون کتنی دیر سے بج رہا ہے۔"

"حبا کی شادی میں شرکت کے لیے سالار آ رہا ہے وہ اسے ریسیو کرنے ایئرپورٹ گئے ہیں اب کال آئے تو ریسیو کر لو کہیں کوئی ضروری فون نہ ہو۔"

مما کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ فون ایک بار پھر سے بج اٹھا' سالار نے دیکھا نمبر کسی بھی نام سے محفوظ نہ تھا اس نے یس کا بٹن دبا کر سیل اپنے کان سے لگا لیا۔

"السلام علیکم انکل۔"

ایک نہایت خوب صورت آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

"وعلیکم السلام کون بات کر رہی ہیں آپ۔"

اس نے مما کی جانب دیکھتے ہوئے دھیرے سے سوال کیا۔

"سوری کیا یہ ملک انکل کا نمبر نہیں ہے؟"

ایشال کی آواز سن کر وہ لڑکی 'تذبذب کا شکار ہوگئی۔

"جی یہ ان کا ہی نمبر ہے مگر اتفاق کی بات ہے پاپا اپنا فون گھر بھول گئے ہیں۔"

"آپ کون بات کر رہے ہیں؟"

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد وہ لڑکی قدرے جھجکتے ہوئے بولی۔

"میں ان کا بڑا بیٹا ایشال بات کر رہا ہوں اور آپ؟"

جانے کیوں ایشال کا دل چاہا وہ اس لڑکی سے اس طرح بات کرتا رہے اس کی آواز نہایت ہی مدھر اور رسیلی تھی بالکل دل میں اتر جانے والی۔

"ایشال۔"

لڑکی نے زیرِ لب دہرایا' ایشال اس کے جواب کا منتظر تھا مگر دوسری طرف مکمل خاموشی طاری تھی ایسے جیسے لائن پر کوئی تھا ہی نہیں' شاید دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا تھا۔

"ہیلو۔"

ایشال نے اپنے خیال کی تصدیق چاہی اب دوسری طرف کوئی بھی نہ تھا۔ لائن ڈسکنیکٹ تھی۔

"کون تھا؟"

مما نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"پتا نہیں۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

"میں نے نام پوچھا تھا مگر اس نے بتایا نہیں۔"

پپا کا سیل مما کے حوالے کر کے وہ باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

شاہ زین نے ایک نظر مما کے قریب بیٹھی حبیبہ پر ڈالی اسے یہ منظر بالکل مکمل لگا' مما کے پاس بیٹھی کسی بات پر مسکراتی حبیبہ اور اس کی جانب شفقت سے دیکھتی مما' "کاش یہ منظر یہیں تھم جائے اور حبیبہ کبھی اپنے گھر واپس نہ جائے۔"

بے اختیار ہی اس کے دل سے دعا نکلی' گرے اور پنک فراک میں ملبوس حبیبہ آج پہلے سے کئی گنا حسین دکھائی دے رہی تھی۔

شاہ زین محویت کے عالم میں اسے تک رہا تھا جب مما کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"شیزی۔"

"جی مما۔"

وہ یک دم چونک اٹھا۔

"بیٹا دیر ہوگئی ہے اسے ہوسٹل چھوڑ آؤ۔"

مما کی بات سنتے ہی حبیبہ اٹھ کھڑی ہوئی' شاہ زین کا دل چاہا وہ اسے روک لے' کم از کم آج ایک رات کے لیے وہ یہاں رک جائے ویسے بھی بابا یہاں نہ تھے وہ اور مما گھر میں اکیلے تھے مگر وہ صرف یہ سوچ سکتا تھا کہہ نہیں سکتا تھا کیونکہ جانتا تھا حبیبہ اس کی ایسی بچکانہ خواہش کبھی ماننے پر آمادہ ہونے والی نہ تھی۔

"اچھا آنٹی اللہ حافظ۔"

وہ بڑے پیار سے مما کے گلے لگی۔

"اللہ حافظ بیٹا۔"

اس کے ساتھ ہی ممانے ایک خوب صورت چھوٹا سا پیکٹ اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟"

حبیبہ ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے رک گئی۔

"کچھ بھی نہیں ایک معمولی سا تحفہ ہے تم آج پہلی بار میرے گھر آئی ہو اسی لیے دے رہی ہوں۔"

ممانے اسے ایک بار پھر خود سے لگاتے ہوئے وضاحت دی۔

"مگر آنٹی یہ تو خاصا قیمتی ہے۔"

حبیبہ نے باکس ہاتھ میں تھامتے ہی کھول کر دیکھا۔

"ہاں مگر تم سے زیادہ نہیں۔"

"لیکن آنٹی۔"

"کوئی لیکن ویکن نہیں تم میری بیٹی ہو اور بیٹیاں کبھی بھی ماں کا دیا ہوا لینے سے انکار نہیں کرتیں۔"

اس کی بات درمیان سے کاٹ کر وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

جب کہ اس ساری گفتگو کے دوران شاہ زین بالکل خاموش کھڑا تھا۔

"اور ویسے بھی تم میرے گھر آج پہلی بار آئی ہو اور ہماری روایت ہے کہ پہلی بار اپنے گھر آنے والے مہمانوں کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیتے۔"

وہ اس کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

"او کے آنٹی اللہ حافظ اینڈ تھینک یو آپ کا گفٹ بہت خوب صورت ہے۔"

"ہاں اور میں ایک بار پھر کہوں گی تم سے زیادہ نہیں۔"

جواباً وہ ہلکا سا ہنستے ہوئے بولیں۔

حبیبہ ان سے مل کر شاہ زین کے قریب سے گزرتے ہوئے آگے کی جانب بڑھ گئی اس کے لباس سے اٹھتی کلون کی مہک نے شاہ زین کو مبہوت سا کر دیا اور وہ جانے کتنی دیر اپنی جگہ ساکت کھڑا رہتا اگر مما اسے آواز دے کر نہ پکارتیں۔

"کہاں گم ہو جاؤ اسے چھوڑ کر آؤ آٹھ بجنے والے ہیں۔"

وہ ٹیبل پر رکھی گاڑی کی چابی اٹھا کر خاموشی سے اس کے پیچھے چل دیا۔



"السلام علیکم پاپا۔"

ملک صاحب نے اپنے سامنے پھیلا اخبار سرکاتے ہوئے ایک ہلکی سی نظر ایشال پر ڈالی جو کرسی کھینچ کر عین ان کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔

"وعلیکم السلام۔"

سلام کا جواب دیتے ہی انہوں نے اخبار ایک بار پھر سے اپنے چہرے کے سامنے کر لیا ایشال کی سمجھ میں نہ آیا وہ آگے بات کیسے شروع کرے۔

"پاپا... آپ مجھ سے ابھی تک ناراض ہیں؟"

اپنی ساری ہمت مجتمع کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر سے بول اٹھا۔

"نہیں تو۔"
نہایت ہی مختصر جواب' وہ اخبار میں بری طرح مصروف تھے۔
"پاپا پلیز ہو سکے تو مجھے معاف کر دیں اس نافرمانی پر جو مجھ سے سرزد ہوئی"
وہ لندن واپس جانے سے قبل اپنی ہر غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا تھا۔
"کس بات کی معافی ایشال شاید تم نے سنا نہیں میں نے ابھی کہا تھا کہ میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔"
ملک صاحب نے نہایت نرمی سے جواب دیتے ہوئے اخبار لپیٹ کر اپنے سامنے موجود ٹیبل پر رکھ دیا۔
"بلکہ مجھے تو افسوس ہے میرا ایک غلط فیصلہ انجانے میں کسی معصوم کی زندگی برباد کرنے کا سبب بنا' معافی مجھ سے نہیں اس سے مانگو جس کی زندگی تمہارے نام پر خراب ہوئی۔"
"ہاں پاپا کبھی کبھی تو مجھے بھی ایسا فیل ہوتا ہے جیسے یہ سب اسی کی بددعا کا نتیجہ ہے جو میں آج تک اولاد جیسی نعمت سے محروم ہوں۔" وہ دھیرے سے بولا۔
"شاید اولاد کی کمی نے تمہیں' تمہاری زیادتی کا احساس دلا دیا اسی لیے کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت پوشیدہ ہے ورنہ آج اگر تم صاحب اولاد ہوتے تو کبھی مجھ سے معافی مانگنے کی زحمت نہ کرتے صحیح کہہ رہا ہوں نا۔"
اپنی بات ختم کر کے انہوں نے ایشال سے تائید چاہی جو جواب میں بالکل خاموش' سر جھکائے بیٹھا رہا۔
"بہرحال اولاد کا ہونا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے' اور یہ سب کچھ کسی کی بددعا کا نتیجہ نہیں ہوتا' ہمیں ہر چیز اپنے ٹائم پر اسی وقت ملتی ہے جب وہ ہمارے نصیب میں لکھ دی جاتی ہے' تمہاری اولاد جب تمہارے نصیب میں ہوگی تمہیں ضرور مل جائے گی تم بلاوجہ غلط سوچوں کو اپنے دماغ میں جگہ مت دو۔" وہ آہستہ آہستہ اسے سمجھاتے ہوئے بولے۔
"پاپا مجھے آپ سے ایک اور بات بھی کرنی ہے۔"
ملک صاحب کی بات ختم ہوتے ہی وہ جلدی سے بول اٹھا۔
"پاپا میں آپ کی عائد کردہ شرط کے مطابق اس لڑکی سے ملنے کو تیار ہوں تاکہ اس سے مل کر اسے طلاق دے سکوں میں چاہتا ہوں پاپا آپ اس کی شادی کسی اور اچھی جگہ کر دیں تاکہ وہ بھی اپنی زندگی سکھ کے ساتھ گزار سکے مجھ سے انجانے میں جو حق تلفی ہوئی اس کا ازالہ اس طرح ہی ممکن ہے کہ ہم اسے ایک خوشگوار زندگی دینے کی کوشش کریں۔"
وہ جب تک بولتا رہا ملک صاحب اس کا چہرہ تکتے رہے۔
"فی الحال یہ ناممکن ہے۔"
ایشال کی بات ختم ہوتے انہوں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔
"کیونکہ وہ آج کل یہاں نہیں ہے اس کی ماں کی برسی ہے اور ہر سال وہ ان دنوں لاہور جاتی ہے یہ دو دن ہیں جو اسے خاصا ڈپریسڈ کر دیتے ہیں لہٰذا ان دنوں اس سے اس قسم کی کوئی بات نہیں ہو سکتی بہرحال وہ جیسے ہی واپس آتی ہے میں کوشش کروں گا تمہاری اس سے ملاقات کروا سکوں۔"
ملک صاحب نے ہر بات تفصیل سے بتائی۔
"ایک بات پوچھوں پاپا۔"
ایشال آج ان سے ہر بات کر لینا چاہتا تھا۔
"ہاں پوچھو۔"

"ماں تو وہ مریم آپا اور جاذبیہ کی بھی ہیں تو پھر برسی وہ اکیلی کیوں مناتی ہے یہ دونوں اپنی بہن سے کیوں نہیں ملتیں۔"

"بہت سارے سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ہوتا یا شاید کچھ فیصلے ہم اپنی عدالت میں خود ہی کر کے دوسرے فریق کو سزا بھی سنا دیتے ہیں تمہاری ماں کی طرح شاید ان دونوں کو بھی ایسا لگتا ہے جیسے وہ ان کی بہن نہیں ہے میری بات سمجھ رہے ہو نا تم۔"

"جی میں سمجھ گیا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مگر پاپا اگر یہ سب سچ نہیں ہے تو آپ نے کیوں ان دونوں کو سب کچھ سچ نہیں بتایا۔"

"کیا بتاتا بیٹا تم تو جانتے ہی ہو کہ ایک کی ساس فضا بھابھی ہیں اور دوسری کی تمہاری والدہ محترمہ اور ان دو خواتین کے ہوتے ہوئے تم امید کر سکتے ہو کہ ان دونوں بچیوں کو صحیح بات بتانے کا موقع مل سکے تمہاری طرح ان کے برین بھی واش کر دیے گئے ہیں، تمہیں تو شاید اریشہ کی محبت نے کچھ صحیح سننے نہ دیا اور ان دونوں کو دنیا کی باتوں نے، بہر حال وقت نے ان دونوں کے ساتھ بھی کافی زیادتی کی پھر بھی میں داد دوں گا۔

تمہاری ماں اور تائی کو جنھوں نے مریم اور جاذبیہ کو نہ صرف ماں بن کر پالا بلکہ بہو کا رشتہ جوڑ کر ساری زندگی اپنی آنکھوں کے سامنے بھی رکھا تمہاری ماں نے مریم اور جاذبیہ کو ہمیشہ اپنی سگی اولاد سے بڑھ کر چاہا یہی سبب تھا جو تمہارا نکاح کرتے ہوئے میں نے یہ نہ سوچا کہ معاملہ اس قدر خراب ہو جائے گا مجھے امید تھی کہ تھوڑا غصہ کرنے کے بعد تمہاری ماں اس بچی کو قبول کرنے گی مگر ایسا نہ ہوا جس پر مجھے افسوس ضرور ہے غصہ نہیں بہت ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیں درست فیصلہ نہیں کرنے دیتیں یا شاید قسمت میں جو جیسے لکھا ہو ویسا ہی ہو کر رہتا ہے اور اس سلسلے میں ہم سب بے اختیار ہیں۔"

ملک صاحب نے اپنی بات ختم کرتے، ٹیبل پر رکھا اخبار ایک بار پھر سے اٹھا لیا جس کا مطلب تھا وہ کسی ٹاپک پر مزید بات کرنا نہیں چاہتے۔

"اوکے پاپا۔"

ایشان اٹھ کھڑا ہوا۔

"پلیز آپ میری بات یاد رکھیے گا اور کوشش کیجئے گا کہ اگر وہ میرے واپس جانے سے قبل آجائے تو میری اس سے ملاقات ضرور کروا دیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

ملک صاحب نے ایشان کی جانب دیکھے بنا جواب دیا اور اخبار کے مطالعہ میں کھو گئے۔

☆ ☆ ☆

پتا نہیں میرے اور فرہاد کے درمیان اتنا فاصلہ کیسے آیا کہ میں صرف اس کی ضرورت بن کر رہ گئی، محبت تو جانے کہاں گئی وہ محبت جو میاں بیوی کے رشتہ کا لازمی جزو ہے، ہم دونوں کے درمیان سے بھاپ بن کر اڑ گئی وہ محبت جو ایک شوہر اپنی بیوی سے کرتا ہے میرے لیے صرف ایک خواب تھی، میں مانتی ہوں کہ فرہاد کی بے رخی اور سرد رویہ نے مجھے اس سے دور کر دیا۔

اس عرصہ میں فرہاد میں صرف ایک اچھی تبدیلی یہ آئی کہ وہ نماز پنجگانہ کے ساتھ تہجد بھی پڑھنے لگا، وہ رات باوضو سوتا، صبح چار بجے کے لگ بھگ اٹھ جاتا نماز اور قرآن کی باقاعدہ تلاوت کرتا۔ اپنے سارے دن کی اپنی سرگرمیاں رات وہ یا تمین آپا سے ضرور شیئر کرتا، جو اسے دل کھول کر خراج تحسین پیش کرتے سے کبھی یہ سوال

نہ کرتیں کہ تم حقوق اللہ پورا کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے ہوئے حقوق العباد تو نہیں بھول گئے؟ کہیں وہ حق تو نہیں فراموش کر دیا جو اللہ نے تمہارے ذمہ بیوی کا لگایا تھا۔

کاش وہ یہ سب سوال کرتیں فرہاد کو احساس دلاتیں تو شاید آج وہ سب نہ ہوتا جو ہوا لیکن نہیں سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے نصیب میں جو لکھ دیتا ہے وہ ہر حال میں پورا ہو کر رہتا ہے یقیناً "اگر میرا رب مجھے اس بری گھڑی سے بچانا چاہتا تو وہ حادثہ نہ ہوتا جو اس دن ہوا جس نے مجھے اور فرہاد کو ایک دوسرے کے لیے قطعی اجنبی کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"حبیبہ"

"ہاں بولو۔"

وہ کی بورڈ پر مسلسل انگلیاں چلاتے ہوئے ذرا کی ذرا رکی۔

"تمہیں میری مما کیسی لگیں؟"

اس نے حبیبہ کے چہرے پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

"بہت اچھی اور نائس' میری ان کے بارے میں جو ابتدائی آبزرویشن تھی وہ انتہائی غلط تھی۔"

کمپیوٹر اسکرین سے نظر ہٹا کر اس نے شاہ زین کی جانب دیکھتے ہوئے نہایت صاف گوئی سے جواب دیا۔

"تھینک گاڈ' ورنہ میں تو ڈر رہا تھا جانے تمہاری رائے ان کے بارے میں کیا ہو۔ شاہ زین ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے ہنس دیا۔

"دراصل حبیبہ مما تمہارے گھر والوں سے ملنا چاہتی ہیں۔"

وہ فوراً" سے پیشتر اپنے اصل مدعا کی جانب آیا۔

"میرے گھر والے۔"

حبیبہ کا کی بورڈ پر تیزی سے چلتا ہاتھ یک دم ساکت ہو گیا۔

"ہاں تمہاری امی یا پھر وہ آنٹی جس سے اس دن میں ملا تھا یعنی کوئی بھی تمہارا ایسا فیملی ممبر جس سے مما مل سکیں۔"

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ حبیبہ کو اپنی بات کس طرح سمجھائے۔

"میرے والدین حیات نہیں ہیں اور یہ بات شاید میں پہلے بھی آپ کو بتا چکی ہوں۔" وہ ایک بار پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

"حبیبہ تم ایک سیکنڈ کے لیے اپنا یہ کام چھوڑ کر میری بات نہیں سن سکتیں۔" اب وہ پوری طرح جھنجلا گیا۔

"ہاں بولو میں سن رہی ہوں۔"

حبیبہ شٹ ڈاؤن کرتے ہوئے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور ظاہر ہے رشتہ طے کرنے کے لیے میری مما کا تمہارے کسی فیملی ممبر سے ملنا از حد ضروری ہے۔"

اس نے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کی۔

"واٹ۔"

شاہ زین کی بات سنتے ہی حبیبہ کو ایک جھٹکا سا لگا۔

"مجھ سے شادی۔"

وہ بے ساختہ ہنس دی' اس کو اس طرح ہنستے دیکھ کر شاہ زین کچھ شرمندہ سا ہو گیا' ہنستے ہنستے حبیبہ کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

"آپ میرے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"

اس نے سیدھا شاہ زین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میں کون ہوں؟ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہوں؟ میرا فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ کیا آپ یہ سب جانتے ہیں حیرت ہے شاہ زین اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے قبل آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا ہی نہیں۔"

وہ اب مکمل طور پر سنجیدہ تھی۔

"تم کون ہو؟ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہو؟ یہ سب جاننا میرے لیے انتہائی غیر ضروری ہے میرے لیے ضروری صرف اتنا ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں بس اس سے زیادہ میرے لیے کوئی بات اہمیت نہیں رکھتی۔"

اس کا لہجہ قطعی اور حتمی تھا۔

"حیرت تو اس بات کی ہے کہ میرے بارے میں اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے قبل آپ نے یہ جاننا بھی ضروری نہیں سمجھا کہ آیا میں بھی آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں یا کہ نہیں۔"

وہ کرسی پیچھے کھسکاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو سچ یہ ہے کہ میں آپ سے شادی کر ہی نہیں سکتی کیونکہ آئی ایم آل ریڈی میرڈ۔"

وہ شاہ زین کے اس قدر قریب تھی کہ اس کے بالوں سے اٹھتی مہک شاہ زین کے نتھنوں میں گھس کر اسے بے چین کر گئی۔

"واٹ۔"

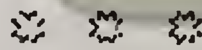
اب جھٹکا لگنے کی باری شاہ زین کی تھی' حبیبہ کی قربت کی مدہوشی سے وہ ایک دم ہی باہر نکل آیا۔

"کیا بکواس ہے یہ۔"

اس کی آواز بے اختیار ہی بلند ہو گئی۔

"یہ بکواس نہیں سچ ہے سو فیصد سچ' میرے ہزبینڈ پاکستان سے باہر ہیں جس کے باعث میں ہاسٹل میں تنہا رہائش اختیار کرنے پر مجبور ہوں اور ایسے میں آپ جیسے لوگ جانے کیا کیا اندازے لگاتے رہتے ہیں۔"

وہ اس کے قریب سے گزر کر باہر جاتے ہوئے بولی' شاہ زین کچھ بول نہ سکا' حبیبہ کے اس انکشاف نے اسے سن کر دیا اور وہ اپنی جگہ ساکت کھڑا رہ گیا۔



"میں مریم اور جاذبیہ کو اسکول سے لے کر گھر واپس آ رہی تھی جب وہ خوفناک حادثہ رونما ہوا جس نے میرے ہوش و حواس کو کچھ دیر کے لیے مفلوج کر دیا ایک منٹ پوری بات بتانے سے قبل میں آپ کو واضح کر دوں جاذبیہ کون تھی؟

جاذبیہ دراصل جگنو کا وہ نام تھا جو اس کے برتھ سرٹیفکیٹ پر درج تھا جبکہ جگنو تو میں اسے صرف پیار سے پکارتی تھی۔ ہاں تو میں آپ کو اس حادثے کے بارے میں بتا رہی تھی جب روڈ کراس کرتے ہوئے بالکل اچانک ہی ایک تیز رفتار گاڑی مریم کو ٹکر مارتی گزر گئی۔ اس کا سر فٹ پاتھ سے ٹکرایا اور وہ وہیں بے ہوش ہو کر گر گئی اسے اس طرح خون میں لت پت دیکھ کر میں اپنے حواس کھو بیٹھی' مریم کے گرد ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا بھانت بھانت کی

آوازیں میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں مجھ کو سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ کیا کرنا ہے۔جب یک دم مجمع کو چیرتا ہوا ایک شخص آگے بڑھا۔

"ہٹیں سب لوگ یہاں سے۔بجائے بچی کو اسپتال لے جانے کے آپ سب لوگ یہاں کھڑے باتیں بنا رہے ہیں۔"

لوگوں کو لتاڑنے کے بعد اس نے میری جانب دیکھا۔

"گھبرائیں مت کچھ نہیں ہوا اسے معمولی زخمی ہے اسپتال جا کر مرہم پٹی ہو گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔"

مجھے تسلی دینے کے بعد اس نے مریم کو گود میں اٹھا لیا یہ دیکھے بنا کہ مریم کا خون اس کے سفید کلف شدہ لباس کو خراب کر رہا ہے۔

"پلیز آپ میرے ساتھ آئیں۔"

اور میں خاموشی سے روتی ہوئی جگنو کو گود میں لیے اس اجنبی شخص کی گاڑی میں جا بیٹھی کیونکہ اس وقت میرے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا وہ شخص کون ہے؟یہ جاننے سے زیادہ ضروری میرے نزدیک میری بچی کی زندگی تھی اس کی بے ہوشی میرے دل کو ہولا رہی تھی مگر میں خدا پر مکمل بھروسا کیے اس کی گاڑی میں سوار اسپتال کی جانب رواں دواں تھی۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو بیٹا کوئی بھی مسئلہ اس طرح رونے دھونے سے حل نہیں ہوتا۔"

سالار نے اپنے سامنے بیٹھی بری طرح روتی اس لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا۔

"میرا مشورہ مانو ایک دفعہ ایشال سے مل لو اور ختم کرو اس کہانی کو جس نے تمہاری ساری زندگی کو ایک اذیت بنا دیا میں نے صمد کو پہلے ہی سمجھایا تھا کہ تمہیں ایشال سے طلاق دلوا دے تاکہ ہم تمہاری بھی کہیں اور شادی کر سکیں اور تم ایک خوش گوار زندگی میں داخل ہو کر ماضی کی تمام تلخیوں کو بھلا سکو مگر جانے کیوں اس وقت تم دونوں نے ہی میری بات نہ مانی۔بہرحال اب بھی کچھ نہیں بگڑا صمد کی شرط کے مطابق ایشال تم سے ملاقات کرنے کو تیار ہے دوسرے لفظوں میں وہ تم سے مل کر تمہیں طلاق دینا چاہتا ہے۔"

اس نے روتے روتے اپنا سر اٹھایا۔

"ظاہر ہے بیٹا اگر وہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتا تو اریشہ سے شادی بھی کیوں کرتا۔"سالار کی دلیل معقول تھی۔

"مگر انکل۔"

طلاق کا خوف اس کے دل میں کسی ناگ کی طرح پھن پھیلائے بیٹھا تھا اور یہ بات سالار سے زیادہ بہتر کون جان سکتا تھا۔

"کوئی اگر مگر نہیں۔حقیقت کا سامنا کرو بچے زندگی ریت میں سر دے کر نہیں گزرتی اسے فیس کرنا پڑتا ہے ویسے بھی جب تک ایک مشکل ختم نہ ہو ہم آسانیوں کی راہ پر قدم نہیں رکھ سکتے میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

سالار آج اسے ہر بات کھل کر سمجھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم ایشال سے طلاق لو تاکہ تمہاری کہیں اور شادی کی جا سکے ساری جوانی اس طرح تنہائی کا عذاب سہتے ہوئے نہیں گزر سکتی یہ ایک بہترین وقت ہے ٹھیک فیصلہ کرنے کا اپنی مری ہوئی ماں کی روح کو سکون دینے کا اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ہمت کرو اور اپنے حق میں فیصلہ کی خاطر ایشال کا سامنا کرو۔"

سالار انکل ٹھیک کہہ رہے تھے یہ ہی تو وہ وقت تھا جس کا انتظار جانے اسے کب سے تھا۔
"ٹھیک ہے انکل میں ایشان سے ملنے کے لیے تیار ہوں۔"
اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے سالار کی جانب دیکھا۔
"مجھے تم سے یہ ہی امید تھی یاور کھنا بیٹا مجھے اپنے رب پر پورا بھروسا ہے اس نے ضرور تمہارے لیے ایک ایسا متبادل رکھا ہوگا' جو پہلے سے کئی گنا بہتر ہوگا اور ان شاءاللہ وہ تمہیں ضرور مل کر رہے گا' جو تمہارے نصیب میں لکھا جا چکا ہے۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولے۔

☼ ☼ ☼

"تم نے حبیبہ سے بات کی تھی۔"
مما نے صوفے سے سر ٹکائے' آنکھیں موندے شاہ زین کا لندھا ہلا دیا۔
"جی مما۔"
وہ جلدی سے سیدھا ہو بیٹھا اس کی آنکھیں بالکل سرخ تھیں شاید اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔
"پھر کیا جواب ہے' مجھے اس کی آنٹی سے۔"
"شاید کبھی نہیں۔"
وہ نظریں چراتے ہوئے دھیرے سے بولا۔
"کیوں۔"
مما کو حیرت ہوئی۔
"حبیبہ نے انکار کر دیا ہے کیا؟"
اس کے علاوہ کوئی وجہ ان کی سمجھ میں نہ آئی۔
"جی مما۔"
اس کی آواز رندھ گئی۔
"مما! شادی شدہ ہے اور مجھے دیکھیں میں اتنا بے خبر تھا کہ مجھے اس بات کا آج تک علم ہی نہ ہوا یہاں تک کہ کرن بھی اس کی شادی کے بارے میں قطعی کچھ نہیں جانتی' پتا نہیں مما مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا کہ حبیبہ نے اپنی شادی کے حوالے سے جو کچھ مجھ سے کہا آیا وہ سچ بھی ہے یا جھوٹ۔"
ایک بے بسی سے اس کے لہجہ میں در آئی۔
"شوہر کہاں ہے اس کا؟"
مما اس کی کسی بھی بات پر توجہ دیے بنا تیزی سے بولیں۔
"شاید ہیں باہر رہتا ہے کسی اور ملک میں میں نے پوچھا نہیں۔"
"اوہ میرے خدایا! اس کا مطلب میں جو کچھ سمجھ رہی تھی وہ سچ تھا۔"
ان کی آواز کپکپا رہی تھی یا شاید شاہ زین کو ایسا محسوس ہوا۔
"میرے ساتھ آؤ۔"
وہ تیزی سے اوپر جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھیں شاہ زین عالم حیرت میں گھرا ان کے ساتھ ہو لیا۔ جب وہ اسٹڈی کا دروازہ کھول کر پاپا کے عین سامنے جا کھڑی ہوئیں۔
"سالار۔"

انہوں نے پاپا کو پکارا' شاہ زین کو ان کی آواز رندھی ہوئی محسوس ہوئی ان کی آنکھیں سرخ تھیں یقیناً" وہ رو رہی تھیں۔

"حبیبہ کون ہے؟؟"

پاپا کے کچھ کہنے سے قبل ہی انہوں نے وہ سوال کردیا جسے سنتے ہی پاپا حیرت کے عالم میں منہ کھولے ان کی جانب دیکھنے لگے۔

"مجھے بتائیں سالار حبیبہ کون ہے؟؟"

اب وہ باقاعدہ رو رہی تھیں' شاہ زین کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا یہ سب کیا ہو رہا ہے وہ ہکا بکا ان دونوں کی جانب تک رہا تھا۔

"تم جو سمجھ رہی ہو وہ بالکل درست ہے نازیہ۔"

پاپا اپنا قلم ٹیبل پر رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے' آہستہ آہستہ چلتے وہ مما کے قریب آن کھڑے ہوئے۔

"حبیبہ زینب کی بیٹی ہے۔"

"اوہ میرے خدایا آپ نے آج تک مجھ سے یہ بات چھپائی اس لیے میں جب اسے دیکھتی تھی مجھے زینب کی یاد آجاتی تھی۔" پاپا خاموشی سے سر جھکائے کھڑے تھے۔

"وہ تمہاری بھابھی ہے شاہ زین' تمہارے بھائی ایشال کی منکوحہ جسے طلاق دیے بنا اس نے اریشہ سے شادی کرلی۔"

مما نے پلٹ کر شاہ زین کی جانب دیکھا جو اپنی جگہ بالکل ساکت کھڑا تھا یہ ایک ایسا انکشاف تھا جس نے اسے بالکل سن کردیا تھا اور وہ کچھ بھی بولنے کے قابل بھی نہ رہا تھا ایک کے بعد ایک انکشاف نے اسے دنگ کرکے رکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"پلیز آپ روئیں مت آپ کی بچی اب بالکل ٹھیک ہے صرف خوف کے باعث بے ہوش ہوگئی تھی اب ماتھے پر لگی چوٹ کی ڈریسنگ ہوگئی ہے' بچی بھی ہوش میں ہے آپ چاہیں تو میرے فون سے اپنے گھر اس حادثہ کی اطلاع دے سکتی ہیں۔"

سامنے کھڑے شخص نے موبائل میری جانب بڑھایا۔

میں جیسے یکدم ہوش میں آئی مجھے یاد آیا حبیبہ صبح سے اوپر فائزہ کے پاس تھی' فرہاد جب دوپہر میں گھر آیا ہوگا تو ہمیں نہ پاکر یقیناً" پریشان ہوا ہوگا سوچ رہا ہوگا میں جانے کہاں گئی' یہ بھی سب سوچتے ہوئے میں نے اپنے پرس سے وہ پرچی نکالی جس پر فرہاد کا موبائل نمبر درج تھا اور خاموشی سے سامنے کھڑے شخص کی جانب بڑھادی' اس نے نمبر ملایا اور فون میری سمت بڑھادیا۔

"ہیلو فرہاد میں زینب بات کررہی ہوں۔"

فرہاد نے فون ریسیو کرتے ہی میں بے قراری سے بولی۔

"کہاں ہو تم فائزہ کئی بار پوچھ چکی ہے' بچی نے رو رو کر اپنا برا حشر کرلیا ہے اور یہ کس کے نمبر سے بات کررہی ہو تم۔"

اسے جیسے اچانک ہی یاد آیا کہ میرے پاس تو موبائل فون ہی نہیں ہے' جواباً" میں نے اسے ساری بات بتادی۔

"اوہ کہاں ہو تم اس وقت' میرا مطلب کس اسپتال میں ہو اور مریم کیسی ہے؟؟"

اس کے لہجہ کی بے قراری مجھے اچھی لگی۔

"اب تو اللہ کا شکر ہے کہ وہ ٹھیک ہے۔"

جواب کے ساتھ ہی میں نے اسپتال کا نام بھی بتا دیا۔

"کیا ضرورت تھی اتنے مہنگے پرائیویٹ اسپتال جانے کی۔"

اسپتال کا نام سنتے ہی فرہاد کا موڈ آف ہو گیا۔

"قریب ہی ایک سرکاری ڈسپنسری تھی وہاں لے جاتیں مگر اب تمہیں کون سمجھائے تمہیں تو صرف ایک ہی شوق ہے کسی بہانے فرہاد کا روپیہ برباد کرنے کا۔"

وہ وقت ان باتوں کا نہیں تھا' میری کچھ دیر قبل والی خوشی کافور ہو گئی۔

"بہرحال میں آرہا ہوں۔"

میرا جواب سنے بنا اس نے فون بند کر دیا۔

"میرے ہزبینڈ آرہے ہیں۔"

میں نے فون اپنے سامنے کھڑے شخص کی جانب بڑھا دیا جو میری طرف ہی متوجہ تھا۔

"میرا خیال ہے آپ مسز فرہاد ہیں۔"

فون تھامتے ہی اس نے اپنا خیال ظاہر کیا جو سو فیصد درست تھا۔

میں حیران ہو گئی وہ مجھے کیسے جانتا تھا۔

"آپ شاید مجھے نہیں جانتیں میں فائزہ کا بھائی ہوں آپ کے گھر اس دن چابی کے لیے آیا تھا۔"

"اوہ۔۔۔"

تو یہ ہی سبب تھا' وہ شخص مجھے کہیں دیکھا ہوا لگ رہا تھا۔

"آپ کی بچیاں تو اکثر مجھے فائزہ کے گھر دکھائی دیتی ہیں بہرحال آپ کی بیٹی ڈسچارج ہو چکی ہے' میں فائزہ ہی کی طرف جا رہا ہوں آپ اگر چاہیں تو آپ کو بھی ڈراپ کر دوں گا۔" وہ سوالیہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں شکریہ آپ کا' بس فرہاد ابھی آتے ہی ہوں گے۔"

جانتی تھی اگر اس وقت میں فرہاد کو اسپتال میں نہ ملی تو کئی دنوں تک اس کا موڈ آف رہتا تھا نہ صرف یہ بلکہ اس نے مجھے بہت باتیں بھی سنانی تھیں اس لیے بہتر تھا سامنے کھڑے شخص کو صاف منع کر دیا جائے۔

"جیسے آپ کی مرضی۔"

مریم کو نرس نے میرے قریب ہی رکھی کرسی پر لا بٹھایا' ساتھ ہی ایک چھوٹا سا پلاسٹک کا بیگ جس میں اس کی دوائیاں تھیں۔

"میں نے بل پے کر دیا ہے کچھ زیادہ نہیں تھا۔"

مجھے الجھن میں جتلا دیکھ کر وہ فوراً ہی سمجھ گیا۔

"ویسے اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں۔"

وہ شخص گہری نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"جی پوچھیں۔"

میں نے چادر کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ لیا۔

"آپ استانی فضیلت کی بیٹی تو نہیں ہیں وہ جو مغل پورہ میں بچوں کو قرآن شریف پڑھاتی ہیں غالباً" اس کا نام بھی زینب ہی تھا۔۔۔"

مجھے حیرت ہوئی فائزہ نے تو کبھی مجھ سے اس حوالے سے بات نہیں کی تھی۔
"پلیز آپ کچھ غلط مت سمجھیں میں بھی وہیں کا رہائشی ہوں ہمارا گھر آپ کی دوسری گلی میں تھا آپ نے یقیناً مجھے نہیں دیکھا ہوگا مگر میں نے اکثر آپ کو اسکول سے گھر آتے جاتے دیکھا تھا۔"
"آپ نے ٹھیک پہچانا استانی فضیلت میری والدہ ہیں۔"
کسی شخص کی یادداشت اتنی اچھی بھی ہو سکتی ہے میں حیران تھی۔
"اچھا اللہ حافظ میں اب چلتا ہوں۔"
شاید وہ میری بے چینی بھانپ گیا تھا اس لیے اٹھ کھڑا ہوا۔
میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کیوں کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ فرہاد کے آنے تک وہ یہاں موجود رہے۔
"آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے آج میری بہت مدد کی۔"
مجھے بروقت یاد آیا کہ اس شخص کی مہربانی کے باعث ہی آج مریم اسپتال پہنچائی تھی۔
"کوئی بات نہیں۔"
مجھے جواب دے کر وہ شخص باہر نکل گیا۔



"بی بی جی آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔"
"کون ہے؟"
حبیبہ نے الماری کے پٹ بند کر کے رابعہ کی جانب دیکھا جو اسی ہاسٹل کی ملازمہ تھی۔
"پتا نہیں جی کوئی بیگم صاحبہ ہیں۔"
"بیگم صاحبہ۔" حبیبہ نے حیرت سے دہرایا۔
"یہ مجھ سے ملنے کون آگیا؟"
اس نے دل ہی دل میں سوچا ضرور مگر بولی نہیں۔
"اچھا انہیں بٹھاؤ میں آرہی ہوں۔"
بالوں کو اچھی طرح سنوار کر گلے میں دوپٹا ڈالے جیسے ہی وہ ویٹنگ روم میں داخل ہوئی خلاف توقع اپنے سامنے موجود نازیہ کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔
"آنٹی آپ۔"
وہ اتنی ایکسائیٹڈ ہوئی کہ سلام کرنا بھی بھول گئی۔
"ہاں بیٹا میں....." وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"پلیز آنٹی بیٹھیں آپ۔"
"مجھے معاف کر دینا حبیبہ میں نہیں جانتی تھی کہ تم کون ہو۔"
حبیبہ کے قریب آکر اسے سینے سے لگاتے ہوئے وہ اتنا بے اختیار بولیں کہ حبیبہ ہکا بکا رہ گئی۔
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو سالار انکل نے سب کچھ بتا دیا ہے۔"
نازیہ آنٹی کے رویہ نے اس پر ہر بات واضح کر دی۔
"ہاں بیٹا وہ سب کچھ جس کا تعلق تمہاری ماں کی ذات سے تھا آج ہم وہ سب جان گئے جو نہ جانتے تھے اور اللہ

تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے ہم اس کے لیے بہت کچھ غلط سمجھتے رہے ہمیشہ اس غلط فہمی کا شکار رہے کہ تم شاید فرہاد کی بیٹی ہی نہیں ہو یہ سب وہ غلط باتیں ہیں جو فضہ بھابھی نے شروع دن سے ہی ہمارے دنوں میں ڈال دی تھیں ایسی باتیں جو میں اور صباحت چاہ کر بھی دل سے نہ نکال سکے۔ بہر حال بیٹا اب ہو سکے تو ہمیں معاف کردو بے شک گزرا وقت واپس نہیں آسکتا پھر بھی ہم یہ چاہیں گے کہ تمہارے ساتھ جو بھی زیادتی آج تک ہوئی ہے اس کا کسی حد تک ازالہ کیا جاسکے۔"

وہ رو رہی تھیں جواباً "حبیبہ کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔

"رات میری مریم اور جاذبہ دونوں سے بات ہوئی ہے وہ دونوں بھی بے حد شرمندہ ہیں اور تم سے ملنا چاہتی ہیں بس بیٹا تم ہم سب کو معاف کردو۔"

انہوں نے روتی ہوئی حبیبہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"پلیز آنٹی آپ مجھے شرمندہ مت کریں۔"

اتنی محبت کا تو حبیبہ نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا' اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر نازیہ کے بندھے ہاتھ کھول لیے۔

"آنٹی میری اماں آپ سے بہت محبت کرتی تھیں انہوں نے ہمیشہ آپ کو اچھے الفاظ میں یاد کیا۔"

"ہاں بیٹا میں جانتی ہوں وہ مجھ سے اپنی سگی بہن سے بھی بڑھ کر محبت کرتی تھی بس میں ہی اپنی ناسمجھی کے باعث دوسروں کی باتوں میں آگئی میں تمہیں یہاں سے لینے آئی ہوں اپنا سامان پیک کرو تمہیں آج اور اسی وقت یہاں سے جانا ہے تم یہ ہاسٹل چھوڑ رہی ہو اور یہ ہم سب کا متفقہ فیصلہ ہے۔"

وہ شاید سب پہلے طے کرکے آئی تھیں۔

"مگر آنٹی۔"

"اگر مگر کچھ نہیں جلدی جلدی سامان پیک کرو اور ہمارے ساتھ گھر چلو۔"

پشت کی جانب سے آئی یہ آواز یقیناً "سالار انکل کی تھی حبیبہ حیرت سے پلٹی۔

"ہاں بیٹا ہماری کوتاہیوں کے باعث تم نے بہت قید تنہائی کاٹ لی اب ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ تم مزید ایک پل بھی یہاں رہو۔"

سارے فیصلے ہوچکے تھے حبیبہ کے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تمہارا ویٹ کررہی ہوں تم اپنا سامان لے آؤ۔"

"اوکے آنٹی۔"

جواب دے کر وہ باہر نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا ضرورت تھی اتنے مہنگے اسپتال جانے کی' قریبی کسی کلینک سے پٹی کروالیتیں بلاوجہ اتنا پیسہ برباد کیا۔"

یہ وہ جملہ تھا جو جانے دن میں کتنی بار مجھے فرہاد سے سننا پڑتا جبکہ بل کی مد میں خرچ ہونے والی رقم وجاہت نے ہم سے نہیں لی تھی۔ فرہاد کی اس گفتگو نے مجھے جی بھر کر بدظن کردیا' مریم اب بالکل ٹھیک تھی ماتھے پر زخم کا نشان بھی خاصا مندمل ہوچکا تھا۔۔۔ مریم کے ساتھ پیش آنے والے اس اتفاقی حادثہ نے مجھے فائزہ کے خاصا قریب کردیا شاید اس کی ایک وجہ وجاہت بھی تھا عموماً "جب بھی میں اوپر جاتی وہ پہلے سے ہی موجود ہوتا ورنہ فائزہ مجھے نیچے سے بلا کر لے جاتی' ان دونوں بہن بھائیوں کی سنگت میں میرا وقت اتنا اچھا گزرنے لگا کہ میں آہستہ آہستہ اپنے ہر

کی تنخیاں بھولنے لگی۔

وجاہت اپنی بہن کے لیے جب بھی کچھ لاتا میرا حصہ ضرور ہوتا اور پھر جانے کیسے ایسا ہوا کہ ہم دونوں کے درمیان سے فائزہ نکل گئی اب صرف میں اور وجاہت ہی رہ گئے یہ سب کیسے ہوا مجھے پتا ہی نہیں چلا سو وہ میری اتنی تعریفیں کرتا کہ میرا دل چاہتا وہ اسی طرح بولتا رہے اور میں اس کے سامنے بیٹھی سنتی رہوں اور اس دن تو میں بہت ہی حیران ہوئی جب وجاہت نے بتایا کہ وہ مجھے شادی سے پہلے پسند کرتا ہے اس نے اعتراف کیا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا تھا اور وجاہت کی یہ بات سن کر جانے کتنے دنوں تک میں ایک صدمے کی سی کیفیت میں مبتلا رہی۔

"کاش وجاہت مجھے شادی سے پہلے مل جاتا تو یقیناً" آج فرہاد کی جگہ وہ ہوتا اور پھر صورت حال قدرے مختلف ہوتی۔"

رفتہ رفتہ اس سوچ نے میرے دماغ کو بالکل مفلوج کردیا۔ فرہاد سے مجھے بالکل انسیت نہ رہی وہ میرے لیے قطعی اجنبی بن گیا' پہلے وہ مجھے اگنور کرتا تھا اب میں نے اسے اگنور کرنا شروع کردیا وقت نے مجھے ضرورت اور محبت کے درمیان فرق سمجھادیا۔ وجاہت کی محبت نے مجھے اپنی نظروں میں دنیا کی حسین ترین عورت قرار دے دیا' میں بھول گئی کہ ایک شادی شدہ عورت ہونے کے ناطے میرے فرائض کیا ہیں؟ میں اپنی تینوں بچیوں کو یکسر فراموش کرکے وجاہت کی محبت میں غرق ہوگئی۔

اس کا تعریفیں کرنا' میری ہر ضرورت کا خیال رکھنا' یہاں تک کہ محبت سے میری جانب تکنا' یہ سب وہ کچھ تھا جو مجھے آٹھ سالہ ازدواجی زندگی میں کبھی نہ ملا وجاہت نے میری ترسی روح کو سیراب کردیا۔ کیا گناہ کیا تو اب اپنے نفس کی تسکین کے لیے میں سب کچھ بھلا بیٹھی۔ کسی نے صحیح کہا ہے "عورت اور مرد کی تنہائی میں تیسرا وجود شیطان کا ہوتا ہے۔" وہ شیطان ہم دونوں کے درمیان داخل ہوچکا تھا اپنے آپ کو تباہی کے دہانے کی طرف دھکیل کر شاید میں فرہاد سے انتقام لے رہی تھی۔ میں سارا دن نک سک سے تیار رہتی میری یہ تیاری وجاہت کے لیے ہوتی فرہاد میری طرف متوجہ ہے یا نہیں اس بات کی اہمیت میرے نزدیک بالکل ختم ہوگئی تھی۔



آج ملک انکل کے ساتھ آنٹی اور ایشال بھی آرہے تھے' شاید اریشہ بھی ان کے ساتھ تھی مگر اسے کسی سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی اس کے لیے پریشانی کی بات تو صرف یہ تھی کہ شاہ زین اسے مسلسل اگنور کررہا تھا وہ جب سے یہاں آئی تھی اس کا سامنا بہت کم ہی شاہ زین سے ہوتا مگر جب بھی کبھی اتفاق سے وہ اس کے سامنے آتا ایک دم ہی اجنبی سا بن جاتا اور یہ بھی بات حبیبہ کے لیے باعث تکلیف تھی ابھی کچھ دیر قبل ہی اسے نازیہ آنٹی نے بتایا تھا کہ انکل اور آنٹی صباحت کے ساتھ ایشال اور اریشہ اس سے ملنے آرہے ہیں للہٰذا وہ اچھی طرح تیار ہو کر نیچے آجائے' مگر وہ نہایت بددلی سے بیڈ پر بیٹھی جانے کیا سوچ رہی تھی جب کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں نیچے مما تمہارا انتظار کررہی ہیں۔"

یہ آواز یقیناً" شاہ زین کی تھی اس نے چونک کر سر اٹھایا وہ اس کے عین سامنے سینے پر دونوں ہاتھ باندھے کھڑا اس کی ہی جانب متوجہ تھا۔ شاہ زین کو آج اتنے دنوں بعد خود سے مخاطب دیکھ کر وہ یک دم ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی آنسو خود بخود اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

"تم آن حبیبہ خود کو مضبوط کرو' ایشال کو احساس دلاؤ کہ وہ تمہارے لیے اتنا ہی غیر اہم ہے جتنی تم اس کے لیے' اس کا سامنا خود اعتمادی سے کرو' جتنے آنسو بہانا ہے ابھی بہاؤ اور رو لو جتنا رونا ہے مگر خدا کے لیے اس کے سامنے

اس طرح مت رونا اس کے سامنے بہنے والا ایک آنسو کا قطرہ بھی تمہاری اہمیت ختم کردینے کے مترادف ہے میری بات سمجھ رہی ہونا۔"

حبیبہ کے آنسو اسے بے چین کر گئے۔

"میں اس کے لیے نہیں رو رہی۔"

حبیبہ نے تیزی سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے وضاحت دی۔

"میں تو صرف اس لیے رو رہی ہوں کہ آج اتنے دنوں بعد تم نے مجھے مخاطب کیا' مجھ سے بات کی' تمہیں اس طرح اچانک اپنے سامنے دیکھ کر مجھے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ بے اختیار ہی آنسو آنکھوں سے بہہ نکلے ورنہ ایشال میرے لیے اتنا اہم نہیں کہ اس کے لیے اپنے قیمتی آنسو ضائع کروں۔"

اس کی فطری خود اعتمادی لوٹ آئی۔

"گڈ مجھے ایسی ہی حبیبہ چاہیے خود اعتماد اور حاضر جواب' اب وہ کچھ ہی دیر میں پہنچنے والے ہیں جلدی سے تیار ہو کر نیچے آجاؤ۔"

شاہ زین کا دل بہت کچھ کہنے کو چاہا' مگر وہ اتنا ہی کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ گیٹ کے دوسری طرف تیز ہارن کی آواز سنائی دی اس نے کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا کر نیچے جھانکا گاڑی ملک انکل کی تھی' خان چاچا نے گیٹ کھول دیا تھا وہ پردہ چھوڑ کر تیزی سے الماری کی جانب بڑھی اپنا ڈریس نکالا اور باتھ روم میں گھس گئی۔

☼ ☼ ☼

آج فضہ بھابھی کے گھر میلاد تھا' میں فرہاد کے ساتھ جب وہاں پہنچی تقریباً" میلاد ختم ہونے والا تھا۔ میلاد کے بعد کھانے کا اہتمام خواتین کے لیے چھت پر ہی تھا سب سے فارغ ہو کر میں نیچے آئی جہاں لاؤنج میں فرہاد' اسفند بھائی کے ساتھ موجود تھا' مجھے جلدی واپس گھر جانا تھا کیوں کہ صبح مریم اور جازبہ (یہ جگنو کا اصل نام تھا اور وہ جب سے اسکول داخل ہوئی تھی میں اسے اسی نام سے پکارنے کی عادی ہو چکی تھی) کا اسکول تھا اور جازبہ اگر کسی وجہ سے سونے میں لیٹ ہو جاتی تو صبح اٹھنے سے بہت تنگ کیا کرتی۔

"فرہاد کھانا کھا لیا ہے تو آجائیں گھر چلیں۔"

تیزی سے بولتے ہوئے میرا جملہ درمیان میں ہی رہ گیا' لاؤنج میں فرہاد اور اسفند بھائی کے ساتھ ایک تیسری شخصیت بھی موجود تھی۔ جس پر پڑنے والی پہلی نظر نے ہی مجھے ساکت کر دیا میرے عین سامنے والے صوفے پر سالار موجود تھا۔

"السلام علیکم زینب کیسی ہیں آپ.....؟" مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"شکر الحمدللہ بالکل ٹھیک ہوں" آجائیں فرہاد دیر ہو رہی ہے۔"

اسے جواب دے کر میں نے فرہاد کو مخاطب کیا اور خود لاؤنج سے باہر نکل آئی۔ سالار اور نازیہ نے پچھلے کچھ عرصہ میں مجھے اگنور کیا تھا' جس کا احساس ابھی بھی میرے دل میں پوری طرح موجود تھا یہ ہی وجہ تھی جو میرا دل سالار سے زیادہ بات کرنے کو بالکل نہیں چاہا۔

☼ ☼ ☼

"تم نے ایک بات نوٹ کی؟"

فضہ بھابھی نے حسب عادت سسپنس پھیلاتے ہوئے سوال کیا۔

"کون سی بات؟" صباحت جانتی تھیں ان کی پٹاری میں ضرور کوئی نئی بات موجود ہوگی۔

"زینب خاصی بدل گئی ہے۔"

جانے کیوں زینب ہمیشہ ان کی خصوصی توجہ کا مرکز رہی اور یہ بات صباحت سے زیادہ بھلا کون جان سکتا تھا۔

"میں آپ کی بات سمجھی نہیں بھابھی آپ کس تبدیلی کی بات کر رہی ہیں؟"

"زینب کے رویہ کی جو پہلے سے بالکل بدل چکا ہے پہلے والی اپنائیت اور لگاوٹ تو اب اس میں سرے سے غائب ہو چکی ہے اس کی جگہ عجیب سی سرد مہری اس کے مزاج کا حصہ بن گئی ہے۔"

جانے ان کا پیش کردہ تجزیہ درست تھا یا غلط' صباحت سمجھ نہ پائیں۔

"میری تو ایک ماہ قبل فون پر اس سے بات ہوئی تھی مجھے تو ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا۔"

"اچھا۔"

فضہ بھابھی کچھ مایوس سی ہو گئیں۔

"ہو سکتا ہے مگر جانے کیوں مجھے زینب کچھ عجیب سی لگنے لگی ہے۔" وہ اپنی بات سمجھا نہیں پا رہی تھیں۔

"چلو خیر چھوڑیں کیا۔"

وہ سمجھ چکی تھیں کہ صباحت ان کی گفتگو میں دلچسپی نہیں لے رہیں اس لیے ہی انہوں نے بات کو ختم کرتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے مسلسل بچیوں کی پیدائش نے اسے تھوڑا سا بدول کر دیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔"

صباحت نے ان کی بات سے مکمل طور پر اتفاق کیا۔

☼ ☼ ☼

فرہاد کافی دیر سے فون پر بزی تھا اس کی گفتگو سے میں اندازہ لگا چکی تھی کہ یقیناً" دوسری جانب یاسمین آپا ہیں' مگر اب میں نے ان فون کالز سے پریشان ہونا چھوڑ دیا تھا' وہ دونوں بہن بھائی کیا بات کر رہے تھے مجھے اب یہ سب جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ فرہاد کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے میں ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھی جب اچانک اوپر جانے والی سیڑھیوں سے فائزہ نے مجھے آواز دی۔

"زینب آنی... زینب آنی۔"

"ہاں کیا ہوا؟" ٹی وی آف کر کے میں فوراً" صحن میں نکل آئی۔

"مچھلی کھائیں گی وجاہت بھائی لے کر آئے ہیں۔"

وہ سیڑھیوں کے اوپر منڈیر پر جھکی مجھ سے پوچھ رہی تھی وجاہت پچھلے دو دن سے اپنے چھوٹے بھائی کے پاس حیدر آباد گیا ہوا تھا اب فائزہ کی بات سنتے ہی میں سمجھ گئی کہ وہ واپس آ چکا ہے میرا دل یک دم ہی خوشی سے بھر گیا۔

"میں اوپر ہی آ رہی ہوں۔"

اسے جواب دے کر میں نے جلدی جلدی اپنا حلیہ درست کیا اور اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ مجھے پیچھے کی کوئی فکر نہیں تھی کیوں کہ جانتی تھی کہ میں کتنی ہی دیر بعد گھر واپس آؤں فرہاد نے کوئی پروا نہیں کرنی یہاں تک کہ بستر میں جانے سے قبل اس نے آواز دے کر مجھے نیچے بھی نہیں بلانا' اس کے اس قسم کے رویہ نے ہی مجھے شاید اس قدر آزاد اور خود سر بنا دیا تھا' شاید میں بھی دوسروں کی طرح اپنی غلطیوں کا الزام خود سے منسلک دوسرے افراد پر ڈالنے کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

بے چینی ایشال کے چہرے سے چھلک رہی تھی ' ارشہ نے ایک نظر بغور اس کے چہرے کی جانب تکا اور دوسری نظر اپنے بالکل سامنے بیٹھی صباحت آنٹی پر ڈالی جو نہایت اطمینان سے نازیہ آنٹی سے محو گفتگو تھیں وہ نفرت جو حبیبہ کا نام سنتے ہی ان کے چہرے پر چھا جایا کرتی تھی آج سرے سے غائب ہو چکی تھی یعنی کافی کچھ بدل چکا تھا اور جو رہ گیا تھا وہ کچھ ہی دیر میں تبدیل ہونے والا تھا۔ وہ کہانی جو آج کئی سال قبل شروع ہوئی تھی بہت سارے لوگوں کو کتنی عرصہ تک تکلیف میں مبتلا رکھ کر آج ختم ہونے والی تھی۔

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا جانے حبیبہ اب تک کیوں نہیں آئی تھی وہ بڑی شدت کے ساتھ اس کی آمد کی منتظر تھی ہوا سے دیکھنا چاہتی تھی اس سے ملنا چاہتی تھی حبیبہ نامی وہ تلوار 'جو کئی سالوں سے ان دونوں میاں بیوی کے سر پر لٹک رہی تھی آج اس سے نجات کا دن تھا' وہ چاہ رہی تھی کہ ہر عمل بخوبی انجام پا جائے اور جتنی جلد ہو سکے ایشال حبیبہ کو طلاق دے دے۔

وہ ان ہی سوچوں میں غرق تھی جب دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اس نے فوراً" گردن گھما کر دیکھا اندر داخل ہونے والا شاہ زین تھا اس کے ساتھ ساتھ ایشال کے چہرے پر بھی ایک مایوسی سی چھا گئی۔

☼ ☼ ☼

"ایک بات کہوں زینب۔"

وجاہت نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے سر اس کے کندھے سے ٹکاتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

"مجھ سے شادی کرو گی۔"

"کیا۔"

میں نے جھٹکے سے آنکھیں کھولتے ہوئے سیدھی ہو گئی' کچھ سال قبل یہ جملہ اسی طرح میرے کانوں نے سنا تھا' مگر کہنے والا شخص کوئی اور تھا آج پھر میں اسی جگہ کھڑی تھی وہ ہی جملہ اور ویسی ہی محبت مگر کہنے والا کوئی اور۔۔۔

"میری بات کا جواب دو زینب۔"

میری خاموشی نے شاید اسے پریشان کر دیا۔

"مگر یہ کیسے ممکن ہے میں تو پہلے ہی شادی شدہ ہوں۔"

اس دفعہ میرا لہجہ پہلے سے خاصا کمزور تھا وہ مضبوطی جو سالار کو جواب دیتے ہوئے میرے انداز میں تھی آج وہ کہیں نہ تھی شاید فرہاد کے رویہ نے مجھے اندر سے توڑ دیا تھا۔

"ہمارے مذہب میں طلاق رکھی ہی اس لیے گئی ہے کہ ہم اپنی ناپسندیدہ زندگی سے نجات حاصل کر سکیں ہمیں کہیں پابند نہیں کیا گیا کہ ایک مسلسل اذیت میں رہتے ہوئے جیسے تیسے اپنی زندگی پوری کرو اور مر جاؤ۔ قرآن میں کہیں عورت کے لیے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی۔" وہ مجھے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"مگر وجاہت میری بچیاں۔۔۔"

ایک اور کمزور دلیل۔

"مجھے تمہاری بچیاں پالنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے' لیکن یہ تم پر منحصر ہے اگر تم چاہو تو۔۔۔"

"دنیا کیا کہے گی اگر میں فرہاد کو چھوڑ کر تم سے شادی کروں پورا خاندان مجھ پر تھو تھو کرے گا۔" میری آواز خاصی دھیمی تھی۔

"ایک ناجائز تعلق دنیا کے سامنے آنے سے بہتر ہے کہ اسے جائز کرلو۔ دنیا سے زیادہ اللہ کا خوف دل میں رکھو سب آسان ہوجائے گا۔" وجاہت کی ہر بات درست تھی میں سوچنے پر مجبور ہوگئی۔

"تقدیر بدلنے کا ایک موقع ہر انسان کو ضرور ملتا ہے۔"

سالار کے الفاظ ایک بار پھر میرے کان سے ٹکرائے' مجھے تو قدرت نے ایک کے بعد دوسرا موقع فراہم کردیا تھا اب مجھ پر منحصر تھا میں اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں یا ایک بار پھر سے رد کرکے پرانی زندگی میں لوٹ جاؤں' مگر اب کی بار میرا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔

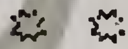
"پھر کیا سوچا زینب؟" وہ منتظر انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے کچھ ٹائم دو' میں اچھی طرح سوچ لوں۔" یہ میری طرف سے نیم رضامندی تھی۔

"جتنا چاہو ٹائم لے لو' مگر میں یہ چاہوں گا کہ تمہارا فیصلہ میرے حق میں ہو کیوں کہ میں اب تمہارے بنا زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

اس نے ایک محبت بھری نگاہ میرے چہرے پر ڈالی ایسی نگاہ جس نے مجھے ساری دنیا بھلا کر صرف اسی کا ہی کردیا تھا۔ ویسے بھی وہ شادی شدہ نہ تھا۔ سالار کے ساتھ نازیہ کی موجودگی مجھے اس سے دور کرنے کا باعث بنی تھی اور یہاں ایسا کچھ نہ تھا اسی لیے میں مطمئن تھی۔

(آئندہ ماہ آخری قسط ملاحظہ فرمائیں)



نفیسہ سعید

ایسا کب ہے زندگی

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال اپنی کزن عریشہ میں دلچسپی رکھتا ہے اور سن بلوغت تک پہنچتے ہی وہ اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے' ملک صاحب ہار مانتے ہوئے اس کی دوسری شادی عریشہ سے کر دیتے ہیں جس کی شرط صرف اتنی ہے کہ وہ اپنی پہلی منکوحہ کو طلاق نہیں دے گا۔

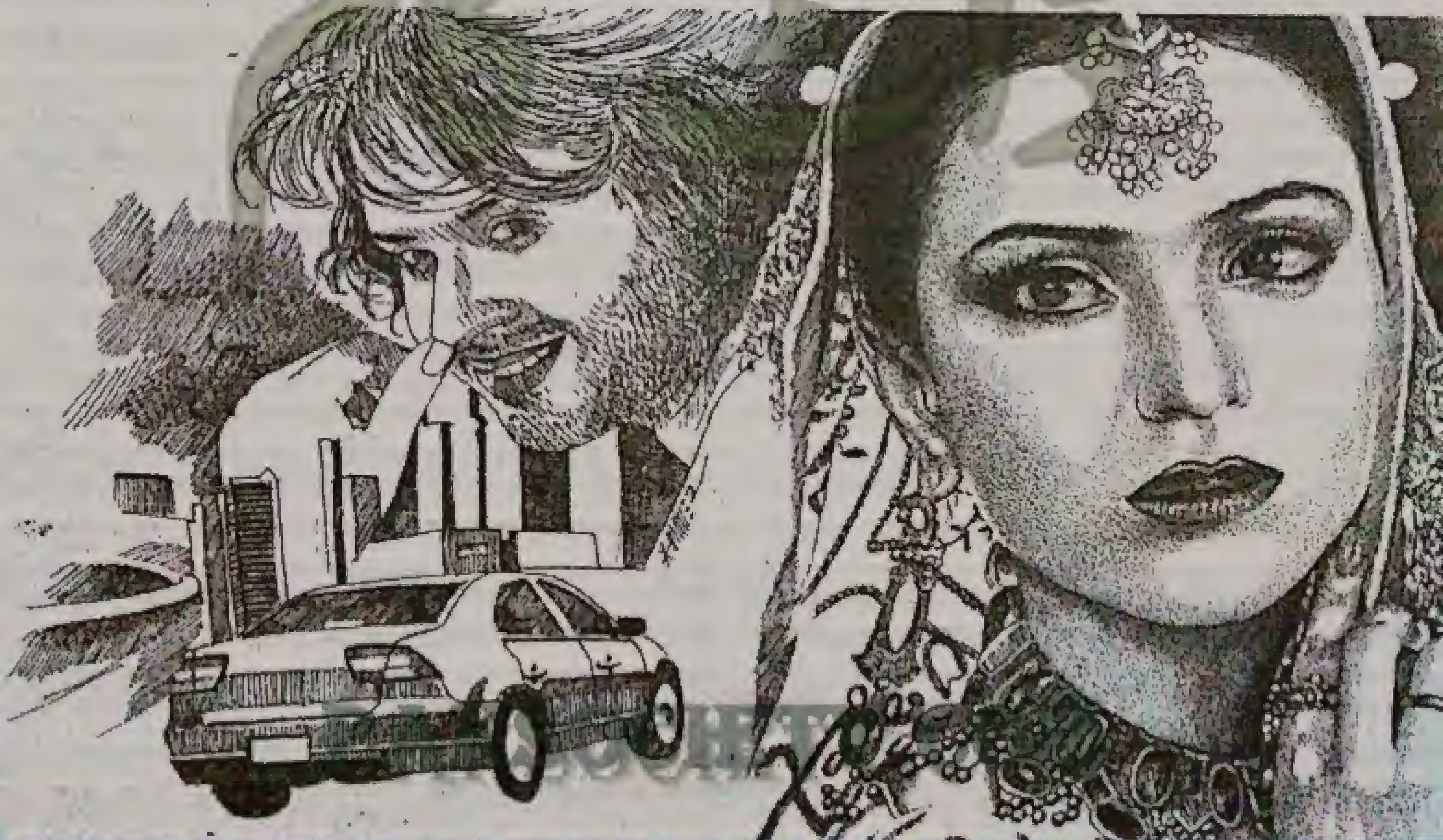
حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کراچی آئی ہے جہاں وہ شاہ زین کے والد کے آفس میں جاب کرنے لگتی ہے۔ جس دوران شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے' مگر حبیبہ کا رد عمل اس معاملے میں خاصا عجیب و غریب ہے وہ شاہ زین کو اپنا دوست تو مانتی ہے' مگر اس کی محبت کا مثبت جواب نہیں دے پاتی۔

فرہاد تین بھائی ہیں اس کے دونوں بڑے بھائی معاشی طور پر مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی' بچوں کی ضروریات بھی کھلے دل سے پوری کرتے ہیں جبکہ فرہاد اس معاملے میں خاصا کنجوس ہے یہ ہی سبب اس کی بیوی زینب کو فرہاد سے بدظن کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔

فضا' زینب کی جٹھانی ہے جو اس کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہے اور اپنی اس حسد کا اظہار وہ اکثر و بیشتر اپنے رویہ سے کرتی رہتی ہے۔ سالار' صباحت کا کزن ہے جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زینب کو پسند کرنے لگتا ہے' اسی لیے وہ بہانے بہانے اسے قیمتی تحائف سے بھی نوازتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

بارہویں قسط ۱۲





"یہ حبیبہ کہاں رہ گئی۔"
نازیہ نے شاہ زین کو مخاطب کیا جو ابھی ابھی ایشال سے گلے مل کر فارغ ہوا تھا۔
"پتا نہیں مما میں دیکھ کر آتا ہوں۔"
اماں کے اشارہ کرتے ہی وہ پھر سے اٹھ کھڑا ہوا جب یک دم بیرونی دروازہ پر پڑا پردہ ہٹا کر وہ اندر داخل ہو گئی جس کا انتظار کمرے میں موجود ہر فرد بڑی بے چینی سے کر رہا تھا۔
"السلام علیکم!"
سلام کرتے ہی وہ دروازے کے بالکل قریب رک گئی' ایسے جیسے اس کے قدموں نے مزید آگے بڑھنے سے انکار کر دیا ہو' باوجود کوشش کے وہ کچھ نروس ہو گئی تھی۔
"وعلیکم السلام۔" جواب کے ساتھ ہی صباحت اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"آگے آ جاؤ بیٹا وہاں کیوں رک گئیں۔"
اسے کنفیوژ کھڑا دیکھ کر نازیہ آنٹی نے حوصلہ دیا' سج سج قدم اٹھاتی وہ آگے بڑھ آئی۔
"تم تو ہو بہو اپنی ماں جیسی ہو۔" اسے گلے لگاتے ہی پہلا جملہ صباحت کے منہ سے یہ ہی نکلا۔
ایشال نے ہمیشہ یہ سنا کہ زینب چاچی ایک مکمل حسن کا نمونہ تھیں۔ اس وقت اپنی ماں کے منہ سے نکلنے والے یہ ستائشی الفاظ سن کر اس نے جو نظریں اٹھائیں تو وہ جھکنا ہی بھول گئیں' اسے یقین ہی نہ آیا کہ یہ سامنے کھڑی لڑکی حبیبہ ہے وہ حبیبہ جسے اس کی منکوحہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے خوب صورت تو جاذبہ اور مریم بھی تھیں مگر حبیبہ کا حسن ایسا تھا جس نے ایشال جیسے خود پسند شخص کو مبہوت کر دیا۔
"ایک پل تو تمہیں دیکھ کر مجھے ایسا لگا جیسے میرے سامنے زینب کھڑی ہو۔"
صباحت نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا جواباً" حبیبہ کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا' شاید اس وقت وہ بول ہی نہیں سکتی تھی اسے محسوس ہوا جیسے اس کا گلا رندھ گیا ہے اس کی نگاہوں میں بے اختیار اپنی ماں کا بیمار اور لاغر وجود لہرا گیا' جو زمانے کی ستم ظریفی کے ہاتھوں یکسر برباد ہو گئی تھی۔
"السلام علیکم حبیبہ کیسی ہیں آپ!" اسے مخاطب کرنے سے ایشال خود کو باز نہ رکھ سکا۔
"شکر الحمدللہ بالکل ٹھیک۔"
مختصر جواب دے کر اسے قطعی نظر انداز کرتی وہ سامنے رکھے صوفے پر شاہ زین کے برابر جا بیٹھی۔ "حبیبہ اتنی حسین ہو گی" یہ تو شاید اس کے تصور میں بھی نہ تھا اسے دیکھتے ہی نگاہ بے اختیار قریب بیٹھی اریشہ کے چہرے پر جا پڑی' جو بغور اسے ہی تک رہی تھی جانے اس کی نگاہوں میں ایسا کیا تھا وہ کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔ وہ اتنا دل پھینک تو کبھی نہ تھا کہ کسی لڑکی کے حسن کو دیکھ کر ایسے بے خود ہو جاتا' یہاں شاید اس کی اس بے خودی کی وجہ حبیبہ سے جڑا رشتہ تھا وہ رشتہ' جسے اتنے سال اس نے کبھی کوئی اہمیت ہی نہ دی' حبیبہ سامنے بیٹھی مما سے بات کر رہی تھی۔
ایشال نے ترچھی نگاہوں سے اس کا بغور جائزہ لیا سبز شلوار قمیض میں ملبوس حبیبہ کا ملکوتی حسن اسے اپنے سحر میں جکڑ رہا تھا۔
"گرین کلر کس قدر خوب صورت ہوتا ہے' میں بلاوجہ ہی آج تک اس رنگ سے چڑتا رہا۔" حبیبہ کے جسم پر موجود گرین کلر دیکھتے ہی اس کے دل میں پہلا خیال یہ ہی آیا۔
"میرا خیال ہے کہ ہمیں اب چلنا چاہیے۔"
جانے اریشہ کو کیا ہوا وہ یک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی شاید وہ ایشال کی بے خودی محسوس کر چکی تھی' بے چینی اس کے چہرے سے عیاں تھی جو بھی تھا اس وقت سامنے بیٹھی لڑکی اس کی سوتن کے عہدے پر فائز تھی رشتہ پسند کا ہو

یا مجبوری کا؟ اپنی نزاکتوں کا احساس ہر دم دلاتا ہے۔

"اتنی جلدی۔" ایشال کے کچھ کہنے سے قبل ہی نازیہ آنٹی بول اٹھیں۔

"میں نے سب کے لیے ڈنر تیار کروایا ہے۔"

"سوری آنٹی ہمیں پاپا کی طرف جانا ہے ہمارا ڈنر وہاں ہے اور وہ ویٹ کر رہے ہوں گے چلو ایشال۔"

اس نے اطمینان سے بیٹھے ایشال کو پکارا' حبیبہ نے دیکھا وہ کچھ گھبرائی ہوئی تھی اسے حیرت ہوئی شاید اریشہ کو ایشال کی محبت پر بھروسا نہ تھا کیوں کہ جو بھروسا رکھتے ہیں وہ ایسے نہیں گھبراتے۔

"اوکے آنٹی ہم چلتے ہیں مما پاپا آپ کے ساتھ ڈنر کریں گے۔"

کھڑے ہوتے ہوئے ایشال نے نازیہ کو مخاطب کیا' پھر ایک نظر حبیبہ کے چہرے پر ڈالی جو شاہ زین سے مسکرا مسکرا کر محو گفتگو تھی اسے ایشال کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا ایشال یہ محسوس کر چکا تھا اسے حبیبہ کا اس طرح خود کو نظر انداز کر کے شاہ زین سے باتیں کرنا قطعی پسند نہ آیا جو بھی تھا حبیبہ اس کی منکوحہ تھی۔۔۔ ہے۔۔۔ ابھی تک اس نے طلاق نہ دی تھی وہ ایک مرد تھا اور مرد کی انا کی تسکین ہمیشہ ایک عورت کو اپنے سامنے گڑگڑاتے دیکھ کر ہوتی ہے چاہے وہ مرد کتنا تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو۔

لیکن یہاں تو وہ جس حبیبہ کا تصور لے کر آیا تھا صورت حال اس سے قطعی مختلف تھی' حبیبہ کا اسے اگنور کرنا' اسے ذرا نہ بھایا۔ وہ جو اس غلط فہمی میں تھا کہ حبیبہ اس کے انتظار میں نگاہیں فرش راہ کیے بیٹھی ہوگی اس کی یہ غلط فہمی ایک پل میں ہی دور ہوگئی۔ اپنی غلط فہمی کے دور ہوتے ہی وہ ایک دکھ اور تکلیف کے احساس میں گھر گیا بھول گیا یہ ابتدا اس کی طرف سے ہوئی تھی' وہ ہی تو تھا جس نے اتنے سال حبیبہ کو انتظار کی سولی پر لٹکا رکھا تھا اور خود اپنی بھرپور زندگی جی رہا تھا۔ بالآخر وہ حبیبہ کا اس طرح نظر انداز کرنا برداشت نہ کرسکا اور یک دم بول اٹھا۔

"اللہ حافظ حبیبہ۔"

اس کی زبان سے ادا ہونے والے ان بے اختیار الفاظ نے حبیبہ کو حیران کردیا' جواباً وہ کچھ بول ہی نہ پائی اور نہ ہی ایشال نے اس کے جواب کا انتظار کیا اور اریشہ کی سنگت میں لاؤنج کا دروازہ عبور کر گیا۔



"یہ زینب اور وجاہت بھائی کے درمیان کیا چل رہا ہے؟"

آج کئی دنوں بعد رابعہ' فائزہ سے ملنے آئی تھی اور آتے ہی اس کی طرف سے کیے جانے والے اس سوال نے فائزہ کو تھوڑا سا بوکھلا دیا۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس کی زبان تھوڑا سا لڑکھڑا گئی۔

"وہ دراصل ہمارے پرانے محلے میں رہنے والی فضیلت آنٹی کی بیٹی ہے' جو محلے کے بچوں کو سپارہ پڑھایا کرتی تھیں۔"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" رابعہ نے کڑے انداز میں تفتیش کی۔

"میں نے یہ پوچھا ہے کہ اس کا وجاہت بھائی سے کیا سلسلہ ہے' کیوں وجاہت بھائی سارا دن تمہارے گھر پائے جاتے ہیں اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ زینب بھی اوپر تمہارے گھر ہی ہوتی ہے خاص طور پر اس وقت جب وجاہت بھائی یہاں آتے ہیں۔"

"تمہیں یہ سب کس نے بتایا۔" فائزہ قدرے حیران ہوئی۔

"میں نے جب بھی بھائی کو فون کیا وہ تمہارے گھر ہی ہوتے ہیں اور اکثر ان کی باتوں میں زینب کا تذکرہ ہوتا ہے

جو ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے' میں جانتی ہوں کہ وہ کئی سالوں سے زینب کو پسند کرتے ہیں اور ان کی یہ پسند اب محبت میں ڈھل چکی ہے. جس کا اندازہ ان سے بات کرنے والا ہر شخص با آسانی لگا سکتا ہے۔"

رابعہ نے ہر بات تفصیل سے بتائی جسے سن کر فائزہ نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا ورنہ وہ جانے کیا سمجھی تھی۔

"جو آپ سوچ رہی ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے زینب ایک شادی شدہ عورت ہے. جس کی تین بیٹیاں ہیں۔" فائزہ اب قدرے مطمئن ہو چکی تھی۔

"شادی شدہ یا بچیاں ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ سب کچھ کسی بھی انسان کو بہکنے سے روکنے کے لیے کافی نہیں ہے اس لیے بہتر ہے کہ تم ان دونوں پر نظر رکھو اور کوشش کیا کرو جب وجاہت بھائی آئیں زینب اوپر نہ آئے۔" رابعہ کے دل میں کچھ ایسا تھا جو اسے پریشان کر رہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے بابا کر لوں گی کوشش' اب یہ بتاؤ تم نے کھانے میں کیا کھانا ہے؟" فائزہ قدرے اکتا گئی۔

"جو دل چاہے بنا لو....."

رابعہ کے جواب دیتے ہی فائزہ وہاں سے اٹھ کر باہر کچن کی طرف آ گئی کیوں کہ' وہ رابعہ کے پاس بیٹھ کر اس کے مزید سوالوں کے جواب نہیں دے سکتی تھی۔



"یہ رکھ لو....." وجاہت نے ایک پھولا ہوا براؤن لفافہ میری جانب بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟"

لفافہ تھامتے ہی میں نے کھول کر اندر جھانکا' ہرے اور نیلے نیلے نوٹ جنہیں دیکھتے ہی میں حیران رہ گئی۔

"یہ کس لیے ہیں؟" میں نے لفافہ وجاہت کی سمت واپس بڑھایا۔

"تمہارے لیے۔" اس نے لفافہ کو ہاتھ لگائے بنا جواب دیا۔

"میرے لیے کیوں؟" وجاہت کا اس طرح پیسے دینا مجھے بہت عجیب لگا۔

"کیوں اتنے سوال جواب کر رہی ہو زینب' رکھ لو میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں گرمیوں کی شاپنگ کر لینا۔"

"سوری وجاہت میں اتنی رقم ایسے نہیں رکھ سکتی۔"

میں نے فوراً سے بیشتر ہاتھ میں پکڑا لفافہ بیڈ پر رکھ دیا وجاہت کا اس طرح پیسے دینا مجھے ذرا اچھا نہ لگا' ایسا محسوس ہوا جیسے وہ میری قیمت ادا کر رہا ہو۔

"میں چلتی ہوں فرہاد گھر آنے والا ہو گا۔" گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہی میں سیڑھیوں کی جانب لپکی۔

"ایک منٹ زینب! میری بات تو سنو۔" وہ جلدی سے میرے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"ناراض ہو گئی ہو؟" میری دلی کیفیت کا اندازہ اسے ہمیشہ بنا کہے ہی ہو جایا کرتا تھا۔

"نہیں....." میں نے خود پر بمشکل قابو پایا۔

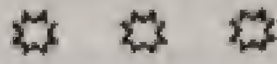
"سوری زینب میرا مقصد تمہیں تکلیف دینا نہ تھا میں تو صرف....."

"ٹھیک ہے وجاہت ہم اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے ابھی مجھے جانا ہے کیوں کہ کچھ ہی دیر میں فرہاد گھر آنے والا ہے اور مجھے نیچے جا کر روٹی پکانی ہے ورنہ وہ ناراض ہو جائے گا۔"

میں اس کے قریب سے گزر کر باہر نکل آئی۔

"ایک بات پوچھوں۔"
وہ ٹیرس پر تنہا کھڑی جانے کن سوچوں میں گم تھی جب اس کے پیچھے شاہ زین آن کھڑا ہوا۔
"ہاں پوچھو۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب پلٹی۔
"تمہیں دکھ نہیں ہوا ایشال اور اریشہ کو ایک ساتھ دیکھ کے۔"
"کس بات کا دکھ۔"
حبیبہ کا لہجہ بالکل سادہ سا تھا جس میں کوئی دکھ یا پریشانی کہیں نہیں جھلک رہی تھی شاہ زین کے دل کو اطمینان سا حاصل ہوا۔
"یہ دکھ کہ جس جگہ تمہیں ہونا چاہیے تھا' وہاں ایشال کے برابر اریشہ کھڑی تھی دیکھو حبیبہ یہ سننا کہ 'ایشال نے تمہیں چھوڑ کر اریشہ کو اپنا لیا اتنا تکلیف دہ شاید نہ ہو جتنا ان دونوں کو اس طرح ایک ساتھ دیکھنا میری بات سمجھ رہی ہو نا۔"
حبیبہ کے چہرے پر چھائی مسکراہٹ دیکھ کر وہ کچھ کنفیوژ ہو گیا۔
"بہت اچھی طرح۔" وہ بدستور مسکراتے بولی۔
"ایک بات بتاؤں شاہ زین میں نے اپنی ماں کی زندگی سے ایک سبق بہت اچھے سے سیکھا ہے وہ یہ کہ 'زندگی کبھی بھی کسی ایسے شخص کے ساتھ نہ گزارو جو تمہاری قدر و قیمت نہ جانتا ہو ورنہ تمہاری زندگی خود تمہارے لیے عمر بھر کا روگ بن جائے گی' جانے لوگ صبر و شکر جیسے الفاظ صرف عورت ہی کے ساتھ کیوں منسوب کر دیتے ہیں اور مردان دو لفظوں سے مبرا کیوں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں قرآن میں یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ 'صبر و شکر کرنے والی صرف خواتین ہونی چاہئیں وہاں تو لفظ مومنین استعمال کیا گیا ہے' مگر افسوس ہم ہمیشہ عورت ہی کو یہ درس دیتے ہیں کہ ہمیشہ صبر کرے 'اللہ کا شکر ادا کرو' ایسے میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ اپنے دل کو کہاں کہاں مارتی ہے' صرف ایک اچھے بننے کا جوش اسے اندر سے مار دیتا ہے ختم کر دیتا ہے' مرد کا ہر گناہ جائز اور عورت کی ایک ذرا سی غلطی پر پکڑ' صرف عورت ہی کھوٹ سے پاک کیوں ہونی چاہیے؟ کیوں ہر مرد چاہتا ہے کہ اس کی بیوی نیک اور پاکباز ہو؟ کیوں مرد کوشش نہیں کرتا خود سے منسوب عورتوں کو نیک اور پاکباز بنانے کی؟ کیوں ان کی دلی خواہشات کو اس قدر بے مول کر دیتا ہے کہ وہ سانس لیتے ہوئے بھی ڈرنے لگتی ہے کہ کہیں ٹوٹ کر بکھر نہ جائے؟ کیوں کرتے ہو تم سب مرد ایسا' کیوں عورت کی قدر نہیں کرتے؟"
اس کی آواز بھرا گئی وہ رو رہی تھی۔
"سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے حبیبہ بالکل اس طرح جس طرح سب عورتیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔"
اس نے حبیبہ کے کندھے پر آہستہ سے اپنا ہاتھ رکھا۔
"تم 'اریشہ' فضا تائی اور زینب چاچی کیا یہ سب عورتیں ایک جیسی ہیں' نہیں نا تو بس سب مرد بھی ایک جیسے نہیں ہوتے بالکل ایسے جیسے میں اور ایشال ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں' ایک نے تمہیں کھو دیا اور دوسرا تمہیں پانے کے لیے سرگرداں۔"
وہ نہایت ہلکے پھلکے انداز میں بول رہا تھا اور حبیبہ بڑے دھیان سے سن رہی تھی اس کا آخری جملہ سنتے ہی حبیبہ کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔
"گڈ ہنستی رہا کرو تم مجھے ایسے ہی اچھی لگتی ہو۔" اس کی ہلکی ہلکی سرخ آنکھیں اور بکھرے گولڈن بال شاہ زین کو ایسا محسوس ہوا جیسے اگر وہ کچھ دیر اور یہاں کھڑا رہا تو شاید خود پر اپنا ضبط کھو دے۔
"بہت رات ہو گئی ہے سو جاؤ اب تم بھی۔"

اسے ہدایت دے کر وہ وہاں رکا نہیں بلکہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا چند ہی پل میں اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔



"یہ میرے کپڑے ہیں پیک کردو جمعرات کی شام میں عمرے پر جا رہا ہوں۔"
کچن کے دروازے کو کھڑے فرہاد نے مجھے ایسے اطلاع دی جیسے وہ دو دن کے لیے کسی دوسرے شہر جا رہا ہو' حالانکہ یہ مجھے دو دن قبل فضہ بھابھی بتا چکی تھیں کہ یاسمین فرہاد کے ساتھ عمرے پر جا رہی ہے پھوہاں سے دونوں صباحت کی طرف دبئی جائیں گے مگر میں نے کوئی خاص توجہ نہ دی کیونکہ وہ ہمیشہ سے ہی ایسی بے پر کی اڑانے کی عادی تھیں لیکن اب فرہاد کے بتانے کے بعد کسی غلط فہمی کی گنجائش باقی نہ رہی۔
"کم از کم مجھے بتانا تو چاہیے تھا کہ میں عمرے پر جا رہا ہوں یہ کیا چھپ چھپا کر ساری تیاری کرلی اور جانے سے پہلے ایسے اطلاع دی جیسے کسی غیر کو بتایا جائے۔"
اس کے ہاتھوں میں موجود کپڑے کا تھیلا تھامتے ہوئے شکوہ خود بخود میری زبان سے پھسل گیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی میری تیوری پر چند بل ابھر آئے۔
"یہ تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے وہ جب اپنے بندوں کو بلالے اس میں اتنا ناراض ہونے والی کیا بات ہے نصیب والے اس کے در پر جاتے ہیں۔" فخریہ لہجہ۔
میں جو کہنا چاہتی تھی وہ فرہاد کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتا تھا اسی لیے مزید بحث کرنے سے اچھا تھا خاموشی اختیار کرلی جائے۔
"جانا تو یاسمین آپا نے تھا لیکن ان کی بدولت میرا بھی سبب بن گیا' انہیں محرم کا مسئلہ تھا اسفند اور صمد بھائی دونوں نے ہی منع کر دیا جانتی ہو نا وہ تو اپنی بیویوں کے بغیر جاتے ہی نہیں ہیں اب ایسی بھی کیا عورت کی غلامی کہ بندہ کسی کام کا ہی نہ رہے کتنے عرصہ سے صمد ٹال رہا تھا کہ صباحت بھابھی فارغ ہوں تو سب چلیں گے مگر' نہ وہ فارغ ہوئیں اور نہ ہی صمد نے ہاں کی' بے چاری ان کے انتظار میں بیٹھی تھیں تو' میں نے سوچا کیوں نہ میں ہی چلا جاؤں حالانکہ انہوں نے مجھ سے کہا بھی نہیں تھا یہ تو ثواب کا کام ہے جس کے بھی حصہ میں آجائے۔"
جانے وہ کیا کیا بول رہا تھا مجھ میں اب مزید سننے کی تاب نہیں تھی اس لیے میں نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔
"مجھے اپنے سارے کپڑے نکال دو میں پیک کر دوں۔" مجھے اس کی کسی بات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ کیا' کیوں اور کب جا رہا تھا مجھے اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔
"ایک تو میں جب بھی کہیں جانے لگوں تمہارا موڈ پہلے ہی آف ہو جاتا ہے شکر نہیں کرتیں کہ' اللہ تعالیٰ نے مجھے عمرے کی سعادت کے قابل سمجھا الٹا منہ بنالیا تمہاری جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو یہ سب سن کر خوش ہو جاتی۔"
میں اس کی تمام باتوں کو نظر انداز کر کے اندر کمرے میں آگئی کیونکہ میرا موڈ اس وقت کسی بات پر بھی فرہاد سے الجھنے کا نہ تھا۔



"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے ایشال۔"
وہ جب سے نازیہ آنٹی کے گھر سے آیا تھا ایسا ہی کھویا کھویا سا تھا کہ اریشہ سے برداشت نہ ہوا اور اس نے ٹوک ہی دیا۔

"نہیں سر میں بہت شدید درد ہے۔"
اس نے کروٹ بدل کر آنکھیں موند لیں' وہ جھوٹ بول رہا تھا اس بات کا اندازہ اریشہ کو ہو چکا تھا۔
"ایشال۔"
اس نے ایک بار پھر اسے پکارا۔
"ہاں بولو کیا بات ہے؟"
اب وہ مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ تھا۔
"ممانے کسی لیڈی ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لیا ہے۔"
"اچھا تو تم چلی جانا۔"
جواب دے کر اس نے ایک بار پھر سے کروٹ بدل لی۔
"مجھے اکیلے نہیں جانا تمہیں بھی میرے ساتھ جانا ہے وہ تمہارا چیک اپ بھی کریں گی۔"
اریشہ نے ہاتھوں پر لوشن لگاتے ہوئے ڈریسنگ کے شیشہ سے اس کی جانب دیکھا جو بدستور آنکھیں موندے لیٹا تھا۔
"مجھے کسی چیک اپ کی ضرورت نہیں ہے۔"
"لیکن ایشال تمہیں ایک دفعہ تو ڈاکٹرز کے دیے ہوئے سارے ٹیسٹ کروانے چاہئیں اس میں آخر برائی کیا ہے جو تم ہر بار منع کر دیتے ہو۔"
اسے ایشال کا انکار کرنا ہمیشہ سے زیادہ برا لگا۔
"مجھے نیند آرہی ہے لائٹ بند کر دو۔"
یہ اس کی بات کا جواب نہیں تھا' مگر اس وقت وہ مزید کوئی بات کر کے اس سے الجھنا نہ چاہتی تھی اس لیے خاموشی سے اٹھ کر لائٹ بند کر دی۔



"ہمیں معاف کر دو حبیبہ ہم تمہارے گناہ گار ہیں ساری زندگی ہم نے عیش و عشرت میں گزار دی اور کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا ہماری ماں اور بہن کن حالوں میں زندہ ہیں۔"
جاذبیہ نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے معافی مانگی۔
"مجھے آپ لوگوں سے کوئی شکوہ نہیں اور جہاں تک میں سمجھتی ہوں ان حالات میں ہر شخص اپنی جگہ درست تھا۔" اس کا سپاٹ لہجہ بالکل پرسکون تھا۔
"میں تو سمجھ دار تھی جانتی تھی کہ میری ماں کن حالات میں زندگی بسر کر رہی ہے پھر بھی وقت پڑنے پر دوسروں کے ساتھ شامل ہو گئی ان سنگسار کرنے والوں کے ساتھ جن کے ہاتھوں میں نوکیلے پتھر تھے۔"
مریم آپا کے لہجہ میں تاسف چھلک رہا تھا۔
"اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے مریم آپا وقت سب کچھ روند کر گزر گیا۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی گھل گئی۔
"میری ماں آپ سب کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ترستی اس دنیا سے چلی گئی ان کے کان آپ کی آواز سننے کے خواہش مند تھے مجھے تو خیر آپ لوگوں نے کبھی اپنی سگی بہن نہ سمجھا مگر معاف کیجئے گا' وہ تو آپ کی سگی ماں تھیں نا کتنا سمجھایا تھا آپ لوگوں کو سالار انکل نے مگر آپ دونوں نے وہ کیا جو فضہ تائی نے چاہا اور ان کے کہنے پر

عمل کرتے ہوئے اپنی سگی ماں سے ہر ناطہ توڑ لیا۔"

"ناطہ ہم نے نہیں توڑا تھا حبیبہ۔"

جاذبہ کے لہجہ میں شکوہ ابھرا۔

"وہ ہمیں چھوڑ کر گئی تھیں بالکل بے یارومددگار اور بے آسرا' جانتی تھیں کہ ہمارے باپ کو ہم سے کوئی سروکار نہ تھا ہمارے لیے تو سب کچھ ہماری ماں ہی تھی ہمارے ہر دکھ درد کی ساتھی پھر کیوں اس نے ہمارے ساتھ یہ سب کیا' صرف ہمارے باپ سے انتقام لینے کی خاطر' اسے نیچا دکھانے کے لیے ہم سب کو برباد کردیا تم فعنہ تائی کو کتنا بھی برا سمجھو مگر سچ تو یہ ہے کہ ہمارے لیے سب کچھ وہ ہی ہیں انہوں نے ماں نہ ہوتے ہوئے بھی ہمیں ماں بن کر پالا۔"

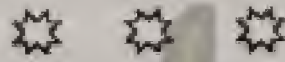
"سچ تو یہ ہے کہ جاذبہ باجی کہ کئی دفعہ ہماری زندگی میں وہ سب کچھ ہو جاتا ہے۔ جس کے لیے ہم کوئی پلاننگ نہیں کرتے جہاں تک میں سمجھتی ہوں زندگی پلاننگ سے نہیں گزرتی' اس کا تو کام گزرنا ہے اور یہ گزرتی چلی جاتی ہے کئی دفعہ تو بنا سوچے سمجھے وہ سب ہو جاتا ہے، جو ہماری قوت فیصلہ کو ختم کردیتا ہے اور ہم ایک مشین کی مانند وہ سب کرتے چلے جاتے ہیں، جو کرنا نہیں چاہتے اور شاید اسی کو نصیب کہتے ہیں۔"

وہ ذرا سی ذرا سانس لینے کے لیے رکی۔

"یہ سب کچھ کہنے کا میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں اماں کی وکالت کر رہی ہوں یا یہ کہ اماں نے جو کیا صحیح کیا' میں تو آپ کو صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ آپ دونوں کی طرح میں بھی فرہاد ہی کی بیٹی ہوں آپ کی سگی بہن اور میرا مقصد صرف یہ ہی ثابت کرنا ہے آپ لوگوں نے جو کچھ میرے لیے دوسروں سے سنا وہ محض من گھڑت تھا سچ وہ ہے۔ جو میں آپ دونوں کو بتا رہی ہوں۔"

بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی۔

اس کے الفاظ دونوں کو شرمندہ کر گئے' سچ تو یہ تھا کہ' اب ان تمام باتوں کا کوئی فائدہ نہ تھا یہ سب تو زینب کی موت کے ساتھ ہی شاید ختم ہو گیا تھا۔



"ایشال اس دن کے بعد آپ سے نہیں ملا۔" نازیہ نے سالار کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں اور مجھے حیرت ہے صمد نے بھی اس سلسلے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔" نازیہ کی بات بنا کہے ہی وہ سمجھ چکا تھا۔

"تو پھر آپ کو خود انہیں فون کر کے پوچھنا چاہیے تاکہ معاملہ ایک طرف ہو اور ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔"

"ٹھیک ہے میں کل ہی دونوں کو فون کرتا ہوں۔" سالار اس کی بات سے متفق ہوتا ہوا بولا۔

"یہ حبیبہ کہاں ہے شام سے دکھائی نہیں دے رہی۔"

"گھر ہی میں ہے' آج مریم اور جاذبہ اس سے مل کر گئی ہیں تب سے ہی ڈسٹرب ہے اب تو میرا خیال ہے سو گئی ہے۔"

اللہ تعالیٰ اب اس کی تمام مشکلات جلد از جلد آسان کرے اور اس سلسلے میں کی جانے والی ہماری کوششوں کو کامیاب فرمائے۔"

سالار نے اٹھتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے اس کے حق میں دعا کی۔

"آمین۔"

جواباً "نازیہ نے صدق دل سے آمین کہا۔



رات کا جانے کون سا پہر تھا جب ایشال کی آنکھ کھل گئی۔ اسے کچھ بے چینی سی محسوس ہوئی کروٹ بدل کر اپنے قریب لیٹی اریشہ پر ایک نظر ڈالی ایک دم اسے ایسا محسوس ہوا جسے اریشہ کا وجود حبیبہ کی صورت میں ڈھل گیا ہو وہ چونک اٹھا جلدی سے قریب رکھا موبائل اٹھا کر آن کیا اس کی روشنی میں ایک بار پھر اریشہ کا جائزہ لیا تاکہ اس کے نقوش واضح ہو سکیں جو حبیبہ کے تصور میں کہیں کھو گئے تھے وہ اٹھ بیٹھا۔

"پتا نہیں یہ مائیں اولاد کی اس قدر برین واشنگ کیوں کرتی ہیں' جب پاپا نے میرا نکاح حبیبہ سے کیا تھا تو کیا ضرورت تھی مما کو' بلاوجہ بھڑکانے کی انہیں پاپا کا ساتھ دینا چاہیے تھا نہ کہ مجھے غلط راستے پر ڈال کر بلاوجہ حبیبہ بے چاری کی زندگی برباد کی۔"

اپنی غلطی کا الزام دوسروں پر ڈالنا اس کی پرانی عادت تھی جس میں اسے کمال حاصل تھا۔

"بری بات ہے ایشال اپنی کسی بھی غلطی کا ذمہ دار دوسروں کو مت ٹھہراؤ مان جاؤ دونوں بار قصور تمہارے دل کا ہی تھا۔"

اس کے دماغ نے اسے سرزنش کی' وہ اٹھ بیٹھا' جانتا تھا کہ اب نیند نہیں آئی' اپنے پاس رکھا سگریٹ کا پیکٹ لیے وہ باہر ٹیرس میں آگیا کمرے کی گھٹن سے باہر نکلتے ہی اسے قدرے سکون ملا۔

"اب پتا نہیں یہ سالار انکل مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس نے خود سے سوال کیا۔"

"مجھے یہاں اب مزید نہیں رکنا چاہیے لندن واپس چلے جانا چاہیے تاکہ' وہاں کوئی مجھ سے وہ ڈیمانڈ نہ کرے جو میرے لیے پورا کرنا ابھی فی الحال ممکن نہیں رہا۔"

اس نے ریت میں سر ڈال کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔

"لیکن کب تک' آخر تو مجھے کوئی ایک فیصلہ کرنا ہی ہوگا پھر اس قدر گھبرانے یا ڈرنے والی کیا بات ہے' میری زندگی ہے اور مجھے جو بہتر لگے وہ سب سے کہہ دینا چاہیے۔"

اس سوچ کے دماغ میں آتے ہی اس کا دل قدرے مطمئن ہوگیا اور وہ وہیں ٹیرس پر موجود کرسی پر بیٹھ گیا۔



میں جیسے ہی سیڑھیوں سے نیچے اتری صحن میں رکھی چارپائی پر موجود رنگ برنگے کپڑے دیکھ کر وہیں رک گئی۔

"یہ سب کس کے ہیں؟"

میں نے چارپائی کے قریب کھڑے فرہاد کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ یاسمین آپا کے ہیں میرے بیگ میں ہی رکھ دو۔"

اس نے تمام کپڑے قریب موجود شاپر میں ایک ایک کر کے ڈال دیے اور پھر وہ پلاسٹک کا تھیلا میری جانب بڑھایا۔

"سعودیہ میں بہت گرمی ہے' صمد نے بتایا ہے کہ دبئی بھی خاصا گرم ہے اس لیے ہلکے کپڑے لے کر آنا سو' آپا نے مجھے فون کیا کہ ان کے لیے کچھ کپڑے لے کر سلوالوں ان کے شوہر کا تو تمہیں پتا ہی ہے عجیب ڈھیٹ سا آدمی ہے بیوی پر ایک روپیہ خرچ کرنا گناہ سمجھتا ہے مجھے تو حیرت ہے کہ اس نے عمرے کی مد میں خرچ ہونے والی رقم جانے کیسے دے دی' اسی لیے میں نے آپا کو منع کر دیا تھا کہ اب مزید اس سے کچھ نہ مانگے ایسا نہ ہو کہ بلاوجہ کا فساد

کھڑا کردے۔"

میرے سوال کا جواب خاصا تفصیلی تھا جسے سنتے ہی نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے غصہ آگیا۔

"اگر میاں صرف سعودیہ یا دبئی میں نہیں آتیں' یہاں بھی آتی ہیں مجھے اور بچیوں کو بھی اتنی ہی گرمی لگتی ہے جتنی یاسمین آپا کو' تمہارا فرض تھا فرہاد ان کی شاپنگ کرتے وقت ہمیں بھی یاد رکھتے۔"

"ارے اس میں اتنا غصہ ہونے والی کیا بات ہے۔" وہ حیران ہوا۔

"اس گھر میں جو کچھ ہے سب تمہارا ہے میں نے تو تم سے کبھی کسی بات کا حساب نہیں مانگا تمہارا جو دل چاہے کھاؤ' جیسے دل چاہے استعمال کرو' تمہارے گھر سے کوئی آئے کوئی جائے میں نے کبھی سوال نہیں کیا اور جہاں میں اپنی بہن پر ایک روپیہ خرچ کردوں وہاں تم لڑنے جھگڑنے لگتی ہو کم از کم اتنا تو احساس کیا کرو کہ میری ایک ہی بہن ہے۔"

حسب معمول اسے بہت برا لگا' خفگی سے اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔

"اس گھر میں ہے ہی کیا جو میں استعمال کرتی ہوں یا اپنے گھر والوں پر لٹا دیتی ہوں اور یہ بات تم بہت اچھی طرح جانتے ہو میرے گھر والے یہاں آکر ایک وقت کا کھانا بھی نہیں کھاتے۔"

"دراصل تم ایک ناشکری عورت ہو۔"

دھیما لہجہ اور سخت الفاظ ہمیشہ سے اس کا وطیرہ رہے۔

"اور تم جیسی عورت کبھی کسی کا احسان نہیں مان سکتی تمہارے لیے کچھ بھی کرلوں تم ساری زندگی ایسی ہی رہو گی۔"

کپڑے کا تھیلا اٹھائے وہ اندر چل دیا۔

"ایسا کون سا احسان ہے تمہارا مجھ پر جو کوئی شوہر اپنی بیوی پر نہیں کرتا سوائے تمہارے۔" لاکھ کوشش کے میرا غصہ کم نہ ہوا۔

"دراصل زینب تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم دوسروں سے جیلس ہوجاتی ہو' چاہے وہ فضہ بھابھی ہوں یا یاسمین آپا' تمہیں تکلیف صرف یہ ہے کہ میں اپنی بہن کے ساتھ عمرہ کرنے کیوں جارہا ہوں۔" اس کا سلگتا لہجہ جو مجھے سرتاپا آگ کرگیا۔

"ایک مسلمان ہونے کے ناطے صرف پانچ وقت کی نماز' تہجد' عمرے' حج تم پر فرض نہیں ہے فرہاد میرے بھی کچھ حقوق ہیں جن کے تم ذمہ دار ہو۔"

میں حلق کے بل چلائی اور بھول گئی کہ مریم سامنے کمرے کے دروازے منہ کھولے کھڑی مجھے ہی تک رہی ہے۔

"اپنی آپا کا تمہیں ساری زندگی خیال رہا میرا کوئی احساس ہے تمہیں میرے کسی بھی گناہ ثواب کا ذمہ دار کون ہے؟ کوئی بھی ایسا گناہ جو تمہاری غفلت کے باعث مجھ سے سرزد ہو اس کا حساب کون دے گا کبھی سوچا ہے تم نے یہ۔" میں رونے لگی۔

"میں جب بھی کوئی نیکی کا ارادہ کرتا ہوں تم اسے ہمیشہ اسی طرح ہی رو دھو کر برباد کرنے کی کوشش کرتی ہو۔"

کپڑوں کا تھیلا اندر کمرے میں پھینک کر وہ باہر نکل گیا۔

"لعنت ہے مجھ پر جو سب کچھ ہوتے ہوئے ایسے بے فیض مرد کے ساتھ اپنی زندگی برباد کررہی ہوں' سالار تو مجھ سے دور ہوگیا لیکن وجاہت کو اب میں کبھی نہیں چھوڑوں گی چاہے اس کے لیے مجھے سب کچھ چھوڑنا پڑے میں دکھاؤں گی اس شخص کو کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو میری قدر کرتے ہیں' مجھ سے محبت کرتے ہیں۔"

میں آنسو پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی' کپڑوں کا تھیلا وہیں فرش پر پڑا تھا جسے میں نے ہاتھ بھی نہ لگایا' الماری میں کپڑوں کے پیچھے ایک موبائل موجود تھا جو مجھے وجاہت نے دیا تھا جس کا نمبر صرف اس کے پاس تھا لیکن' آج تک میں نے خود اسے فون نہیں کیا تھا اب فرہاد کے رویہ نے مجھے اتنا تاؤ دلایا کہ' میں نے باہر دروازے کی کنڈی لگائی موبائل نکالا اور وجاہت کا نمبر ملانے لگی تاکہ اس سے بات کر کے اپنی فرسٹریشن دور کر سکوں فرہاد کا رویہ میرے اندر سرکشی کو ابھار رہا تھا جس کی کوئی پروا اب مجھے بھی نہ رہی تھی۔



"میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے پاپا۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھے صمد کے سامنے کھڑا تھا۔
"کون سا ارادہ۔"
اس نے بات اتنی اچانک شروع کی تھی کہ صمد کو سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔
"میں حبیبہ کو طلاق نہیں دوں گا۔"
اس کے لہجہ کی سختی چہرے پر بھی در آئی۔
"واٹ۔"
اس کی بات سنتے ہی صمد کو ایک جھٹکا سا لگا۔
"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے' ہوش میں ہو تم جانتے ہو... تم کیا کہہ رہے ہو؟"
"شکر الحمدللہ میں با قائمی ہوش و حواس آپ سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ' مجھے حبیبہ کو طلاق نہیں دینی وہ میری منکوحہ ہے اور زبردستی کوئی بھی مجھے اس بات کے لیے مجبور نہیں کر سکتا کہ میں حبیبہ کو طلاق دوں یہاں تک کہ آپ بھی نہیں میں عاقل و بالغ ہوں اور اپنے ہر فیصلے کا اختیار قرآن و سنت کی رو سے میرے پاس ہے۔"
"بھاڑ میں گئے تم اور تمہارے فیصلے' تم نے تو زندگی کو ایک مذاق بنا لیا ہے۔ تمہارا ہر فیصلہ صرف تمہاری اپنی ذاتی انا کے لیے ہے۔ دوسروں کا احساس تو تم میں قطعی ختم ہو گیا ہے شرم آنی چاہیے تمہیں' دو لڑکیوں کی زندگی اپنے ہاتھوں برباد کرتے ہوئے۔" غصہ سے ان کا سانس تیز ہوا۔
"آپ بھول گئے شاید۔"
اس پر صمد کے غصہ کا قطعی کوئی اثر نہ ہوا۔
"ہمارا مذہب' ہمیں چار شادیوں کی اجازت دیتا ہے اور حبیبہ سے اپنی شادی برقرار رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ' میں خدانخواستہ اریشہ کو چھوڑ رہا ہوں' میں اتنا کماتا ہوں کہ دو بیویوں کی کفالت کر سکتا رہا۔"
اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ صمد کی جانب تکتے ہوئے بولا۔
"تم جانتے ہو کہ چار شادیوں کی اجازت کن شرائط کے تحت ہمارے مذہب نے دی ہے۔"
صمد اس کے مقابل آن کھڑے ہوئے۔
"ہاں میں نے اپنے دین کا مکمل طور پر مطالعہ کیا' پھر ایک عالم دین سے ملاقات کی اور اس کے بعد آپ تک آیا۔" وہ بالکل مطمئن لہجہ میں بولا ایسے جیسے سارے فیصلے کر کے آیا ہو۔
"اگر آپ کو خدشہ ہو کہ آپ کی نسل آگے نہیں بڑھ سکتی' اور آپ کی بیوی اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے تو اس صورت میں آپ دوسری شادی کر سکتے ہیں' بشرطیکہ آپ دونوں کے برابری کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہوں۔ میں اپنی نسل آگے بڑھانا چاہتا ہوں اس لیے حبیبہ کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا میری ضرورت ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ ساری بات اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں رکا نہیں اور تیزی سے چلتا باہر نکل گیا اس کے کیے گئے فیصلے نے صمد کو اپنی جگہ ساکت کر دیا انہیں ایسا محسوس ہوا کہ اب شاید وہ ہلنے جلنے کے قابل بھی نہیں رہے۔ انہیں افسوس ہوا کیوں بلاوجہ ایک ایسی شرط رکھی جس نے زندگی کے اس مقام پر آ کر انہیں ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا جس کے دونوں طرف سوائے موت کے کچھ بھی نہ تھا۔



"کیا مصیبت ہے زینب تھوڑا ذرا پیچھے ہو کر لیٹو ایک تو گرمی اس قدر ہے نیند ہی مشکل سے آتی ہے اور جو آئی وہ تم نے ہاتھ مار کر خراب کر دی۔"

میں گہری نیند میں تھی جب فرہاد نے مجھے کندھا پکڑ کر ہلایا اس کا موڈ سخت خراب تھا شاید میرا ہاتھ لگنے سے اس کی نیند خراب ہو گئی تھی میں یکدم ہی شرمندہ سی ہو گئی ایک پل میں ایسا لگا جیسے بیڈ کے دوسرے سرے پر کوئی اجنبی لیٹا ہو میں فوراً بیڈ کے کنارے پر ہو گئی فرہاد کروٹ لے کر مزید دور ہو گیا اپنی نیند خراب ہونے پر وہ ابھی بھی بڑبڑا رہا تھا۔

مجھے بہت ہی عجیب لگا اس کے اس رویہ نے مجھے ایک بار پھر دل برداشتہ کر دیا میں نے ایک جھٹکے سے تکیہ اٹھایا اور نیچے فرش پر آ لیٹی اس کے بعد ساری رات مجھے نیند ہی نہ آئی اپنی توہین کے احساس نے مجھے سونے ہی نہ دیا اور اس کے بعد آنے والی ہر رات میرا اس بستر سے دل اچاٹ ہو گیا بے شک مجھے فرش پر نیند نہیں آتی تھی مگر میں نیچے تکیہ رکھ کر سونے کی عادی ہونے لگی۔

حسب روایت مجھ میں آنے والی اس تبدیلی کا فرہاد پر کوئی اثر نہ ہوا شاید کچھ لوگ پتھر کی مانند ہوتے ہیں جن پر زمانے کے سرد و گرم اثر انداز نہیں ہوتے۔



"آجائیں آنٹی میں بالکل ریڈی ہوں۔"

حبیبہ کی آواز سن کر شاہ زین نے جو پلٹ کر دیکھا تو پلکیں جھپکنا بھی بھول گیا۔ رائل بلیو ڈریس میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔

"ہاں بس تمہارے انکل کا ویٹ کر رہی ہوں جانے کہاں رہ گئے۔"

نازیہ نے اپنی ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے حبیبہ کا مکمل جائزہ لیا آج حنظلہ کے بیٹے کی سالگرہ تھی جس میں مریم نے اسے بڑے دل سے مدعو کیا تھا ویسے بھی وہ جب سے آئی تھی اس کی فضہ تائی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ حالیہ ہونے والے فالج کے باعث وہ کہیں بھی آنے جانے سے قاصر تھیں اور اب وہ بھی حبیبہ سے ملنے کو بے تاب تھیں جس کی اطلاع اسے مریم اور صباحت آنٹی دونوں دے چکی تھیں جبکہ وہ خود بھی فضہ تائی کو دیکھنا چاہتی تھی ان سے ملنا چاہتی یہ ہی وجہ تھی کہ اس نے مریم کو ایک بار بھی منع نہیں کیا اور ٹائم پر تیار ہو کر نیچے آ گئی۔

"آپ نے فون نہیں کیا؟ انہیں یاد تو کروائیں ہو سکتا ہے بھول گئے ہوں۔"

بمشکل اس سے نظریں ہٹا کر شاہ زین ماں کی طرف متوجہ ہوا۔

نازیہ نے بنا کوئی جواب دیے ہینڈ بیگ کے پاس رکھا اپنا سیل اٹھایا اور سالار کا نمبر ملانے لگی۔

"مجھے یقین ہے آج اس محفل میں تم سے زیادہ حسین کوئی نہ ہو گا۔" شاہ زین نے سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے اسے سراہا۔

"میں نے سنا ہے اماں بھی جب کسی خاندانی تقریب میں جاتی تھیں تو وہاں ان سے زیادہ حسین کوئی اور نہ دکھتا تھا یا شاید سب حسین ان کے سامنے ماند پڑ جاتے تھے۔"
وہ ایک بار پھر سے ماضی کی یادوں میں گم ہو گئی۔
"گاڑی نکالو شاہ زین، ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"
نازیہ آنٹی کی آواز اسے پل بھر میں ماضی سے حال کی طرف کھینچ لائی۔
"کیوں انکل ہمارے ساتھ نہیں جا رہے؟" اس نے حیران ہوتے ہوئے نازیہ کی جانب دیکھا۔
"وہ کسی میٹنگ میں ہیں فارغ ہو کر سیدھے وہیں آجائیں گے۔"
نازیہ نے شیشے کا دروازہ دھکیلتے ہوئے اسے اطلاع دی اور وہ ان کی تقلید میں باہر آگئی جہاں شاہ زین گاڑی اسٹارٹ کیے ان کا منتظر کھڑا تھا۔



"تم کہاں سے آرہی ہو؟"
مجھے تیار بجی سنوری دیکھ کر فرہاد کو اچنبھا ہوا اس لیے وہ پوچھے بنا نہیں رہ سکا۔
"فائزہ کے ساتھ اس کی بہن کے گھر گئی تھی۔"
اسے قطعی نظرانداز کرتی میں اندر کمرے میں آگئی وہ بھی میرے پیچھے چلا آیا۔
"جانے سے پہلے روٹی تو پکا جاتیں کب سے بھوکا بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"
"ہوٹل سے لے آتے۔" مختصر جواب دے کر میں نے الماری کھولی تاکہ کپڑے تبدیل کر سکوں۔
"تم نے یہ سوٹ کب بنوایا؟"
شاید اسے خیال آگیا تھا کہ میرے تن پر موجود لباس اس کا خریدا ہوا نہیں ہے اس کے تجزیہ نے مجھے حیران کیا میں جو ہمیشہ سمجھتی رہی کہ فرہاد نے مجھ پر کبھی توجہ نہ دی' آج مجھے اپنے اس خیال کی تردید کرنا پڑی۔
"پچھلی بار جب میں گھر گئی تھی اماں نے کچھ رقم دی تھی اس میں سے ہی فائزہ کے ساتھ شاپنگ پر جاکر یہ سوٹ خریدا تھا۔"
"خیریت ہے تمہاری اماں بھی تمہیں کپڑوں کے لیے کچھ دیتی ہیں آج سے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔" وہ تھوڑا سا مشکوک ہوا۔
"اپنے پیسے گن لو ان میں سے کچھ نہیں لیا۔"
فرہاد کا شک محسوس کرتے ہی میں تلخ ہوئی اور بنا اس کا جواب سنے ہینگر سے کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی' ویسے بھی اب میں نے اس کی باتوں کا اثر لینا چھوڑ دیا تھا۔



وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی وہاں کی سج دھج دیکھ کر حیران رہ گئی ایک پل کو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ حبیبہ نہیں بلکہ معمولی لباس میں ملبوس زینب ہو جیسے وہاں موجود ہر شخص پر غرور نگاہوں سے گھور رہا ہے اس کا دل دکھ سے بھر گیا کاش ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ ہوتا' جس سے ہم ہر عورت کے اندر چھپے احساسات کو جانچ سکتے تو ہمیں پتا چلتا کہ اپنی فیلنگز کے اعتبار سے دنیا کی ہر عورت دوسری سے مختلف ہے تو شاید ہم کسی ایک عورت کو دوسری عورت کی مثال دینے سے گریز کیا کرتے۔
"ارے وہاں کیوں کھڑی ہو آگے آؤ تمہیں فضہ تائی سے ملواؤں۔"

اسے اپنی جگہ ساکت کھڑا دیکھ کر مریم تیزی سے اس کی جانب آئی اور حبیبہ اس کی ہمراہی میں قدم گھسیٹتی اس جانب چل دی جہاں وہیل چیئر پر موجود تائی اس عمر اور بیماری میں بھی ایک شان بے نیازی کے ساتھ موجود تھیں۔ وہیل چیئر کے پیچھے کھڑی خاتون غالباً" ان کی ملازمہ تھی جس کی نشاندہی اس کا لباس کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تائی کے لیے اورنج جوس اور ٹشو پیپر تھا جس سے وہ بار بار تائی کا منہ صاف کر رہی تھی۔ حبیبہ کے ذہنی رو بہک کر پھر وہاں چلی گئی۔

جہاں اس کی ماں بے یارو مددگار بستر پر پڑی ایڑیاں رگڑ رہی تھی تو کیا اس کی ماں دنیا کی واحد گناہ گار عورت تھی' جسے اتنی سخت سزا کے عمل سے گزرنا پڑا یا شاید آخرت کے عذاب سے وہ پکڑ بہتر ہے' جو دنیا میں ہی ہو جائے کم از کم یہ احساس تو رہتا ہے کہ ہم اپنے اللہ کو یاد ہیں وہ ہمیں بھولا نہیں ورنہ ہماری رسی دراز کر دیتا۔

"تائی یہ حبیبہ ہے میری چھوٹی بہن۔"

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مریم آپا نے اسے تائی کے سامنے لا کھڑا کیا۔

"ہاں میں پہچان گئی یہ ہو بہو زینب جیسی ہے سوائے ایک چیز کے۔" حبیبہ چونک گئی وہ جانے کیا کہنے والی تھیں۔

"اس کی آنکھیں بالکل اپنے باپ جیسی ہیں اللہ بخشے فرہاد کی آنکھیں بھی اتنی ہی خوب صورت تھیں۔ وہ مرد تھا اس لیے اس کی آنکھوں کا بھورا رنگ اتنا نمایاں نہ ہوتا تھا جتنا حبیبہ کا ہو رہا ہے۔"

تائی نے رک رک کر بمشکل اپنے الفاظ مکمل کیے فالج کے باعث ان کی بولنے کی صلاحیت خاصی متاثر ہوئی تھی جس کا اندازہ حبیبہ کو ابھی ابھی ہوا اس نے اپنا سر تائی کے سامنے جھکا دیا کیونکہ وہ اس وقت اس ماحول میں کچھ بھی کہنے کی صلاحیت شاید کھو چکی تھی اس کا ماضی اس پل اس کے بالکل ساتھ آن کھڑا ہوا تھا۔

"جیتی رہو اللہ نصیب اچھا کرے۔" تائی نے اپنا لرزتا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر دعا دی۔

"آمین۔"

آہستہ آواز میں کہتی وہ وہاں سے ہٹ گئی اس فنکشن میں اسے ایشال اور اریشہ نظر نہ آئے۔ مریم نے بتایا ان دونوں نے اپنے کسی دوست کے گھر انوائیٹ ہونے کے باعث یہاں آنے سے معذرت کر لی تھی' سالار انکل بھی خاصے لیٹ پہنچے۔ حبیبہ نے دیکھا وہ اور انکل صمد ایک دوسرے کے برابر بیٹھے آہستہ آہستہ جانے کیا گفتگو کر رہے تھے اسے محسوس ہوا جیسے اس گفتگو کا محور اس کی ذات ہو اس نے ایک دو بار جب بھی نگاہ اٹھا کر دیکھا انکل سالار کو اپنی طرف ہی متوجہ پایا۔

وہ کچھ الجھ گئی اسے سالار انکل کچھ پریشان دکھائی دیئے کیوں وہ جان نہ پائی۔ گھر واپسی میں بھی سالار انکل سارے راستے خاموش سے تھے ایک دو بار نازیہ آنٹی نے پوچھا مگر کوئی جواب نہ پا کر چپ کر گئیں۔

"کیا بکواس ہے یہ دماغ تو نہیں خراب ہو گیا اس کا۔"

شاہ زین کی تیز آواز سن کر وہ وہیں سیڑھیوں کے سرے پر رک گئی۔ نیچے لاؤنج میں نازیہ آنٹی اور سالار انکل کے ساتھ مریم اور شاہ زین بھی موجود تھے' اسے سمجھ نہیں آیا کہ نیچے ایسی کیا بات ہوئی ہے' جس نے شاہ زین کو اتنا چراغ پا کر دیا ہے کہ وہ اپنے بڑوں کا لحاظ بھی بھول بیٹھا۔

"پلیز شاہ زین آہستہ بولو وہ سن لے گی۔"

مریم آپا کی دھیمی آواز کان سے ٹکراتے ہی وہ سمجھ گئی کہ محور گفتگو اس کی اپنی ذات ہے وہ بے اختیار ہی تھوڑا سا پیچھے کی جانب ہو گئی تاکہ اس وقت کسی کی نگاہ اس پر نہ پڑے۔

"واٹ۔"

شاہ زین کی قہر زدہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔
"وہ ہستی جس کی ذات کو ایک شخص نے محض اپنی انا کی تسکین کے لیے تماشا بنا دیا ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسے بھی کچھ پتا نہ چلے حد ہے مریم آپا کیا آپ سمجھتی ہیں کہ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ اسے اعتماد میں لیے بغیر ہی ہم سارے مسئلے کو حل کر دیں۔" وہ مریم آپا سے مخاطب تھا۔
"میرا کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہمیں پہلے ایشال کو سمجھانا چاہیے اسے قائل کرنا چاہیے تاکہ وہ ہماری بات مان سکے اگر ایسا نہ ہوتو پھر اگلے قدم کے طور پر حبیبہ کو سب کچھ بتانا پڑے گا تاکہ پتا چلے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔"
"مجھے سب پتا ہے وہ کیا چاہتی ہے اسے ایشال سے خلع لینا ہے اور بس وہ وقت گزر گیا مریم آپا جب وہ "طلاق" جیسے لفظ کے خوف میں صرف اس لیے جکڑی ہوئی تھی کہ اس کی ماں کی تربیت پر حرف نہ آئے اب میری محبت نے اسے وہ اعتماد بخش دیا ہے کہ وہ برے حالات کا بخوبی مقابلہ کر سکتی ہے اس لیے میں نے سوچا ہے کہ کل کورٹ میں خلع کے کاغذ جمع کروا دیے جائیں مجھے امید ہے کہ میرے اس فیصلے پر آپ سب کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"
سب کے سامنے شاہ زین کا اعتراف محبت اسے اعتماد بخش گیا۔
"تم جو کہہ رہے ہو بے شک وہ سب ٹھیک ہے بیٹا مگر خلع کی درخواست جمع کروا دینا ہمارے مسئلے کا حل نہیں ہے۔"
سالار انکل کو بولنا پڑا۔
"اگر ایشال نے کورٹ میں اگر حبیبہ سے صلح پر آمادگی ظاہر کی تو ہمیں اس کی بات سننا پڑے گی کوئی بھی عدالت ایک دم اپنا فیصلہ نہیں سناتی اور پھر عدالت میں جا کر ذلیل ہونے سے اچھا ہے کہ گھر کی بات گھر میں ہی ہو جائے۔"
"لیکن انکل جب میں اس سے صلح نہیں کرنا چاہتی جب میں اس سے طلاق چاہتی ہوں تو پھر زبردستی کیسی۔"
حبیبہ سے اب مزید برداشت نہ ہوا اور وہ سیڑھیاں اتر کر سب کے درمیان آگئی۔
"تم لوگ ابھی بچے ہو شرعی نزاکتوں کو نہیں سمجھتے۔"
سالار انکل دھیمی آواز میں بولے جبکہ نازیہ آنٹی بالکل خاموش بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔
"مجھے ایک دفعہ ایشال سے بات کرنے دو اگر وہ آمادہ نہ ہوا تو پھر ہم کوئی اگلا قدم اٹھائیں گے۔"



آج دس دن ہو گئے تھے فرہاد کو گئے ہوئے خرچے کے نام پر جو معمولی رقم وہ مجھے دے کر گیا تھا اس میں سے چند سو میرے پاس باقی بچے تھے حالانکہ میں بہت سوچ سمجھ کر پیسہ خرچ کر رہی تھی پھر بھی اس کے جاتے ہی جاذبہ کو بخار ہوا دو دن وہ ڈاکٹر کے پاس گئی اب حبیبہ کی طبیعت خراب تھی وہ دانت نکلنے کے عمل سے گزر رہی تھی میں نے دل ہی دل میں حساب لگایا ابھی شاید اس کے آنے میں مزید دس دن باقی تھے۔
"میرا خیال ہے کہ اماں کو فون کروں کہ وہ احسان کے ہاتھ کچھ رقم بھیج دیں۔"
دوسرے ہی پل میں نے دل میں آئے اس خیال کو رد کر دیا مجھے عجیب سا لگا اگر احسان کی بیوی کو پتا چلا تو وہ کیا سوچے گی جو بھی ہے، مجھے ان ہی پیسوں میں گزارا کرنا ہے سادیہ بھی اپنی نند کے پاس گاؤں گئی ہوئی تھی ورنہ اتنا مسئلہ نہ ہوتا وہ تو اکثر ہی میرے کام آجایا کرتی تھی باوجود کوشش کے حبیبہ کا بخار رات میں تیز ہو گیا۔
اماں نے صبح فون کیا تھا کہ میں کچھ دن ان کی طرف رہ لوں مگر چونکہ مریم کے اسکول ٹیسٹ چل رہے تھے اس لیے میں نے معذرت کر لی مگر اس پل حبیبہ کی بگڑتی حالت دیکھ کر مجھے افسوس ہوا۔
کاش میں صبح ہی رکشہ کر کے اماں کی طرف چلی جاتی تو یہ مسئلہ نہ ہوتا اب رات کے اس پہر میں کس کے ساتھ

ڈاکٹر کے پاس جاؤں وہ بری طرح الٹیاں کر رہی تھی اگر اس کی یہ حالت کچھ دیر اور رہتی تو یقیناً" وہ پانی کی کمی کا شکار ہو جاتی میں تیزی سے اندر کمرے میں آئی مریم بیڈ پر بیٹھی اپنے ٹیسٹ کی تیاری کر رہی تھی جبکہ جاذبہ سو گئی تھی۔

"کیا بات ہے اماں رو کیوں رہی ہیں۔"

شاید پریشانی کے سبب میری آنکھوں میں پانی آ گیا تھا جو میری معصوم بچی کی نگاہوں سے چھپا نہ رہ سکا۔

"کچھ نہیں بیٹا تم اپنی پڑھائی کرو حبیبہ کی طبیعت بہت خراب ہے اور میں اسے لے کر ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔"

اسے تسلی دے کر میں نے کپڑوں تلے دبا موبائل نکالا اور باہر صحن میں آ گئی وجاہت کا نمبر ملایا دوسری بیل پر ہی اس نے فون ریسیو کر لیا۔

"خیریت ہے زینب اس وقت میں کیسے یاد آ گیا۔"

میں کبھی بھی اتنی رات گئے وجاہت سے بات نہ کرتی تھی اس لیے میرا نمبر دیکھ کر اسے حیرت ہوئی جس کا اظہار کیے بنا وہ نہ رہ سکا۔

"حبیبہ کی طبیعت بہت خراب ہے اسے لے کر اسپتال جانا ہے۔"

"تم اسے لے کر مین روڈ کی طرف آؤ میں پانچ منٹ میں وہاں پہنچ جاؤں گا مریم اور جاذبہ اوپر فائزہ کے پاس چھوڑ دو۔"

میں کیا چاہتی تھی وہ ایک پل میں سمجھ گیا۔

"نہیں آج کل اس کا شوہر پاکستان آیا ہوا ہے اس لیے اچھا نہیں لگتا کہ اتنی رات گئے بچیاں اس کے گھر چھوڑوں میں باہر سے لاک کر کے اوپر فائزہ کو اطلاع کر دیتی ہوں کہ وہ دونوں گھر پر اکیلی ہیں۔"

جلدی جلدی یہ سب کہہ کر میں نے فون بند کیا مریم کو ساری ضروری ہدایات دیں حبیبہ کو اچھی طرح کپڑے میں لپٹا اس کے فالتو کپڑے ایک شاپر میں ڈالے اور گھر کے دروازے کے باہر سے تالا لگا کر میں اپنی گلی پار کر کے مین روڈ پر آ گئی مجھے علم تھا وجاہت گاڑی لے کر کہاں کھڑا ہو گا جب تک میں وہاں پہنچی وجاہت کی سفید گاڑی دور سے ہی نظر آ گئی دروازہ کھولے وہ باہر ہی کھڑا تھا میرے بیٹھتے ہی اس نے بنا کوئی بات پوچھے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور پھر چند ہی منٹوں میں ہم شہر کے ایک بہترین اسپتال میں تھے جہاں ایمرجنسی میں حبیبہ کو ایڈمٹ کر لیا گیا اس کی حالت بہت خراب تھی اگر مجھے آنے میں کچھ دیر ہو جاتی تو جانے کیا ہوتا پانی کی کمی کو پورا کرنے کے لیے اسے ڈرپ لگا دی گئی۔

میں نے ٹائم دیکھا رات کے دو بج گئے تھے مریم اور جاذبہ گھر میں بالکل تنہا تھیں میرا دل ہول گیا مگر کیا کرتی مجبوری تھی حبیبہ کو ایسی طرح چھوڑ کر میں گھر واپس نہیں جا سکتی تھی بمشکل میں نے دو گھنٹے اور گزارے اور پھر اماں کو فون کیا جانتی تھی کہ اس وقت وہ تہجد کے لیے اٹھی ہوں گی انہیں ساری بات بتائی سوائے اس کے کہ میں وجاہت کے ساتھ اسپتال آئی ہوں انہیں بتایا کہ مجھے فائزہ کا شوہر چھوڑ کر گیا ہے۔

"پلیز اماں آپ گھر چلی جائیں دونوں بچیاں رات سے تنہا ہیں۔"

ان کے پاس میرے گھر کی دوسری چابی موجود تھی اس لیے میں نے ان سے درخواست کی۔

"تمہیں مجھے رات ہی اطلاع دینی چاہیے تھی۔" وہ خفگی سے بولیں۔

"بہرحال ابھی میں احسان کے ساتھ جا رہی ہوں تم فکر مت کرو۔" ان کے اس جملے نے مجھے مطمئن کر دیا۔

"شکریہ اماں۔"

میں فون بند کر کے وجاہت کی سمت پلٹی جو نرس کی ہدایت کے مطابق میڈیکل اسٹور سے کچھ دوائیاں خرید کر

لایا تھا وہ رات سے میرے ساتھ تھا ورنہ میں تنہا عورت کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"میں تمہارا شکریہ کس طرح ادا کروں وجاہت میرے پاس الفاظ نہیں ہیں تم ہمیشہ اس وقت میرے کام آتے ہو جب مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا ہوتا کہ میں کیا کروں۔"

میں نے تہ دل سے اسے خراج تحسین پیش کیا حالانکہ جانتی تھی کہ میرے الفاظ کم ہیں اس نے بنا کچھ کہے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے تسلی دی اور پھر نو بجے تک حبیبہ کی طبیعت کافی بہتر ہو گئی اور ہم اسے ڈسچارج کروا کر گھر لے آئے جہاں ایک نیا امتحان میرا منتظر کھڑا تھا۔



"تم نے کبھی ایسی مچھلی دیکھی ہے جسے زندہ پانی سے نکال کر کنارے پر ڈال دیا جائے اور اس کے پاس کھڑے لوگ اس کے تڑپنے کا منظر بڑی بے حسی سے دیکھ رہے ہوں۔"

اریشہ کے الفاظ حبیبہ کے حساس دل کو زخمی کر گئے اس نے نظر اٹھا کر سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھا جس کی وجہ سے اس نے جانے کتنی راتیں رو رو کر گزاری تھیں جس کے ہونے سے اس کی زندگی کے کئی سال ویران کیے پھر بھی اسے اس لڑکی سے کوئی شکوہ نہ تھا۔ وہ تو پچھتائی تھی اس وقت کو جب اس نے ایشال کے اپنے سامنے آنے کی دعا کی تھی کبھی وہ چاہتی تھی کہ ایشال صرف ایک بار اسے دیکھے اور پھر تا عمر اپنے فیصلے پر پچھتائے مگر آج نہیں آج تو وقت بہت بدل گیا تھا۔

"مسوتن تو پتھر کی بھی، بہت اذیت دیتی ہے اور تم تو ایک جیتا جاگتا وجود ہو' حبیبہ تم شاید اندازہ نہیں لگا سکتیں کہ تمہارا ہونا میرے لیے کتنی تکلیف کا باعث بن رہا ہے۔"

حبیبہ نے دیکھا یہ اریشہ اس لڑکی سے، بہت مختلف تھی جسے پہلی بار اس نے نازیہ آنٹی کے گھر دیکھا تھا یہ تو کوئی اور ہی لڑکی تھی پیلی رنگت' روکھے بال' میک اپ سے عاری چہرہ' بنا کسی وجہ کے وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"تمہاری تکلیف کا اندازہ مجھ سے زیادہ بہتر شاید کوئی نہیں لگا سکتا اریشہ وہ اذیت جو تم پچھلے چھ دنوں سے بھگت رہی ہو' میں نے پورے دس سال جھیلی ہے۔ سو چو تم چھ دنوں میں تھک گئیں' ہار گئیں اور میں تن تنہا دس سالوں میں بھی تھک کر چور نہ ہوئی شاید اس لیے کہ تمہیں ایشال سے محبت تھی اور اس کے بدلنے نے تمہیں تکلیف دی ورنہ حق ملکیت تو اس پر میرا بھی اتنا ہی تھا جتنا آج تمہارا ہے۔ اگر وہ تمہارا شوہر ہے تو نکاح میں تو میں بھی اس کے تھی پھر تم نے کس طرح اس سے شادی کر لی' کیوں نہ سوچا کہ اگر کبھی زندگی میں وہ میرے سامنے آگیا تو کیا ہو گا۔"

اس کے سوال کا اریشہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا وہ خاموش کھڑی اپنی انگلیاں مروڑتی رہی۔

"تم نے اپنی زندگی کی شروعات ریت کے محل سے کی تھی جو تیز چلتی ہوا کے سامنے کبھی نہیں ٹھہرپاتا۔ تمہیں چاہیے تھا اس کا نام اپنے ساتھ لگانے سے پہلے قانونی اور شرعی طور پر مجھے اس سے الگ کرتیں مگر تم نے ایسا نہ کیا۔ تمہیں شاید خود پر بہت اعتماد تھا ایشال کی محبت پر بھروسا تھا تم بہت بیوقوف تھیں اریشہ ایسے مرد کی محبت کبھی قابل اعتبار نہیں ہوتی' جو رشتوں کی نزاکتوں کو نہیں سمجھتا' تم اس کے لیے صرف اس لیے اہم تھیں کہ تم اس کے قریب تھیں۔ مجھ سے فرار کے لیے اس نے تمہارا سہارا لیا اور آج تم سے فرار کے لیے وہ بے اولادی کا سہارا لے رہا ہے ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں۔"

سینے پر دونوں ہاتھ باندھے وہ بڑے پر اعتماد انداز میں کھڑی اریشہ سے جواب طلب کر رہی تھی اور اریشہ جو اسے جانے کیا کیا سنانے کا سوچ کر گھر سے نکلی تھی اب بالکل گونگی ہو گئی حبیبہ کی باتوں نے اسے آئینہ دکھا دیا اس کے

تمام الفاظ کہیں گم ہو گئے۔

"بہر حال تم فکر نہ کرو مجھے ایشال کے ساتھ نہیں رہنا وہ کچھ بھی کر لے طلاق میرا قانونی حق ہے جو میں اس سے لے کر رہوں گی اس لیے تمہیں مجھ سے گھبرانے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مجھے تمہارا پتا ہے حبیبہ تمہاری زندگی میں اب ایشال کی کوئی اہمیت نہیں رہی مسئلہ تو صرف ایشال کا ہے جو اپنے ضدی طبیعت کے باعث ہمیشہ وہ کرنا چاہتا ہے جس سے اسے روکا جائے۔"

وہ بیوی تھی اس لیے ایشال کی فطرت سے واقف تھی۔ "صمد انکل سے میری بات ہو گئی ہے ان کے کہنے کے مطابق میں نے آج ہی کورٹ میں خلع کی درخواست جمع کروائی ہے مجھے امید ہے ان شاء اللہ فیصلہ بہت جلد میرے حق میں ہوگا۔"

حبیبہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی اریشہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھایا وہ شکوہ جو کبھی اسے اریشہ سے تھا آج خود بخود دور ہو گیا اور اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ وہ ایشال کی پہلی بیوی نہیں تھی ورنہ وہ اسے اریشہ کی خاطر بہت پہلے ہی چھوڑ چکا ہوتا چھوڑا تو اس نے اب بھی تھا مگر اس چھوڑنے کے بعد جو تکلیف وہ اٹھا رہا تھا دوسری صورت میں یہ زندگی بھر کا روگ حبیبہ کا نصیب بن جاتا۔



"جانے تم کیسے بھائی ہو جو صرف مجھے نیچا دکھانے کے لیے حبیبہ کو بہکا رہے ہو۔"

وہ ابھی ابھی آفس آکر بیٹھا ہی تھا جب زوردار آواز کے ساتھ دروازہ کھول کر ایشال اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں دبا کاغذ دیکھ کر شاہ زین ساری صورت حال سمجھ گیا "یقیناً" اسے آج ہی کورٹ کی طرف سے خلع کا نوٹس ملا تھا جس نے اسے آپے سے باہر کر دیا۔

"اسلام و علیکم بھائی آپ بیٹھیں تو سہی۔"

شاہ زین اس کے غصہ کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا مجھے بتاؤ یہ سب کیا ہے؟" ہاتھ میں پکڑا کاغذ کا ٹکڑا اس نے شاہ زین کی ٹیبل پر پٹخا۔

"آپ نے پڑھا نہیں ہے۔"

اس نے خاصا ریلیکس ہوتے ہوئے اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"پڑھا ہے اس لیے ہی تم سے پوچھ رہا ہوں اگر حبیبہ نے مجھ سے خلع لینا تھا تو اس وقت کیوں نہ لیا جب میں نے اسے تنہا چھوڑ کر اریشہ سے شادی کی۔ اتنے سال اس نے میرے نام پر بیٹھ کر گزار دیے جب بھی پاپا یا انکل نے اسے طلاق لے کر شادی کے لیے کہا اس نے منع کر دیا پھر اب ایسا کیا ہوا کہ جب میں نے اسے اپنانا چاہا اور وہ مجھے چھوڑنے پر تیار ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے شاہ زین اس کے پیچھے تم کھڑے ہو تم اس کی محبت میں گرفتار ہو کر یہ بھی بھول گئے ہو کہ اس کا تم سے رشتہ کیا ہے؟"

حبیبہ اس کی ملکیت تھی یہ احساس ایشال کے لہجہ میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا جس کا اندازہ اس کے الفاظ سن کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"ایک منٹ بھائی مجھ پر اتنے الزام لگانے سے پہلے آپ صرف اپنے ہی کہے ہوئے الفاظ پر غور کریں تو شاید آپ کی سمجھ میں سب کچھ آجائے۔"

شاہ زین نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روکا۔

"آپ نے ابھی کچھ دیر پہلے خود ہی کہا کہ جب وہ تنہا تھی تب اس نے آپ کو نہیں چھوڑا تو بات صرف اتنی ہے

کہ اب وہ تنہا نہیں ہے۔ تنہا عورت مرد کو چھوڑتے ہوئے شاید ڈرتی ہے کہ 'دنیا کیا کہے گی' مگر وہ عورت جس کے آس پاس سارے رشتے موجود ہوں۔ جو اسے سپورٹ کر رہے ہوں وہ عورت کسی ایسے مرد کے نام پر اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتی جو کبھی اس کا تھا ہی نہیں' آپ شاید بھول گئے وہ آپ کی بیوی نہیں صرف منکوحہ ہے بہت فرق ہوتا ہے ایک بیوی اور منکوحہ میں اور منکوحہ بھی ایسی جس کی دس سالوں میں آپ نے کوئی ذمہ داری پوری نہیں کی جبکہ' آپ کے نکاح میں آنے کے بعد آپ اس کے نان نفقہ کے ذمہ دار تھے' پھر آپ نے یہ کیوں نہ سوچا کہ آپ کے چھوڑنے کے بعد وہ کہاں جائے گی۔ کبھی اتنے سالوں میں آپ نے یہ سوچا کہ وہ کن حالوں میں اپنی زندگی گزار رہی ہے۔ نہیں نا۔"

شاہ زین سانس لینے کے لیے رکا' اتنی گفتگو میں بھی اسے ایشال کے چہرے پر کوئی شرمندگی نظر نہیں آئی جس سے یہ احساس ہوتا کہ اس پر شاہ زین کی باتوں کا کوئی اثر ہوا ہے۔

"جب آپ نے اس کے بارے میں یہ سب نہیں سوچا تو اب آپ یہ کیوں چاہ رہے ہیں کہ وہ آپ کی فکر کرے۔"

"مجھے پتا تھا کہ پاپا اس کی کفالت کر رہے ہیں اب چاہے نان نفقہ میں پورا کرتا یا میرا باپ بات ایک ہی تھی۔"

اس نے ڈھٹائی سے ٹانگ پر ٹانگ دھرتے ہوئے جواب دیا۔

"معاف کیجیے گا آپ کو شاید علم نہیں فرہاد انکل کے گھر کی جگہ آج جو بلڈنگ تعمیر ہے اس کا کرایہ ان تینوں بہنوں کا قانونی حق ہے اس میں جتنا حصہ مریم اور جاذبیہ آپا کا تھا اتنا ہی حبیبہ کا بھی تھا اور وہ ہی پیسہ حبیبہ کی ذات پر خرچ ہوا ہم میں سے کسی نے اس پر کوئی احسان نہیں کیا۔"

شاہ زین نے اس کی ساری غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

"مجھے ان تمام باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ میں حبیبہ کو طلاق نہیں دے رہا اور تم بجائے اپنے مفاد کی خاطر ہمیں جدا کروانے کے' بہتر ہے کہ اس سے صلح میں میری مدد کرو کیوں کہ سننے میں آیا ہے وہ تمہاری بات بہت مانتی ہے۔"

"وہ عاقل و بالغ لڑکی ہے اور اپنی زندگی کے لیے وہ ہی فیصلہ کرے گی جو اس کا دماغ اسے اجازت دے گا۔"

شاہ زین نے حتمی لہجہ میں بات ختم کرنا چاہی۔

"بہر حال کوئی بھی شرعی قانون مجھے دو شادیوں سے نہیں روک سکتا وہ بھی اس صورت میں جب میں اولاد کا خواہش مند ہوں اس لیے بہتر ہے کہ تم اس مسئلے سے دور رہو۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا لیکن جاتے جاتے شاہ زین کو تنبیہ کرنا نہ بھولا۔ اس کے باہر نکلتے ہی شاہ زین مسکرا دیا وہ بے شک اس کا سگا بھائی تھا دونوں کا خون ایک ہی تھا مگر شاید تربیت میں فرق تھا اس کی تربیت نازیہ جیسی عورت کی گود میں ہوئی جو ایک حساس دل کی مالک تھی جب کہ صباحت کے لہجہ میں ایک خاندانی فخر و غرور اسے ہمیشہ جھلکتا نظر آیا وہ ہی فخر و غرور اسے ابھی ابھی ایشال کے اندر بھی دکھائی دیا۔



"فرہاد کا فون آیا تھا۔"

میں نے حبیبہ کو دوا کھلا کر فارغ ہوئی تھی کہ اماں نے اطلاع دی۔

"اچھا۔"

میں مختصر جواب دے کر واش روم گئی تاکہ ہاتھ منہ دھو کر اماں کو ناشتا دے سکوں کیوں کہ گیارہ بج گئے تھے اور

انہوں نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا تھا۔

"کیا کہہ رہا تھا فرہاد۔"

میں تولیہ سے منہ پونچھ کر ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اعتراض کررہا تھا کہ تم نے اسے حبیبہ کی طبیعت کی خرابی کا نہیں بتایا اور یہ کہ تم نعمہ بھابھی کو فون کرتیں اور ان کے ساتھ اسپتال جاتیں! بیٹا وہ تو بہت ناراض ہو رہا تھا کہ اس طرح کسی غیر کے ساتھ اسپتال جاتے کی کیا ضرورت تھی۔"

"آپ نے ناشتا کیا ہے؟"

میں نے ان کی بات درمیان سے ہی کاٹ کر سوال کیا۔

"ہاں چائے بنا کر پی تھی اب تم کھانا ہی بنالو مجھے ناشتے کی حاجت نہیں ہے۔"

اماں کا بجھا ہوا لہجہ اس بات کا گواہ تھا کہ فرہاد نے میرے اسپتال جانے کا سن کر اماں کو بہت کچھ سنا دیا ہے۔

"اچھا ہے ان کو بھی پتا چلے کہ ان کا داماد کس قابل ہے۔" یہ سوچتی ہوئی میں کچن میں آگئی تاکہ مریم اور جاذبیہ کے لیے کچھ بنا سکوں۔



"میرا تم سے ملنا بہت ضروری ہے حبیبہ۔"

فون کے دوسری طرف موجود ایشال کا لہجہ ملتجی تھا۔

"آپ کو مجھ سے جو بھی بات کرنی ہو پلیز کورٹ میں کریں اور ویسے بھی میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" حبیبہ نے دوٹوک لہجہ میں جواب دیا۔

"دیکھو حبیبہ جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ اور اب بھول کر مجھ سے صلح کرلو یقین جانو تمہیں اب مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"مجھے سمجھ نہیں آتا ایشال آپ کس قسم کے مرد ہیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تلخ ہو گئی۔

"وہ اریشہ جس کی خاطر آپ ساری دنیا چھوڑنے کو تیار تھے آج اس اریشہ کے بہتے آنسو آپ کو دکھائی نہیں دے رہے آپ اس سب کو نظر انداز کر کے مجھ سے دس سالہ پرانا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے پر بضد ہیں' لیکن جو رشتہ ٹوٹ رہا ہے وہ آپ کو دکھائی نہیں دے رہا۔"

"میں اریشہ سے کوئی رشتہ نہیں توڑ رہا وہ میرے لیے آج بھی وہی اریشہ ہے جو دس سال قبل تھی اور سوچو ذرا اگر اس سے شادی کرتے سے تم سے میرا رشتہ ختم نہ ہوا تھا تو اب اس سے کوئی رشتہ کیسے ختم ہو سکتا ہے۔"

شاہ زین نے صحیح اندازہ لگایا تھا ایشال اس معاملے میں خاصا ڈھیٹ ثابت ہوا تھا اس سے بات کر کے حبیبہ کو جلد ہی یہ علم ہو گیا کہ اسے شاید شاہ زین سے ضد ہو گئی ہے اور وہ صرف یہ چاہ رہا ہے کہ کسی طرح اسے شاہ زین سے جدا کر دیا جائے وہ ایسا کیوں چاہ رہا تھا حبیبہ سمجھ نہ پائی۔

"جو بھی ہے ایشال یہ طے ہے کہ میرا تم سے کوئی بھی رشتہ اس دن ہی ختم ہو گیا تھا جب تم نے اریشہ کی محبت میں مجھے ٹھکرایا تھا اور ختم ہونے والے رشتے دوبارہ اس وقت تک استوار نہیں ہوتے جب تک دونوں فریقین رضامند نہ ہوں اور مجھے کبھی بھی کسی بھی حال میں اب تمہارا ساتھ نہیں چاہیے یہ میرا آخری اور حتمی فیصلہ ہے اور اس سلسلے میں کوئی بھی مجھے مجبور نہیں کر سکتا نہ تم' نہ عدالت' نہ ہی انکل' کوئی اور خدا حافظ۔ تمہارے لیے بہتر ہو گا کہ آئندہ مجھ سے اس طرح بات کرنے کی کوشش نہ کرنا اب تمہیں جو بھی کہنا ہو وہ عدالت میں ہی کہنا۔"

"ایک منٹ حبیبہ فون بند مت کرنا۔"
اس سے قبل کہ وہ فون بند کرتی ایشال بول اٹھا۔
"دیکھو حبیبہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا، لیکن میری ایک شرط ہے تم مجھ سے ایک دفعہ مل لو صرف ایک دفعہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔" وہ یہ سب کیوں چاہ رہا تھا حبیبہ سمجھ نہ پائی۔
"بہت مشکل ہے ایشال میں آپ سے نہیں مل سکتی۔" اس کے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا۔

زندگی غم کا ساگر بھی ہے
ڈوب کے اس پار جانا پڑے گا

ایشال کئی دیر تک ہاتھ میں سیل لے کر اسے گھورتا رہا اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ فون کے دوسری طرف وہ حبیبہ تھی جس نے اس کے نام پر اپنی پوری زندگی گزار دینے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ بات وہ کئی بار اپنی ماں سے سن چکا تھا اب حبیبہ وہ نہیں تھی یہ حبیبہ اس کے ساتھ ایک پل بھی نہیں رہ سکتی تھی وقت شاید بہت بدل گیا تھا۔
"عزت اسی میں ہے کہ میں خود اسے طلاق دے دوں۔"
یہ فیصلہ کرتے ہی وہ مطمئن ہو گیا۔

(آئندہ ماہ آخری قسط ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼



نفیسہ سعید

اک ساگر ہے زندگی

ملک صاحب اپنے گھر والوں کو بے خبر رکھ کر اپنے کم سن بیٹے ایشال کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ ایشال اپنی کزن عریشہ میں دلچسپی رکھتا ہے اور سن بلوغت تک پہنچتے ہی وہ اس نکاح کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے' ملک صاحب ہار مانتے ہوئے اس کی دوسری شادی عریشہ سے کر دیتے ہیں جس کی شرط صرف اتنی ہے کہ وہ اپنی پہلی منکوحہ کو طلاق نہیں دے گا۔

حبیبہ تعلیم حاصل کرنے کراچی آئی ہے جہاں وہ شاہ زین کے والد کے آفس میں جاب کرنے لگتی ہے جس دوران شاہ زین حبیبہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے' مگر حبیبہ کا ردعمل اس معاملے میں خاصا عجیب و غریب ہے وہ شاہ زین کو اپنا دوست تو مانتی ہے مگر اس کی محبت کا مثبت جواب نہیں دے پاتی۔

فرہاد تین بھائی ہیں اس کے دونوں بڑے بھائی معاشی طور پر مستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی' بچوں کی ضروریات بھی کھلے دل سے پوری کرتے ہیں جبکہ فرہاد اس معاملے میں خاصا کنجوس ہے یہ ہی سبب اس کی بیوی زینب کو فرہاد سے بد ظن کرنے کا باعث بن جاتا ہے۔

فضا' زینب کی جٹھانی ہے جو اس کی خوب صورتی سے حسد کرتی ہے اور اپنی اس حسد کا اظہار وہ اکثر و بیشتر اپنے رویہ سے کرتی رہتی ہے۔ سالار' صباحت کا کزن ہے جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زینب کو پسند کرنے لگتا ہے' اسی لیے وہ بہانے بہانے اسے قیمتی تحائف سے بھی نوازتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

تیرھویں اور آخری قسط



صحن میں یہاں وہاں سامان بکھرا پڑا تھا' آب زم زم کے کین ' کھجور' جانمازیں اور بھی بہت سارا سامان جس کے یاسمین آپا پیکٹ بنا رہی تھیں اور فرہاد ان پر سب رشتہ داروں کے نام لکھ رہا تھا۔ میری حیثیت تیسرے فریق جیسی تھی جس کے وہاں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس سارے عمل کی کرتا دھرتا یاسمین آپا تھیں' کس کو جانماز دینی ہے' کسے صرف کھجور اور پانی اور کس کو وہاں سے لایا ہوا کوئی اور تحفہ' اس سب کا فیصلہ وہی کر رہی تھیں اور فرہاد ان کے کیے گئے ہر فیصلہ پر کسی روبوٹ کی مانند عمل درآمد کر رہا تھا۔

صبح سے آنے والے مہمانوں کی خاطر مدارات نے مجھے تھکا دیا تھا' ابھی فضہ بھابھی نے ملنے آنا تھا اسی سبب میں کچن میں کھانا بنا رہی تھی جب باہر سے آتی یاسمین آپا کی آواز نے میرے کام کرنے کے عمل کو سست کر دیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے موضوع گفتگو میری ذات ۔ یا میرے گھر والے ہیں میں کچن کے دروازے سے مزید قریب ہو گئی' یاسمین آپا کی میرے کانوں تک آتی آواز نے مجھ پر ہر چیز واضح کر دی۔

"میرا خیال ہے کہ کھجور اور پانی کے ساتھ ایک جانماز اور تسبیح کافی ہے۔"

"لیکن آپا۔۔۔" فرہاد آہستہ آواز میں منمنایا۔

"میں جو سفید دوپٹا لایا ہوں وہ بھی اماں جی کا ہے حسن اور احسان کے لیے ٹوپیاں بھی رکھ دیں اور دو عطر کی بوتلیں بھی ان کی ہیں۔"

"حد ہے فرہاد کیا ضرورت ہے اتنا سامان دینے کی اب دیکھو ہمیں چھ گھنٹے ہو گئے آئے ہوئے' مگر مجال ہے ابھی تک کسی نے ایک فون کر کے مبارک دی ہو۔"

"وہ تو صحیح ہے آپا پھر بھی برا لگتا ہے غیروں کی طرح دو چیزیں دینا۔"

مجھے حیرت ہوئی فرہاد اور میرے گھر والوں کی وکالت' مجھے کسی طور یقین نہ آرہا تھا کہ یہ الفاظ فرہاد کے ہیں۔

"تو بھائی پھر جو تمہارا دل چاہے تم کرو' مجھے میری کھجور اور پانی الگ کر دو۔" صاف محسوس ہوا کہ آپا ناراض ہو گئی ہیں۔

"اُف آپا اتنی چھوٹی سی بات پر آپ اپنا دل کیوں برا کر رہی ہیں' ٹھیک ہے جو آپ بہتر سمجھیں وہ کریں۔"

اب مجھ سے برداشت نہ ہوا اور میں کچن سے باہر نکل آئی شروع سے ہی سب مجھ سے یہ کہتے تھے کہ میں بہت جذباتی ہوں اور غصے میں بنا سوچے سمجھے جو منہ میں آتا ہے بول دیتی ہوں بنا کسی لحاظ و مروت کے' میری یہ خوبی شاید کافی عرصہ سے میرے حالات نے دبا دی تھی اب مجھے محسوس ہوا کہ وہ ابھر کر سامنے آرہی ہے اور شاید یہ میری جذباتیت ہی تھی جو بنا سوچے سمجھے کچن سے باہر آکر یاسمین آپا سے الجھ پڑی۔

"یاسمین آپا آپ پلیز میرے گھر والوں کے لیے کھجور اور پانی بھی مت دیں۔ اماں سے سپارہ پڑھنے والے بچوں کے گھر سے یہ سب سوغات اتنی آتی ہیں کہ ہم خود محلے میں تقسیم کرتے ہیں۔"

"تم کچن میں جاؤ زینب تم سے بات نہیں ہو رہی۔" ان کے جواب دینے سے قبل ہی فرہاد بول اٹھا۔

"مجھ سے بات نہیں ہو رہی' لیکن میری بات ہو رہی ہے۔ آپ محلے بھر کے لیے تحفہ تحائف لائے میں نے تو کچھ نہیں پوچھا جہاں میرے گھر والوں کی بات ہوئی وہاں انہیں پریشانی لاحق ہو گئی۔"

مانتی ہوں میرا لہجہ بہت تیز تھا اور شاید یہ یاسمین آپا کے لیے بالکل غیر متوقع تھا کہ میں فرہاد کے سامنے اتنی بدتمیزی کا مظاہرہ کروں' وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہکا بکا میرا منہ تکنے لگیں۔

"آپ پیٹھ پیچھے تو خوب باتیں کرتی ہیں اور اب سامنے بالکل ایسے لگ رہا ہے جیسے آپ کو بولنا ہی نہ آتا ہو۔"

فرہاد کا مجھے بنا بتائے ان کے ساتھ عمرہ پر جانا' میری ہر بات ان سے ڈسکس کرنا یہ وہ وجوہات تھیں جنہوں نے اسی پل مجھے بری طرح بھڑکا دیا۔

"میں نے تو کبھی آپ کے شوہر کو فون کر کے آپ کی برائیاں نہیں کیں تو پھر کیا کام ہے آپ کا' ہر وقت فرہاد سے میری باتیں مزے مزے لے لے کر سننے کا اور کرنے کا۔"

"زینب خاموش ہو جاؤ۔۔۔"

فرہاد نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ مجھے خاموش کروانے کی کوشش کی جبکہ 'یاسمین آپا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور بنا کچھ کہے یہاں وہاں رکھا سامان سمیٹنے لگیں۔ ان کے ماتھے پر پڑی تیوریاں ان کے شدید غصہ کی عکاسی کر رہی تھیں۔

"کیوں خاموش ہو جاؤں پچھلے چھ سات سال میں نے خاموش رہ کر ہی گزار دیے اور آپ میری ایک ایک بات اپنی بہن سے شیئر کرنے لگے' بنا یہ سوچے کہ مرد و عورت ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں اور یہ حکم قرآن کا ہے کہ ہمیں اپنی باتیں دوسروں کے سامنے نہیں کرنی چاہئیں۔ پھر بھی فرہاد آپ نے نہ کبھی خود میری عزت کی اور نہ کسی کو کرنے دی۔"

زور زور سے بول کر میں نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی اور پھر کچھ بھی سنے بنا اندر کمرے میں جا کر دروازے کی کنڈی لگائی اور بستر پر گر کر رونے لگی۔ مجھے لگا شاید میری باتوں نے فرہاد کے اندر موجود انسان کو جگا دیا ہو گا' مجھے امید تھی کہ وہ پشیمان ہو گا اور کچھ دیر بعد مجھے کھانے کے لیے بلانے ضرور آئے گا' مگر ایسا کچھ نہ ہوا دوپہر سے شام ہو گئی کسی نے میرے کمرے کا دروازہ نہ بجایا اور نہ ہی مجھے آواز دی۔

میں نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا' جہاں سے آنے والی آوازیں سن کر مجھے پتا چلا کہ فضہ بھابھی بھی آئی ہوئی ہیں' لیکن ان میں سے کسی نے بھی ضرورت محسوس نہ کی کہ مجھے آواز دے کر بلایا جاتا' کم از کم فضہ بھابھی تو مجھ سے آکر ملتیں' مگر ایسا نہ ہوا اور رات کو ڈھیٹوں کی مانند کمرے کا دروازہ کھول کر میں خود ہی باہر نکل آئی۔ ظاہر ہے جب مجھے یہاں رہنا تھا تو بلاوجہ یہ سب نخرے کرنے کی کیا ضرورت تھی' جبکہ معلوم تھا کہ انہیں دیکھنے والا یہاں کوئی نہیں ہے۔ ویسے بھی بھوک بڑی ظالم چیز ہے پیٹ کی ہو یا کسی اور چیز کی۔۔۔



"پلیز اریشہ مجھے معاف کر دو اور اس طرح تنہا چھوڑ کر مت جاؤ۔"

ایشال نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ میں تھما بیگ پکڑ لیا۔

"چھوڑ دو ایشال میں فیصلہ کر چکی ہوں حبیبہ سے رخصتی کی صورت میں تمہیں مجھے طلاق دینا ہو گی۔"

سرخ آنکھیں اور پیلی رنگت کے ساتھ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"بے وقوف عورت تمہیں کس نے کہا کہ میں حبیبہ کو رخصت کروانے لگا ہوں۔"

اپنے لہجہ کو بشاش بناتے ہوئے اس نے اریشہ کو بازو سے تھام کر اپنے قریب کیا۔

"مجھے معاف کر دو اریشہ شاید حسد' غصہ اور جانے کس جذبے کے تحت میں نے وہ بے وقوفانہ فیصلہ کیا جس نے کئی دنوں سے پورے خاندان کو ایک اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے' میں شرمندہ ہوں اپنے کہے ہوئے الفاظ اور عمل سے جو تمہاری تکلیف کا باعث بنے۔" نہ صرف اس کے الفاظ بلکہ لہجہ میں بھی شرمندگی تھی۔

"میں نے ہمیشہ یہ سمجھا کہ حبیبہ کے ہونے یا نہ ہونے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا' لیکن شاید حبیبہ میرے بغیر مر جائے گی یہ احساس برتری ہمیشہ میرے اندر موجود رہا۔ مجھے لگتا تھا کہ جب میں اسے طلاق دینے لگوں گا تو وہ میرے سامنے گڑگڑائے گی۔ میرے سامنے حبیبہ کا تصور ایک بے چاری سی عورت کا تھا' لیکن جب وہ میرے سامنے آئی تو اس کے اعتماد اور مجھے اگنور کرنے کے عمل نے میرے تن من کو جھلسا دیا' مجھے آگ لگا دی اور میں

ضد میں آگیا' جانے کیوں میں اسے اپنے سامنے روتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا' مگر ایسا نہ ہوا' حبیبہ کے رویہ نے میری مردانگی پر ضرب لگائی اور اسے جھکانے کی خاطر میں بنا سوچے سمجھے یہ سب فضول حرکتیں کرتا گیا جن پر اب میں بے حد شرمندہ ہوں۔ اب ہوسکے تو پلیز تم وہ سب باتیں بھول جاؤ اور مجھے معاف کردو۔"

وہ اس کی منت کرتے ہوئے بولا۔ اریشہ نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی جہاں شرمندگی رقم تھی' مگر پھر بھی اس کا دل نہ چاہا کہ وہ ایشال کو معاف کردے' پچھلے کئی دنوں سے وہ اس کی وجہ سے جس ذہنی اذیت کا شکار تھی وہ قطعی قابل معافی نہ تھی' لیکن کیا کرتی مجبور تھی کیوں کہ وہ ایک مشرقی عورت تھی' جو ہمیشہ اپنے نصف بہتر کی تمام غلطیوں کو نظرانداز کرنے کی عادی ہوتی ہے' چاہے وہ کسی اعلا یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ ہی کیوں نہ ہو' لیکن شاید عورت صرف عورت ہوتی ہے ایسے حالات میں اریشہ اور زینب میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

"فی الحال مجھے تنہا چھوڑدو ایشال' میرا اس وقت کسی سے کوئی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا۔"

وہ اپنے کمرے کی جانب واپس پلٹی ایشال کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ رک گئی تھی۔ ورنہ آج اگر وہ ایشال کی بات نہ مانتی اور یہ گھر چھوڑ جاتی تو جانے کیا ہوتا؟ اسے یقین تھا کہ ماموں اور مامی کبھی اریشہ کو دوبارہ اس گھر میں نہ آنے دیتے خواہ کچھ بھی ہوجاتا۔

"تھینک یو اریشہ تم نے آج میرا مان رکھ لیا۔" وہ اریشہ کے پیچھے کمرے کے دروازے تک آیا۔

"تمہارا مان نہیں' اپنی عزت رکھی ہے آج میں نے اور میں اگر یہاں رکی ہوں تو اس کی وجہ تم نہیں ہو' وجہ صرف یہ ہے کہ میں نہیں چاہتی لوگوں کا محبت پر سے یقین اٹھ جائے۔"

اس نے اپنی جگہ رک کر سیدھا ایشال کی آنکھوں میں جھانکا وہ لاجواب سا ہوگیا' سمجھ ہی نہ آیا کہ ان تمام باتوں کا کیا جواب دے۔

"اور ہاں پلیز اب تم یہاں سے جاؤ اور جاتے ہوئے کمرے کا دروازہ لاک کردینا۔"

اس نے الماری سے اپنے کپڑے نکالے اور واش روم کی جانب بڑھتے ہوئے ایشال کو ہدایت کی اس نے خاموشی سے سنا اور الٹے پاؤں کمرے سے باہر آگیا باہر نکلتے نکلتے وہ کمرے کا دروازہ لاک کرنا نہ بھولا۔

☆ ☆ ☆

کئی دنوں سے فرہاد مجھ سے واجبی سے بات چیت کررہا تھا وہ چاہتا تھا کہ میں یاسمین آپا سے معافی مانگوں' مگر میرا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا رات ہی اماں اور احسان' فرہاد سے ملنے آئے اور اتوار والے دن فرہاد کے ساتھ ساتھ یاسمین آپا کو بھی دوپہر کے کھانے کی دعوت دے گئے۔

"میں تو آج ہی فضہ بھابھی کے گھر رہنے جارہی ہوں کیوں کہ ان کی فیملی میں میری دعوت ہے اور پھر شاید پیر کی صبح مجھے اسلام آباد بھی واپس جانا ہے۔ البتہ فرہاد اور زینب آجائیں گے۔"

اماں کی بات سنتے ہی یاسمین آپا نے نخوت سے جواب دیا' جسے اماں نے تو شاید محسوس نہ کیا' لیکن میرے ساتھ ساتھ احسان کے چہرے پر بھی ناگواری کا تاثر ابھر آیا۔

"پھر بھی بیٹا کوشش کرنا اگر تم آسکو تو یقین جانو ہم سب کو بہت خوشی ہوگی۔" میری سادہ سی ماں ان کے نخرے سمجھے بنا دعوت قبول کرنے پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"اگر آسکتی تو آپ کو کبھی اس طرح منع نہ کرتی۔"

یہ کہتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں جبکہ اس سارے عمل کے دوران فرہاد نہایت اطمینان سے ٹی وی دیکھنے میں مصروف رہا۔

"اچھا بیٹا جیسے تمہاری مرضی۔"

اماں نے کھڑے ہوتے ہوئے احسان کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا' جسے سمجھتے ہی میں آگے بڑھی اور انہیں کندھوں سے تھام لیا۔

"کہاں جارہی ہیں اماں بیٹھ جائیں' میں نے کھانا بنالیا ہے کھا کر جائیے گا۔" میں نہیں چاہتی تھی کہ میری ماں اس طرح بنا کچھ کھائے پیے میرے گھر سے جائے' مگر اماں نہ رکیں۔

"نہیں بیٹا مجھے احسان کے ساتھ کہیں اور بھی جانا ہے پھر کبھی آئی تو ضرور کھاؤں گی۔" میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے وضاحت کی۔

"اچھا فرہاد بیٹا اللہ حافظ۔"

انہوں نے فرہاد کے قریب جاکر اس کے بھی سر پر دست شفقت رکھا۔

"اللہ حافظ۔"

اتنا کہہ کر وہ پھر سے ٹی وی دیکھنے میں مگن ہوگیا' میں انہیں دروازے تک چھوڑ کر اندر واپس آئی تو فرہاد ٹی وی بند کرچکا تھا۔

"دیکھ لو تمہاری ماں اور بھائی میرے گھر آئے تو میں نے کتنی عزت کی' تمہاری کوئی شکایت نہیں لگائی اور نہ ہی انہیں دکھ کر منہ بنایا۔" میرے اندر داخل ہوتے ہی وہ طنزیہ بولا۔

"اور اگر میرا کوئی بہن بھائی یہاں آجائے تو تم سے برداشت بھی نہیں ہوتا در اصل یہ ہی فرق ہے تمہاری اور ہماری تربیت میں۔"

اپنی جگہ سے کھڑا ہوکر وہ میرے قریب آیا' آہستہ آواز میں بولتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا اور برآمدے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا' لیکن باہر نکلتے نکلتے اپنے الفاظ کے ذریعے وہ میرے تن بدن کو آگ لگا گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا تعلق کسی اعلا خاندان سے ہے اور میں کوئی نہایت گری پڑی عورت' جس کی کوئی عزت اور حیثیت ہی نہ تھی۔

"یقین جانو تمہارے تمام الفاظ تمہیں لوٹا کر ہی اس دنیا سے واپس جاؤں گی۔ تمہیں بتاؤں گی کہ عورت اگر اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے پر آئے تو تم جیسے مرد دو کوڑی کے ہوکر رہ جاتے ہیں۔"

فرہاد کو پشت سے دیکھتے ہوئے میں نے دل ہی دل میں عہد کیا اور پھر اپنے اس عہد کو پورا کرنا میری زندگی کا مقصد بن گیا۔ اب میں صرف یہ ہی چاہتی تھی کہ فرہاد کو احساس دلاسکوں کہ 'دنیا میں اس سے زیادہ خوب صورت اور اعلا مقام لوگ میری ایک نظر کرم کے منتظر ہیں اور اب میں کسی ایسے مرد کا ہونا چاہتی تھی' جو مجھے فرہاد اور اس کے خاندان میں وہ عزت اور مرتبہ دلاتے جو اس خاندان کی دوسری عورتوں کو حاصل تھا اور بس یہاں سے ہی میری کہانی نے نیا موڑ لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ عورت ہو یا مرد انتقام کی آگ دونوں کو جلا کر بھسم کردیتی ہے۔ جس کا ہوش سب کچھ ختم ہونے کے بعد آتا ہے۔

☆ ☆ ☆

فائزہ اپنے سسرال گئی ہوئی تھی اور اس کا گھر آج کل خالی تھا جہاں اکثر اوقات وجاہت آجاتا' جس کی اطلاع وہ مجھے موبائل پر فون کرکے دے دیا کرتا اور جس حد تک ممکن ہوتا میں اس سے ملنے اوپر چلی جایا کرتی۔

میرے اور اس کے درمیان موجود تمام فاصلے ختم ہوگئے تھے' جس میں میرے نزدیک سارا قصور فرہاد کا تھا' نہ وہ مجھ سے اتنی بے اعتنائی برتتا اور نہ میں اس دلدل میں گرتی' جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں بچتا۔ اپنی غفلت

کے سبب اس نے اپنے ساتھ ساتھ میری آخرت بھی برباد کی اللہ ایسے تمام مردوں کو نیک ہدایت دے تاکہ انہیں علم ہوسکے کہ بیوی کے حقوق کیا ہیں؟ اور وہ اپنی ماں، بہن اور بیوی کے درمیان ایک حد قائم رکھ سکیں۔

وجاہت مجھے اکثر اوقات ہی خرچے کے نام پر کچھ رقم بھی دے دیا کرتا جو میرے لیے کافی ہوتی میں نے فرہاد سے کوئی بھی پیسہ مانگنا چھوڑ دیا وہ بھی مطمئن ہوگیا اور کبھی یہ جاننے کی کوشش نہ کی کہ میں اپنے تمام اخراجات کہاں سے پورے کررہی ہوں یا شاید اس کے نزدیک میرے کوئی اخراجات بھی نہ تھے سوائے دووقت کی روٹی کے جو وہ مجھے فراہم کررہا تھا اور اس کا یہ بھی مجھ پر ایک احسان عظیم تھا جو وہ ہر وقت جتایا کرتا۔

☼ ☼ ☼

"ایشال نے یہ پیپرز بھیجے ہیں۔"

سالار نے ہاتھ میں تھاما خاکی لفافہ حبیبہ کے سامنے موجود شیشے کی ٹیبل پر رکھ دیا' بنا کھولے وہ جان چکی تھی کہ اس لفافہ میں کیا ہے؟ مگر ہاتھ بڑھا کر نہ اسے اٹھایا اور نہ ہی کھول کر دیکھا' سامنے کھڑی نازیہ نے ایک نظر سالار کے تنے ہوئے چہرے پر ڈالی اور دوسری حبیبہ پر' جو ساری دنیا سے بے نیاز اپنے موبائل میں بزی تھی شاید دل کا درد چھپانے کے لیے وہ خود کو ریلیکس ظاہر کررہی تھی نازیہ کو بے اختیار ہی اس معصوم سی لڑکی پر ترس آگیا۔

"حبیبہ"

وہ اس کے قریب رکھے صوفہ پر آن بیٹھیں۔

"دیکھو بیٹا ہمیں ہمیشہ زندگی میں وہی ملتا ہے جو ہمارا نصیب ہو اور دعا کرنی چاہیے کہ نصیب ہمیشہ اچھا ہو۔"

وہ کیا کہنا چاہتی تھیں حبیبہ سمجھ نہ پائی بس ٹکر ٹکر ان کی جانب دیکھے گئی شاید طلاق کے صدمہ نے اس سے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیت چھین لی تھی نازیہ کو افسوس ہوا۔

"دیکھو بیٹا مجھے امید ہے تمہیں ایشال سے کئی گنا اچھا ہم سفر ملے گا' بس تم اپنے رب سے کبھی مایوس نہ ہونا۔"

اپنے تئیں وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

"اوفوہ آنٹی یہ آپ کیا بولے جارہی ہیں؟"

نازیہ کی ساری باتیں اس کی سمجھ میں اب آئیں اور وہ بے اختیار ہنس دی۔

"فار گاڈ سیک نہ مجھے کوئی صدمہ ہے اور نہ ہی ایشال سے طلاق کا دکھ' وہ میری زندگی میں نہ کبھی تھا اور نہ ہی ہے اسے اس کی زندگی مبارک ہو۔ میرے نزدیک وہ صرف اریشہ کا شوہر ہے دوسری حیثیت اسے میرے کزن کی حاصل ہے اور شاید وہ میری بہن کا دیور بھی ہے۔"

ایک ایک کرکے اس نے ایشال کے سارے رشتہ گنوادیے۔

"مگر میرا وہ کچھ بھی نہیں ہے اس لیے پلیز آپ اس مسئلے کو لے کر بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔"

وہ نہایت اطمینان سے بولی' نازیہ نے دیکھا وہ واقعی سچ کہہ رہی تھی اس کے چہرے پر جو کیفیت تھی وہ کسی بھی طرح اسے پریشان ظاہر نہ کررہی تھیں۔

"شکر ہے بیٹا ورنہ میں تو بہت ڈر رہی تھی۔۔۔" انہوں نے اپنا جملہ درمیان میں ہی چھوڑ دیا۔

"وقت بہت بدل گیا ہے آنٹی اب کوئی کسی پر زبردستی مسلط نہیں ہوتا' یہ فیصلہ اپنے دل اور خوشی سے کیا جاتا ہے جو اس کے لیے بہتر تھا۔ اس نے کیا اور اب جو میرے لیے بہتر ہوگا' میں کروں گی۔" اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"انکل مجھے لاہور جانا تھا فاطمہ آنٹی کی ڈیتھ ہوگئی ہے ان کا افسوس کرکے آنا ہے' اماں کی قبر پر بھی جانا ہے اور

ہاں احسان ماموں سے میری بات ہوئی تھی وہاں چھوٹے کمرے میں اماں کا کچھ سامان موجود ہے وہ بھی لے کر آنا ہے اور میں نے سنا ہے آنٹی سکینہ بہت بیمار ہیں ان کی عیادت کو بھی جانا ہے۔" اس نے سالار کے قریب جاکر اسے اپنا پروگرام بتایا۔

"ہاں میں نے شاہ زین سے کہا ہے وہ تمہاری اور اپنی سیٹ کروالے۔"

"اوکے اینڈ تھینک یو انکل' آپ ہمیشہ میرے کام آتے ہیں۔" وہ اظہار تشکر سے بولی۔

"بیٹا میں نے تمہارے لیے جو کچھ کیا وہ تم پر کوئی احسان نہ تھا وہ صرف ایک فرض تھا جو میں نے باپ ہونے کے ناطے ادا کیا۔"

سالار نے کھڑے ہوکر اس کے سر پر دست شفقت رکھا انہیں ویسے بھی یہ معصوم سی لڑکی بہت عزیز تھی وہ جب اسے دیکھتے ایسا محسوس ہوتا جیسے ان کے سامنے زینب کھڑی ہو وہ بالکل زینب جیسی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم فرہاد سے طلاق لے لو۔"

وجاہت نے میری طرف دیکھتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"طلاق۔۔۔"

میں ایک لمحہ کے لیے سوچ میں پڑگئی' بظاہر یہ چھوٹا سا لفظ اپنے اندر بڑی مشکلات رکھتا تھا' سب کچھ اتنا آسان نہ تھا جتنا ہمیں دکھائی دے رہا تھا ایک پل کے لیے میرے سامنے سفید دوپٹے میں ملبوس اپنی ماں کا نورانی چہرہ آگیا' پھر اس پر یکے بعد دیگرے دونوں بھائیوں کے چہرے کی چھاپ دکھائی دی' پھر اپنی بچیاں' فرہاد اور اپنے سے منسلک وہ تمام رشتے' جو وجاہت سے رشتہ جوڑنے کی صورت میں میرے لیے اجنبی ہوجاتے اس پل میرے سامنے سالار کا ہیولا آن کھڑا ہوا۔

"مجھ میں کیا برائی تھی زینب' جب یہی آفر میں نے تمہیں دی تھی تو تم نے بنا سوچے ٹھکرادی اور اب وجاہت میں ایسا کیا دکھائی دیا جو تم ہر رشتہ توڑنے کے لیے تیار ہو۔" اس کا شکوہ بجا تھا۔

"تم میں کوئی عیب نہ تھا سالار' فرق صرف یہ تھا کہ تم ایک بیوی کے شوہر تھے۔ بیوی بھی وہ جو مجھے اپنی بہن جیسا مانتی اور ویسے بھی میں لاکھ بری سہی مگر شاید کسی دوسری عورت کا گھر اجاڑنے کا حوصلہ مجھ میں نہ تھا اور پھر سالار تمہارا تعلق فرہاد کے خاندان سے تھا تم سے شادی کرکے میں تمہارے لیے مزید مشکلات کا باعث بنتی۔"

اتنے سالوں بعد آج میں اسے یہ سب وضاحت دے رہی تھی جب وہ میرے سامنے ہی نہ تھا۔

"کہاں کھو گئیں زینب میری بات کا جواب دو۔"

وجاہت نے میرا کندھا تھام کر مجھے ہلایا اور میں جیسے یکدم ہوش میں آگئی۔

"ایک بات بتاؤ وجاہت کیا تمہارا خاندان مجھے قبول کرے گا۔" اپنے دل کا وسوسہ میں لبوں تک لے آئی۔

"مجھے کسی کی پروا نہیں سوائے تمہارے' اگر تم میرے ساتھ ہو تو میں ساری دنیا چھوڑ سکتا ہوں۔" اس نے والہانہ انداز میں میرا ہاتھ تھام لیا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں وجاہت۔"

مجھے ایک پل میں اپنی وہ بے عزتی یاد آگئی جو پچھلے ہفتہ فرہاد کے ہاتھوں اس سے ہوئی' جب میری ماں اور بھابھی دعوت کا اہتمام کرکے مجھے فون کرتی رہیں اور فرہاد نے میرے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔

"تمہاری اماں کو دعوت کا دن مجھ سے پوچھ کر رکھنا چاہیے تھا۔ آج تو میرے دوست مجھے اپنے ساتھ لے

جارہے ہیں۔ انہوں نے شاید میرے لیے کوئی اہتمام وغیرہ کیا ہے۔"

یہ جانے بنا کہ اس کا انکار میرے لیے کتنی تکلیف کا باعث بنا ہے وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں اپنی ماں کو کس طرح منع کروں اور پھر فرہاد سے اجازت لیے بنا میں ٹیکسی کروا کر اپنی بچیوں کے ساتھ اماں کی طرف چلی گئی۔

"فرہاد گھر میں نہیں تھا اسے اپنے کسی دوست کے گھر جانا تھا۔"

میں نے گھر کے ہر فرد کے سوال کا ایک ہی جواب دیا اور پھر میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر کسی نے مجھ سے مزید کوئی سوال نہ کیا۔ رات کو احسان نے مجھے گھر چھوڑ دیا جہاں اب مجھے فرہاد کا سامنا کرنا تھا۔ جو ایک الگ کہانی تھی مگر سچ تو یہ تھا کہ اب مجھے اس کا کوئی ڈر و خوف نہ رہا تھا۔ اس دن اپنی ہونے والی بے عزتی یاد کرتے ہی میری آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

"مت رو زینب اگر تم نہیں چاہتیں تو میں دوبارہ تم سے ایسی کوئی بات نہیں کروں گا جو تمہیں تکلیف دے۔" جانے میرے رونے سے وہ کیا سمجھا۔

"نہیں وجاہت میں تمہاری کسی بات پر نہیں روئی مجھے تو کچھ اور ہی یاد آگیا تھا۔"

اسے جواب دے کر میں اٹھ کھڑی ہوئی نیچے جا کر مجھے مریم کا ہوم ورک مکمل کروانا تھا کل اس کا پہلا پیپر تھا۔

"بہرحال زینب میری بات پر غور کرنا اور کوشش کرو جلد از جلد کسی فیصلہ پر پہنچ جاؤ اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے۔"

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا اب مجھے بھی مزید فرہاد کے ساتھ نہیں رہنا تھا۔ اس لیے جو بھی کرنا تھا' جلد ہی کرنا تھا جس کے لیے ضروری تھا کہ میں پہلے فرہاد سے طلاق لوں کیوں کہ اس کے بغیر میں وجاہت سے شادی نہیں کر سکتی تھی۔



گھر کے اندر قدم رکھتے ہی وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی' سامنے موجود بڑا سا آم کا درخت جس کی چھاؤں میں تنہا کھیلتے' جانے اس کی کتنی دوپہریں گزری تھیں۔ وہ ہی باورچی خانہ جہاں آج بھی اسے اپنی ماں دکھائی دی۔ جو جلدی جلدی اس کے لیے کھانا تیار کر رہی تھی جانتی تھی۔ کہ کھانے کے نام پر جو بھی روکھی سوکھی ہو گی اس کی بیٹی نے اسکول سے آکر صبر و شکر کے ساتھ کھا لینا ہے۔

بے اختیار اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں اس کا ماضی بے شک تکلیف دہ تھا' مگر اپنی ماں کا ساتھ وہ کبھی نہ بھول سکتی تھی ابھی بھی اسے آلو کے پراٹھے کے ساتھ اچار کی تیز خوشبو نتھنوں میں گھستی محسوس ہوئی۔ وہ بے اختیار ہی کچن کی جانب بڑھی جو ویران سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ ہی گھر تھا' وہ ہی حبیبہ' سب کچھ وہ ہی تھا سوائے ایک ماں کے' جو اپنوں کے دیے ہوئے دکھ اور تکلیفیں بھگت کر راہ عدم سدھار گئی تھی' وہ رو پڑی وہ آنسو جو جانے کب سے رکے ہوئے تھے تمام بندھن توڑ کر آزاد ہو گئے۔

اسی دم کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش تسلی دینے کی کوشش کی' حبیبہ نے پلٹ کر دیکھا شاہ زین اس کے نہایت قریب کھڑا تھا حبیبہ کا دکھ اس کے چہرے پر بھی کڑا تھا اس نے اپنے دوپٹے سے آنکھوں میں آئے آنسو صاف کیے۔

"اس طرح مت رو حبیبہ تمہاری ماں کی روح کو تکلیف پہنچے گی۔ جانتی ہو نا تمہاری آنکھ میں آیا ایک آنسو تمہاری ماں کو کس قدر پریشان کرتا تھا۔"

شبانہ بھابھی نے اسے گلے سے لگاتے ہوئے سمجھایا۔

"آؤ میرے ساتھ گھر چلو' امی آخری وقت تمہیں بے حد یاد کر رہی تھیں تمہاری امی کا دیا ہوا ایک باکس ان کے پاس رکھا تھا جو وہ مجھے دے گئیں۔ وہ تمہاری امانت ہے' مجھ سے آکر لے لو۔"

شبانہ بھابھی نے اسے فاطمہ آنٹی کا حوالہ دیا اور وہ خاموشی سے ان کے ساتھ آگئی' بنا کوئی سوال و جواب کیے اور اپنی ماں کا وراثت میں چھوڑا وہ باکس ان کے ہاتھ سے تھام لیا جس میں کیا تھا؟ یہ جاننے کی جستجو میں اس کا سارا بچپن گزر گیا' مگر اماں نے کبھی وہ باکس حبیبہ کو نہ دیا اور آج اماں کی اس آخری جمع پونجی کی وہ واحد حق دار ٹھہری۔ وہ آج بھی جاننا چاہتی تھی کہ اس میں ایسا کیا ہے جو ماں نے ساری زندگی سنبھال سنبھال کر رکھا' مگر وہ باکس اسے تنہائی میں کھولنا تھا اس وقت کسی کے سامنے وہ اپنی ماں کی زندگی کا مزید کوئی راز کھولنا نہ چاہتی تھی۔

"یہ اس کی چابی ہے؟" شبانہ بھابھی نے کی چین کے ساتھ ایک چابی بھی اسی کی جانب بڑھائی جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا۔

"اچھا شبانہ بھابھی اب میں چلتی ہوں پھر زندگی رہی تو آپ سے ملنے ضرور آؤں گی۔"

اس نے شبانہ بھابھی کے ہاتھ تھامتے ہوئے ان سے اجازت چاہی۔

"ارے اتنی جلدی کہاں جا رہی ہو' میں نے تمہارے لیے کھانا تیار کیا ہے کھا کر جانا۔" ان کے لہجہ میں پرانی محبت آج بھی جھلک رہی تھی۔

"میں ضرور کھانا کھاتی آپ کے گھر سے' مگر میری دو گھنٹہ بعد واپسی کی فلائٹ ہے اور مجھے قبرستان سے ہوتے ہوئے ایئرپورٹ پہنچنا ہے۔"

انہیں آہستہ آہستہ اپنا پروگرام بتا کر وہ شاہ زین کی سنگت میں باہر نکل آئی جہاں سامنے ہی وہ گاڑی کھڑی تھی جس میں بیٹھ کر اس نے واپسی کا سفر شروع کرنا تھا۔



مریم نے جگنو کو دھکا دے کر گرا دیا وہ زور زور سے رونے لگی' ایسے میں مجھے جانے کیا ہوا جو کچن سے باہر نکلتے ہی بے دردی سے مریم کو پیٹ ڈالا۔ اس کے رونے کی آواز سن کر فرہاد کمرے سے باہر نکل آیا اور مجھے اس طرح مریم کو پیٹتا دیکھ کر حیران رہ گیا کیوں کہ میں کبھی بھی بچوں کو اس بے دردی سے نہیں مارا کرتی تھی۔ اس وقت شاید میں اپنی ٹینشن میں تھی یا فرہاد سے نجات حاصل کرنے کے لیے شروع کی جانے والی کوششوں میں یہ میرا پہلا قدم تھا' وجہ جو بھی تھی مگر میں یقیناً اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

فرہاد نے تیزی سے آگے بڑھ کر مجھے بازو سے گھسیٹ کر پیچھے کیا مریم کو مار کھاتا دیکھ کر جگنو بھی چلا رہی تھی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو کیوں اس طرح بے دردی سے بچی کو پیٹ رہی ہو۔" مریم کو اپنے پیچھے کرتے ہوئے وہ مجھ پر دھاڑا۔

"ہاں تم سب لوگوں نے مل کر مجھے پاگل کر دیا ہے۔"

میری آواز فرہاد سے بلند تھی ایک پل کو وہ حیران رہ گیا۔

"ہر وقت کی کچ کچ نے تھکا دیا ہے مجھے' فرہاد تمہیں احساس ہے کہ تمہاری کئی دنوں تک مجھ سے بلاوجہ ناراضی اس اکیلے گھر میں مجھے کتنی اذیت دیتی ہے۔ بجائے مجھ سے بات کرنے کے تم ٹی وی پر آنے والی بے ہودہ فلموں میں تسکین تلاش کرتے ہو اور اس وقت جب مجھے تمہاری ضرورت ہوتی ہے تم مصلے سنبھال کر نفلی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہو۔ تمہیں شاید علم نہیں کہ حقوق اللہ پورے کرنے سے پہلے حقوق العباد کی ادائیگی ضروری ہے۔

تمہاری بیوی اپنی ضرورت کو ترستی ہے اور تم دنیا دکھاوے کے لیے اللہ کی عبادت میں مصروف ہوتے ہو تاکہ صبح اٹھ کر اپنی بہن کو بتا سکو کہ آج رات میں نے اتنے نفل ادا کیے اور وہ خراج تحسین کا تاج تمہارے سر پر پہنا دے واہ فرہاد واہ! میں اس گھر میں زندہ جاگتی ہستی اپنی ضروریات سمیت کہیں دفن ہو چکی ہوں اور تمہیں اس کا احساس نہیں۔" اپنے دل کا ہر دکھ آج مجھے اس ظالم شخص کے سامنے بیان کرنا تھا جو غلطی سے میرے مجازی خدا کے عہدے پر فائز تھا۔

"تم واقعی ہی پاگل ہو چکی ہو جو بچوں کے سامنے اس طرح کی گھٹیا بکواس کر رہی ہو اور میری نفلی عبادت پر انگلیاں اٹھاتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔" وہ ذرا بھی شرمندہ نہ ہوا۔

"اسی لیے تو کہتا ہوں تمہاری کسی نے اچھی تربیت نہیں کی ورنہ تم کبھی بھی اسی طرح کی بات نہ کرتیں ایسی باتیں بچوں کے سامنے کر کے تم انہیں بھی اپنے جیسا بے حیا بنانا چاہتی ہو۔"

مجھ پر پھنکارتا ہوا وہ کمرے کی جانب واپس پلٹا جب میں تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے راستے میں حائل ہو گئی۔

"مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا فرہاد مجھے تم سے طلاق چاہیے۔"

آج میں ہر قصہ ختم کرنا چاہتی تھی۔

"ہٹو میرے راستے سے۔" اس نے مجھے بازو سے پکڑ کر دور ہٹانا چاہا۔

"مجھے تم سے طلاق چاہیے فرہاد ابھی اور اسی وقت۔" میں اپنے موقف پر سختی سے قائم رہتے ہوئے چلائی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے زینب۔" وہ اپنی سرخ آنکھوں سے مجھے گھورتا ہوا بولا۔

"تین ہوں کہ کچھ دن میں نے منہ نہ لگایا تو تم طلاق پر آ گئیں لعنت ہے تم پر۔" اس کے الفاظ تھے یا انگارے میں جل کر راکھ ہو گئی۔

"اور اگر تم یہ سمجھتی ہو ناکہ میں تمہیں طلاق دے کر آزاد کردوں گا تو یقیناً" یہ تمہاری بھول ہے۔"

میری گردن پکڑ کر اس نے مجھے دیوار سے لگا دیا، مریم اور زور زور سے رونے لگی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ مجھے جان سے مار دے گا۔

"نہ اب تمہیں کبھی منہ لگاؤں گا اور نہ ہی طلاق دوں گا تمہاری کتے جیسی حیثیت کروں گا اس گھر میں پھر دیکھوں گا تم کیا کرتی ہو۔"

مجھ پر نفرت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے وہ پھنکارا اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے سامنے فرہاد کی شکل میں کوئی سانپ کھڑا ہو۔ اس کے چہرے پر میرے لیے اتنی حقارت اور نفرت تھی کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔

اس دن پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ فرہاد مجھ سے نفرت کرتا ہے، بے حد نفرت۔ جس کی وجہ میری سمجھ میں صرف اتنی آئی کہ میں اس کی بہن کو پسند نہیں اور وہ میرے خلاف فرہاد کے کان بھرتی ہے جبکہ فرہاد مردوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جو کانوں کے کچے ہونے کے باعث اپنی زندگیاں دوزخ بنا لیتے ہیں اور شاید ایسا ہی کچھ اب اس کے ساتھ بھی ہونے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح سویرے ہی اماں احسان کو ساتھ لیے میرے گھر آن پہنچیں ان کا ستا ہوا چہرہ اس بات کا غماز تھا کہ دکان پر جاتے ہی فرہاد نے انہیں فون کر کے میری شکایت لگائی ہے احسان بھی ہمیشہ کی نسبت خاصا خاموش تھا۔

"زینب پتر یہ میں کیا سن رہی ہوں؟"

میرے سلام کے جواب میں انہوں نے تشویش زدہ لہجہ میں میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ایسے میں شاید میری پریشان حال ماں نے میری سوچی ہوئی سرخ متورم آنکھیں قطعی نظرانداز کردیں ورنہ وہ پہلا سوال یہ کرتیں کہ میری بچی تو کیوں اتنی دکھی ہے تجھے کیا ہوا ہے ' مگر شاید بیٹیوں کے زبردستی گھر بسانے کی خواہش 'ماؤں کو ان کے دکھوں سے نظریں چرانے پر مجبور کردیتی ہے۔

"کیا کیا سن لیا اماں جی آپ نے جو صبح سویرے جواب طلبی کے لیے آگئی ہیں۔" میں نے حتی الامکان اپنے لہجہ کو تلخ ہونے سے روکا۔

"دیکھو بیٹا لڑائی جھگڑے تو ہر گھر میں ہوجاتے ہیں کون سے میاں بیوی ہیں جو آپس میں نہیں لڑتے احسان اور اس کی بیوی کو ہی دیکھ لو ہر ہفتہ ہی جھگڑتے ہیں پھر صلح بھی ہوجاتی ہے۔" ان کی باندھی جانے والی تمہید نے مجھے سمجھادیا کہ وہ کیا کہنا چاہتی تھیں۔

"مگر بیٹا اس طرح اتنا بڑا لفظ کوئی شریف عورت منہ سے نہیں نکالتی" ان کا لہجہ تاسف بھرا تھا۔

"عورت کا تو دوسرا نام ہی صبر و برداشت ہے سب کچھ جھیل کر اپنا گھر آباد کرنا ہی ایک شریف عورت کی نشانی ہے۔"

"اماں ایک بات تو بتائیں۔" میں ان کے سامنے نیچے زمین پر ہی بیٹھ گئی۔

"کیا گھر آباد کرنا صرف ایک عورت کی ذمہ داری ہے۔ کوئی مرد یہ کوشش کیوں نہیں کرتا کہ اس کا گھر آباد رہے کیا شرافت کا لفظ صرف عورت سے منسوب ہے یہ ہی شرافت مرد میں کیوں نہیں ہوتی۔"

"تو بہت جھلی ہے زینب سوچ ذرا اگر فرہاد شریف مرد نہ ہوتا تو تیرے طلاق کے مطالبہ پر تجھے نکال گھر سے باہر نہ کرتا؟؟"

اپنے تئیں انہوں نے فرہاد کو شریف ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"اور آپا میں تو تمہیں ویسے بھی بہت صبر و شکر کرنے والی سمجھتا ہوں کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ فرہاد بھائی کا رویہ تم سے کیسا ہے اور تم پھر بھی ہم سب کی عزت کے لیے اس کے ساتھ زندگی بسر کررہی ہو اب آپا اس عمر میں آکر ہماری عزت کو اس طرح خراب مت کرو۔"

مجھے احسان کے الفاظ سن کر حیرت کے ساتھ ساتھ دکھ بھی ہوا۔ میرے متعلق سب کچھ جان کر بھی مجھ سے امید کی جارہی تھی کہ میں اپنے سے منسوب تمام لوگوں کی عزت کا خیال رکھوں 'سب کو اپنی عزت کی پڑی تھی' میں زندگی کس تکلیف سے گزار رہی ہوں اس کا کسی کو بھی احساس نہ تھا۔

"میری بیٹی بہت سمجھ دار ہے مجھے امید ہے اب یہ کبھی ہمیں شرمندہ نہ کرے گی۔"

میں اس وقت جس ذہنی کشمکش کا شکار تھی اس میں اماں کی بات کا جواب دینا میرے نزدیک قطعی اہم نہ تھا' مگر اب میرا ارادہ دوسروں کی عزت بچانے کے لیے اپنی زندگی خراب کرنے کا بالکل نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"وہ مجھے کبھی طلاق نہیں دے گا۔"

میں نے وجاہت پر یہ بات واضح کرتے ہوئے کہا۔

"پچھلے ایک ماہ میں اس کا رویہ مجھ سے نہایت بدتر ہے' شاید وہ اس امید میں ہے کہ میں اس سے اور یاسمین آپا سے معافی مانگوں۔ اپنی بہن کی بے عزتی اسے میرے قریب نہیں آنے دیتی میری حیثیت اس گھر میں ایک غیر ضروری اور فالتو شے سے زیادہ کچھ نہیں میں صرف وہاں ایک کونے میں پڑا کاٹھ کباڑ ہوں اور بس۔۔۔"

میں رو رہی تھی شاید اتنے عرصہ میں آج پہلی بار میں نے اپنا ایک ایک دکھ وجاہت کے سامنے کھول دیا' وہ حیرت سے منہ کھولے میری ہربات سن رہا تھا۔

"وہ بہت ضدی انسان ہے وجاہت اسے جب سے یہ احساس ہوا کہ میں اپنی ضرورت کے لیے ترس رہی ہوں اور مجھے مزید ترسا رہا ہے وہ بہت گھٹیا مرد ہے۔" میں کیا کہنا چاہتی تھی وجاہت سمجھ چکا تھا۔

"میری ماں' میرا بھائی سب یہ کہتے ہیں کہ مجھے جھکنا چاہیے کیونکہ میں عورت ہوں اور عورت کے مقدر میں ہمیشہ جھکنا ہی لکھا ہے 'جبکہ مرد تو ایک تناور درخت ہے جو سیدھا کھڑا رہ کر عورت کو چھاؤں ضرور دیتا ہے لیکن اگر اسے جھکانے کی کوشش کی جائے تو وہ ٹوٹ جاتا ہے اور پھر عورت اس کی چھاؤں سے محروم ہوجاتی ہے اب میں اپنی ماں کو کیسے سمجھاؤں کہ فرہاد تو ایک ایسا درخت ہے جس کی چھاؤں بھی صرف دوسروں کے لیے ہے۔"

میں آج وجاہت سے اپنے دل کی ہربات کہہ دینا چاہتی تھی۔

"میں تمہاری ہربات سمجھ گیا ہوں زینب 'پھر بھی یہ سوچو کہ بنا طلاق تم مجھ سے نکاح کیسے کروں گی۔" اس کی پریشانی بجا تھی۔

"اس مسئلہ کا بھی میرے پاس ایک حل ہے۔"

فرہاد سے کس طرح نجات حاصل کرنی ہے یہ سب آج سوچ کر ہی میں وجاہت سے ملنے آئی تھی۔

"ہم دونوں یہاں سے بھاگ کر کسی دوسرے شہر چلے جائیں گے پھر میں کورٹ سے خلع لے لوں گی۔" میں طے کرچکی تھی کہ اب مجھے فرہاد کے ساتھ نہیں رہنا۔ میں نے مزید کہا۔

"تمہارے ساتھ بھاگنا ضروری ہے کیونکہ کوئی بھی غیرت مند مرد کسی ایسی عورت کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا جو کسی غیر مرد کے ساتھ تنہا دو یا تین دن گزارے اور جب میں ایسا کرلوں گی تو یقین جانو فرہاد مجھ پر لعنت بھیج دے گا۔ تمہارے ساتھ گھر چھوڑنے کے بعد وہ مجھے کبھی قبول نہ کرے گا اور میری ایک درخواست پر مجھے خود طلاق دے دے گا۔"

اب میری ساری پلاننگ وجاہت کی سمجھ میں آگئی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں زینب تم جب کہو ہم یہاں سے حیدر آباد چلے جائیں گے وہاں میرا بھائی رہتا ہے۔"

"مجھ سے ایک وعدہ کرو وجاہت مجھے کبھی بری عورت سمجھ کر تنہا نہ چھوڑنا۔" میرے دل کا خوف لبوں تک آگیا۔

"تم بری عورت نہیں ہو زینب 'تمہیں تو فرہاد جیسے مرد نے برا بننے پر مجبور کردیا۔ کوئی بھی شادی شدہ عورت اگر کسی غیر مرد کے ساتھ محبت کے مراسم استوار کرتی ہے نا تو اس کے پیچھے اس کا اپنا شوہر ہوتا ہے جو اسے ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے' ورنہ شوہر کا بخشا ہوا اعتماد اور محبت کبھی کسی عورت کو بھٹکنے نہیں دیتا۔" اس نے میرے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے مجھے یقین دلایا۔

ایک بات اور وجاہت اب تم کچھ عرصہ فائزہ کے گھر مت آنا اور نہ ہی مجھ سے ملنے کی کوشش کرنا اس وقت تک جب تک میں تمہیں فون کرکے خود نہ بلاؤں' دوسری بات یہ کہ جب تم مجھے لینے آؤ تو یہ بات ذہن میں رکھنا حبیبہ میرے ساتھ ہوگی میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔"

"تم چاہو تو مریم اور جاذبہ کو بھی لے لو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" وہ کھلے دل سے بولا۔

"نہیں صرف حبیبہ' وہ دونوں اپنے باپ کے ساتھ رہیں گی میں اسے کسی ذمہ داری سے آزاد چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

میں نے سخت لہجہ میں کہا۔

کاش! جس دن میں نے مریم کو مار کر اپنی بھڑاس نکالی تھی اس دن فرہاد مجھے سمجھ جاتا، مجھے منالیتا اور اپنی ضد ختم کردیتا مگر افسوس اس نے ایسا نہ کیا، اس کے غصہ اور نفرت نے میرا گھر برباد کردیا۔"

اپنی کہانی سناتے سناتے وہ عورت اس طرح بلک بلک کر رونے لگی کہ سامنے بیٹھی لڑکی کا یکسوئی سے چلتا ہوا قلم رک گیا اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ اس دکھی عورت کو کس طرح تسلی دے۔

"پلیز زینب آپ روئیں مت بلکہ اللہ سے اپنے ہر گناہ کی معافی مانگیں مجھے امید ہے کہ وہ نہ صرف آپ کو معاف کرے گا بلکہ آپ کی زندگی میں بہتری کا کوئی نہ کوئی وسیلہ بھی ضرور پیدا کرے گا۔"

اس لڑکی نے آگے بڑھ کر زینب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دینا چاہی۔

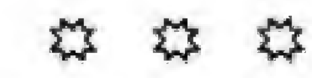
"اور آپ کا بہت شکریہ کہ نہ صرف آپ نے مجھ سے ملاقات کی، بلکہ اس قابل بھی سمجھا کہ مجھے اپنے تمام حالات تفصیل سے بتائے، ورنہ مجھے تو پہلے دن ہی یہ کہہ کر منع کردیا گیا تھا کہ آپ کسی سے ملاقات نہیں کرتیں یہاں تک کہ جب سے آپ اس دارالامان آئی ہیں اپنے گھر کے کسی فرد سے بھی نہیں ملیں۔ جب کہ میں آپ کو یہ مشورہ دوں گی کہ پلیز ایک بار آپ اپنے شوہر سے ضرور ملیں کیونکہ جب میں یہاں آئی تھی وہ تب بھی باہر ہی بیٹھے تھے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں زینب آپ ایک بار ان سے مل کر تو دیکھیں۔ ہو سکتا ہے آپ کی آئندہ زندگی کے لیے کچھ اچھا راستہ نکل آئے۔" "میں نے کورٹ میں خلع کے لیے درخواست دے دی ہے اور اب میری اس سے جو بھی ملاقات ہوگی اس حوالے سے عدالت میں ہی ہوگی اس کے علاوہ میں اس شخص سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

اس لڑکی کی بات ختم ہوتے ہی زینب فرش سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور ہاں اگر ممکن ہو تو جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے اور جو کچھ تم نے اپنے پاس لکھا ہے اس کی ایک کاپی مجھے اس دارالامان میں پہنچا دینا تاکہ میں اپنے سے منسلک لوگوں کو یہ بتا سکوں کہ فرہاد کس طرح کا مرد تھا۔ وہ باتیں جو میں کبھی کسی سے نہ کرسکی لکھے ہوئے مواد کی صورت میں تو انہیں دے سکتی ہوں نا اسی طرح شاید میری ماں میرے اندر کا دکھ جان سکے۔"

اتنا کہہ کر زینب وہاں رکی نہیں بلکہ انتظار گاہ سے باہر نکل گئی اس لڑکی نے جس کا تعلق غالباً" کسی اخبار سے تھا اپنے سامنے پھیلے تمام کاغذات سمیٹے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے یہ جان کر دکھ ہوا کس طرح ہمارے غلط رویے گھروں کی بربادی کا سبب بنتے ہیں اور جب تک گھر مکمل طور پر برباد نہ ہوجائیں وہاں رہنے والے مکینوں کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

وہ باہر نکلی تو فرہاد ابھی بھی اپنی جگہ موجود تھا اس کا دل چاہا وہ ایک پل کو رکے اور فرہاد کے پاس جاکر اسے آئینہ دکھائے کہ دیکھو تمہاری بے اعتنائی، ضد، ہٹ دھرمی اور رشتوں کو اہمیت نہ دینے کی عادت نے کس طرح ایک عورت کو برباد کردیا، مگر اس کا دل ہی نہ چاہا اور خاموشی سے اس کے پاس سے گزرتی ہوئی دارالامان کا بڑا سا گیٹ عبور کر گئی۔



فتح محمد اپنی موٹر سائیکل کا پنکچر لگوا رہا تھا جب اچانک اس کی نگاہ سامنے کالی چادر میں لپٹی اس سرو قد عورت پر پڑی جس کی چادر سے جھانکتی بڑی بڑی کالی آنکھیں دیکھ کر وہ چونکا۔ وہ زینب تھی جو لاکھ خود کو چادر میں چھپائے کھڑی تھی مگر فتح محمد سے نہ چھپ سکتی تھی جس کی تصدیق اس کی گود میں موجود بچی سے باآسانی کی جاسکتی تھی۔

"یہ اس وقت تنہا کہاں جارہی ہے؟" اس کے ذہن میں پہلا خیال یہ ہی آیا۔

جہاں تک اسے یاد پڑتا تھا اتنے سالوں میں اس نے کبھی زینب کو یوں تن تنہا کہیں آتے جاتے نہ دیکھا تھا دل چاہا آگے بڑھ کر پوچھے مگر اس سے قبل کہ اپنے دل میں آئی بات کو وہ عملی جامہ پہناتا ایک دم ہی زینب کے پاس ایک سفید گاڑی آکر رکی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شخص کا تعلق یقیناً" زینب کی فیملی سے نہیں تھا ورنہ وہ اسے کبھی یہاں سے پک نہ کرتا اپنی چادر سنبھالتی زینب بڑے استحقاق سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی، فراٹے بھرتی گاڑی فتح محمد کے قریب سے گزر گئی۔

جب ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص کے نقوش اس پر واضح ہوئے اسے محسوس ہوا اس نے پہلے بھی اس شخص کو کہیں دیکھا ہے کہاں اس نے اپنے دماغ پر زور دیا گاڑی ہر لحہ اس سے دور ہوتی جارہی تھی یک دم اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

گاڑی میں موجود شخص کو اس نے اپنی گلی کی ایک زیر تعمیر بلڈنگ میں دیکھا تھا۔ غالباً" وہ کوئی ٹھیکیدار تھا جس کا نام فی الحال اسے یاد نہ آیا مگر زینب اس شخص کے ساتھ اس طرح تن تنہا کہاں جارہی ہے حیرت کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں ایک بے چینی سی ابھر آئی۔ اب وہ جلد از جلد گھر جانا چاہتا تھا تاکہ سادیہ کو بتا سکے کہ آج اس نے زینب کو ایک غیر مرد کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا ہے۔ وہ سادیہ کو جتانا چاہتا تھا کہ زینب کے بارے میں اس کے خیالات اتنے غلط نہ تھے جتنے آج تک وہ سمجھتی آئی تھی۔



"تمہاری ماں کہاں ہے؟"

فرہاد کو کافی دیر ہوگئی تھی گھر آئے ہوئے مگر اسے زینب کہیں دکھائی نہیں دی، کچن کا دروازہ بھی بند تھا باتھ روم بھی خالی پڑا تھا، آخر کچھ دیر انتظار کے بعد اسے نہ چاہتے ہوئے بھی مریم سے سوال کرنا پڑا جو وہیں برآمدے میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

"وہ حبیبہ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی ہیں۔"

مریم کے بتاتے ہی اسے یاد آیا صبح زینب نے ذکر کیا تھا شاید حبیبہ کی طبیعت خراب تھی اور وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا چاہتی تھی۔

"مگر میں نے تو شاید اسے ڈاکٹر کی فیس بھی نہیں دی پھر کس طرح وہ ڈاکٹر کے پاس گئی۔" وہ زیرلب بڑبڑایا۔

"بابا مجھے بھوک لگی ہے۔"

جاذبیہ نے اس کا گھٹنا پکڑ کر ہلایا فرہاد نے دیکھا تین بجنے والے تھے جانے ابھی تک زینب واپس کیوں نہیں آئی تھی، وہ اٹھ کر کچن میں آیا چاول اور سالن تیار رکھا تھا برتن میں کھانا نکال کر وہ واپس برآمدے میں آگیا کھانا کھاتے ہی جاذبیہ سوگئی۔

چار بج گئے تھے ابھی تک زینب گھر نہ آئی تھی۔

اسے دکان پر واپس جانا تھا مگر اس کا دل نہ مانا اس طرح بچیوں کو اکیلا چھوڑ کر جانے کو۔

"دروازہ بند کرو مریم میں تمہاری ماں کو دیکھ کر آؤں کس ڈاکٹر کے پاس گئی ہے۔"

باہر نکل کر وہ گلی کے نکڑ پر موجود ڈاکٹر کے کلینک آیا جو اس وقت بند پڑا تھا، پھر وہ مین روڈ والی ڈسپنسری بھی دیکھ آیا زینب کہیں نہ تھی غصہ کے ساتھ ساتھ اسے بے چینی بھی محسوس ہوئی۔

"ضرور سادیہ کے گھر ہوگی۔"

یہ خیال ذہن میں آتے ہی اس نے گھر جاکر مریم کو سادیہ کی طرف بھیجا جہاں سے وہ مایوس واپس آئی۔

"اماں ان کے گھر بھی نہیں ہیں۔"

اسے لگا شاید زینب ناراض ہو کر اپنے گھر چلی گئی ہے مگر وہ اس طرح بچیوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی' فرہاد اسے پچھلے کئی ماہ سے مسلسل نظر انداز کر رہا تھا۔ جس کا احساس اس پل ہوتے ہی اسے ہلکا سا تاسف ہوا جس کے زیر اثر اس نے قریب رکھا فون اٹھا کر اپنے سسرال کا نمبر ملایا۔

"زینب تو کافی عرصہ سے ہمارے گھر نہیں آئی کیوں خیریت تو ہے بیٹا کہاں ہے وہ" زینب کے بارے میں استفسار کرتے ہی اماں بی تشویش زدہ لہجہ میں بولیں۔

"پتا نہیں شاید حبیبہ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھی ابھی تک واپس نہیں آئی۔"

اتنا کہہ کر اس نے فون بند کر دیا' رات گئے تک وہ ہر اس جگہ زینب کو ڈھونڈ آیا جہاں سے اسے امید تھی۔ یہاں تک کہ اسفند بھائی کے ساتھ جا کر اس نے شہر کے سارے اسپتال بھی دیکھ لیے مگر زینب ایسی گم ہوئی کہ کسی کو مل کر ہی نہ دی رات کے اس پہر جب پریشانی کے عالم میں پورا خاندان اس کے گھر جمع تھا' مریم کی ایک بات نے اس کے ساتھ ساتھ سب کو چونکا دیا۔

"بابا آپ امی کو فون کریں اور پوچھیں کہ وہ کہاں ہیں۔"

"مگر بیٹا تمہاری امی کے پاس تو فون بھی نہیں ہے پھر بھلا کیسے پتا چلے وہ کہاں ہیں۔" فرہاد کے بجائے فضہ بھابھی نے اسے پیار کرتے ہوئے سمجھایا۔

"امی کے پاس فون ہے آپ انہیں فون کریں۔" وہ بضد تھی فرہاد نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

"امی اپنا فون یہاں چھپاتی تھیں۔"

یہ جاذبیہ تھی جس نے اپنی بہن کی بات کی تصدیق کے لیے آگے بڑھ کر الماری کے دونوں پٹ وا کر دیے۔ اپنی دونوں بیٹیوں کے اس انکشاف نے فرہاد کو گنگ کر دیا وہ تیزی سے آگے بڑھا' الماری میں ہاتھ مار کر سارے کپڑے باہر پھینک دیے اور پھر اگلے چند سیکنڈوں میں اس کے ہاتھ میں ایک موبائل فون تھا جو یقیناً" زینب افراتفری میں گھر چھوڑ گئی اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا اسے محسوس ہوا جیسے سب کی موجودگی میں وہ ذلیل ہو گیا ہو۔

اسفند بھائی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے فون لیا' میموری چیک کی اس میں صرف ایک ہی نمبر تھا جو کسی کے نام سے محفوظ نہ تھا انہوں نے فوراً" نمبر ملایا آگے کمپیوٹر کی ریکارڈنگ سن کر یہ واضح ہو گیا کہ مطلوبہ نمبر اس وقت بند تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں اپنا فون گھر بھول آئی ہوں۔"

ہائی وے پر پہنچتے ہی اچانک زینب کو یاد آیا اس کا فون تو گھر ہی رہ گیا ہے تو وہ ہڑبڑا اٹھی۔

"وجاہت اپنی سم نکال کر پھینک دو اس میں صرف تمہارا ہی نمبر ہے اور اس طرح فرہاد تم تک پہنچ جائے گا جبکہ میں نہیں چاہتی کہ خلع کے کیس سے قبل تم تک پہنچے۔"

وجاہت نے اس کے گھبرائے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈالی اور جیب سے موبائل نکال کر اس کے حوالے کر دیا جس میں سے سم نکال کر زینب نے باہر پھینک دی اس طرح اپنی طرف سے اس نے سارا مسئلہ حل کر دیا مگر درحقیقت ایسا نہ تھا وجاہت کے نمبر سے اس تک پہنچنا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"زینب گھر سے بھاگ گئی ہے۔"

فضہ بھابھی کے اطلاع دیتے ہی صباحت نے نازیہ کو فون ملا کر یہ خبر سنائی۔

"صباحت باجی سالار کہاں ہیں وہ آپ کی طرف آئے تھے۔"

یہ صباحت کی بات کا جواب نہ تھا اسے نازیہ کچھ گھبرائی ہوئی لگی۔

"میرا خیال ہے وہ صمد کے ساتھ ہے اور تم نے شاید میری بات سنی نہیں' میں نے تمہیں بتایا کہ زینب کسی کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی ہے۔"

"میں نے آپ کی بات سن کر ہی سالار کا پوچھا کیوں کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سالار کے ساتھ نہ بھاگ گئی ہو۔"

"کیا مطلب۔"

اب حیران ہونے کی باری صباحت کی تھی۔

"جب میں پاکستان میں تھی تو مجھے کئی بار محسوس ہوا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی چکر چل رہا ہے' میں نے تو سالار کو اجازت بھی دی تھی کہ وہ زینب سے شادی کر لے۔" زینب کی گمشدگی نے نازیہ کو ہر راز کھولنے پر مجبور کر دیا اس کا کیا جانے والا ہر انکشاف صباحت کو حیران کر رہا گیا۔

"مگر جانے کیوں وہ نہ مانا اور زینب نامی تلوار مجھ پر اس وقت تک لٹکتی رہی جب تک آپ نے میری گود میں شاہ زین نہ ڈالا پھر شاہ زین کے آتے ہی اس کا رویہ مجھ سے خاصا تبدیل ہو گیا اب اتنے سالوں بعد زینب کا غائب ہونا اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ وہ کوئی اچھی عورت ہی نہ تھی۔"

"فضہ بھابھی تو بتا رہی تھیں کہ حبیبہ بھی شاید اسی آدمی کی بیٹی تھی جس کے ساتھ وہ بھاگی ہے اسی لیے تو صرف اس کو ہی لے کر گئی ہے۔"

یہ دنیا تھی اور دنیا کے منہ میں جو آتا ہے وہ بولتی جاتی ہے۔ اسے اس بات سے کوئی مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی باتوں میں کتنی سچائی ہے اور کتنا مبالغہ آمیزی کا عنصر کھلا ہوا ہے اور ان کی یہ بے سروپا باتیں کہاں تک کسی کو نقصان پہنچاتی ہیں۔

☼ ☼ ☼

"یہ میری بیوی ہے۔" وجاہت نے حیدر آباد اپنے بھائی کے گھر پہنچتے ہی زینب کا پہلا تعارف اپنی بیوی کی حیثیت سے ہی کروایا۔

"آپ نے شادی کر لی اور اتنا عرصہ ہمیں خبر بھی نہ کی خیریت ہے۔"

حبیبہ کو دیکھ کر ان دونوں میاں بیوی کے ذہن میں پہلا خیال یہ ہی آیا کہ وہ وجاہت ہی کی بیٹی ہے جبکہ زینب بالکل خاموش تھی اور صرف ایک دن اور ایک رات ہی انہوں نے وہاں سکون سے گزاری' اگلی صبح آنے والے فائزہ کے فون نے ان دونوں کو پریشان کر دیا۔

"فرہاد اور اس کے گھر والوں نے زینب کے اغوا کا پرچہ آپ کے خلاف کٹوا دیا ہے کیوں کہ زینب کے موبائل سے آپ کا نمبر مل گیا تھا اور پھر سادیہ کے شوہر نے بھی گواہی دی کہ اس نے زینب کو آپ کی سفید کرولا میں بیٹھ کر جاتے دیکھا ہے۔"

فائزہ خود بھی بہت زیادہ پریشان تھی کیوں کہ پولیس اس کے پاس تفتیش کے لیے آچکی تھی اسے ڈر تھا کہ کہیں کسی بات کی زد میں وہ نہ آجائے جو بھی تھا ان دونوں کی ملاقات فائزہ ہی کے گھر ہوا کرتی تھی۔

"آپ لوگ وہاں سے کہیں اور چلے جائیں بنا نکاح اس طرح ساتھ رہنے کے جرم میں آپ کو سزا ہو سکتی

ہے۔"

زینب کا کورٹ جا کر خلع کا کیس دائر کرنے کا ارادہ دھرا کا دھرا رہ گیا فی الحال سب سے ضروری تھا کہ خود کو متوقع گرفتاری سے بچایا جائے' لیکن اس سے قبل کہ وہ وہاں سے نکلتے پولیس نے انہیں دھر لیا گرفتاری کے بعد پتا چلا کہ پولیس کو یہاں کا پتا رابعہ نے دیا تھا جسے 'وجاہت کے زینب کے ساتھ تعلقات بالکل پسند نہیں تھے۔

☼ ☼ ☼

آج اس کی پیشی تھی کمرہ عدالت لوگوں سے کچھا کچھ بھرا ہوا تھا ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہیں کبھی زینب سے رشتہ داری کا شرف حاصل تھا اس نے دیکھا سب سے آگے والی سیٹ پر فضہ بھابھی کے بالکل ساتھ فرہاد سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اسے یاد آیا رات جیل پہنچتے ہی اس سے سب سے پہلی ملاقات فرہاد نے ہی کی تھی جو اس کے سامنے کھڑا اس طرح گڑگڑا رہا تھا کہ یاد آتے ہی زینب کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی اسے محسوس ہوا جیسے فرہاد ابھی بھی اس کے سامنے کھڑا کہہ رہا ہے۔

"دیکھو زینب ہم سب کی عزت اسی میں ہے کہ تم صبح کورٹ میں یہ بیان دے دینا کہ تمہیں وجاہت نے اغوا کیا تھا اس طرح تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اور تم بری ہو جاؤ گی۔"

"اچھا پھر۔" اس کی بات سن کر زینب نے جیسے مزا لیا۔

"پھر میں تمہیں گھر لے جاؤں گا اور کوشش کروں گا آئندہ مجھ سے کوئی ایسی غلطی نہ ہو جو تمہیں اتنا بڑا قدم اٹھانے پر مجبور کر دے۔" وہ منت کرتا ہوا بولا۔

"شکر ہے تم نے اعتراف تو کیا کہ تمہاری غلطیوں نے مجھ سے یہ سب کروایا ہے' مگر فرہاد وقت گزرنے کے بعد یاد آنے والی غلطی پر صرف معافی مانگی جا سکتی ہے کیوں کہ غلطی ہو جانے کے بعد اسے سدھارنا اتنا آسان نہیں 'جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے اب میری اور تمہاری بھلائی اس میں ہے کہ مجھے طلاق دے دو۔"

وہ اب کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھی اور فرہاد جب تک وہاں رہا اس کی ہر بات کا زینب نے ایک ہی جواب دیا اور وہ تھا "طلاق" فرہاد کے علاوہ زینب نے کسی بھی فرد سے ملنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ احسان اور اپنی ماں سے بھی نہیں ملنا چاہتی تھی اور اب عدالت میں پیش ہوتے ہی اسے وہ تمام لوگ نظر آئے جو رات جیل میں اس سے ملاقات کرنے پر بضد تھے۔

احسان اماں کے ساتھ ہی بیٹھا تھا اس کی ماں کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید تھا جس پر شرمندگی گڑی ہوئی تھی اور سب کا ذمہ دار صرف ایک ہی فرد تھا اور وہ تھا فرہاد۔ زینب نے ایک نفرت بھری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"مسز زینب فرہاد۔" وکیل نے اسے اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے پکارا۔

"میری عدالت سے درخواست ہے مجھے صرف ام مریم کے نام سے ہی پکارا جائے اس کے علاوہ میری کوئی اور پہچان نہیں کچھ بھی پوچھے بغیر میں یہ واضح کر دوں کہ مجھے کسی نے اغوا نہیں کیا تھا میں اپنی مرضی سے بقائمی ہوش و حواس وجاہت کے ساتھ گئی تھی۔ جس پر مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔"

"اس کے باوجود کہ آپ کسی شخص کے نکاح میں تھیں۔"

"یہ صرف نام کا نکاح تھا اس کے علاوہ میرا' سامنے بیٹھے اس شخص سے کوئی تعلق نہیں جس کا گواہ یہ خود ہے۔" چہرے کے ساتھ ساتھ اس کا لہجہ بھی سخت تھا۔

"ویسے بھی وجاہت نے مجھے اکیلی جان کر صرف اپنے گھر میں پناہ دی تھی جس میں اس کا کوئی قصور نہیں محترم جج صاحب مجھے طلاق چاہیے کیوں کہ میں اپنی زندگی خود جینا چاہتی ہوں۔ سمجھوتے والی زندگی نے اب مجھے تھکا

دیا ہے۔"

زینب نے خلع کا کیس عدالت میں دائر کردیا۔ وہ کسی کی کوئی بات سننے اور ماننے کو بالکل تیار نہیں تھی اس کے بیان کے بعد دوسری پیشی میں ہی عدالت نے وجاہت کو بری کردیا۔

"جب تک آپ کے مقدمہ کا فیصلہ نہ ہو آپ اپنی والدہ کے ساتھ جاسکتی ہیں۔"

اسے رہائی کے بعد جیل چھوڑنا تھی جس کے لیے عدالت نے اس کی ماں کا گھر منتخب کیا۔

"لیکن مجھے ان کے ساتھ نہیں جانا۔" اس نے نہایت اطمینان سے انکار کردیا۔

"کیوں۔۔۔"

جج نے حیرت سے زینب کی جانب دیکھا۔

"میں اپنا فیصلہ کسی بھی دباؤ کے بغیر چاہتی ہوں۔" اور جج اس کی بات فوراً" ہی سمجھ گیا۔

"ٹھیک ہے آپ کو اختیار ہے آپ جہاں چاہے رہ سکتی ہیں۔"

"میری عدالت سے درخواست ہے کہ مجھے دارالامان بھیج دیا جائے کیوں کہ میرا اس دنیا میں کوئی ایسا سہارا نہیں جہاں جاکر میں رہ سکوں مزید یہ کہ جب تک میں وہاں رہوں کسی کو بھی مجھ سے ملاقات نہ کرنے دی جائے کیوں کہ میں کسی سے نہیں ملنا چاہتی۔"

زینب کی درخواست قبول کرلی گئی اور اسے فوراً" ہی دارالامان بھیج دیا گیا ابھی وہ کمرہ عدالت سے باہر نہ نکلی تھی کہ اس کے راستے میں فرہاد آن کھڑا ہوا ایک عجیب بے بسی اس کے چہرے پر درج تھی۔

"میرے ساتھ چلو زینب تم جو کہو گی وہ ہی ہوگا مگر خدا کے لیے دارالامان مت جاؤ کیوں کہ تم نہیں جانتی وہ کیسی جگہ ہے۔"

دارالامان سے منسوب کہانیوں نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔

"وہاں میرے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں رہتی ہیں جو کسی کی بہن اور بیٹیاں ہیں۔" فرہاد کو جواب دے کر وہ آگے بڑھ گئی۔

اور پھر ایک دن دارالامان میں اس سے ملنے سالار آیا جس کے چہرے پر زینب کے لیے دکھ آج بھی موجود تھا۔

"یہ میرا فون نمبر ہے زینب تمہیں جب بھی میری ضرورت ہو پکار لینا میں ہمیشہ تمہیں اپنے ساتھ کھڑا ملوں گا۔" جاتے جاتے وہ اسے اپنا کارڈ دے گیا۔

ایک دن اماں بھی آئیں جو اس کے لیے بے حد پریشان تھیں۔

"نہ اتنی ضد کر زینب مان جا ابھی بھی وقت ہے فرہاد بہت شرمندہ ہے۔ وہ اپنی ہر غلطی کا ازالہ کرنے کو تیار ہے اسے معاف کردے۔ وہ تو سب جاننے کے باوجود حبیبہ کو بھی اپنانے کو تیار ہے۔" اماں کی بات سنتے ہی وہ چونکی۔

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں اماں کھل کر کہیں۔"

"دیکھ پتر اب تو سب کو پتا لگ گیا ہے کہ حبیبہ وجاہت کی بیٹی ہے تو جانے کب سے فائزہ کے گھر اس سے چھپ کر ملتی تھی۔"

اس کی ماں کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ زینب بالکل خاموش ہوگئی کیوں کہ وہ ایک جھوٹی بات کی وضاحت دے کر اسے سچا کرنے کے حق میں نہ تھی۔ اسے افسوس ہوا لوگوں نے بنا سوچے سمجھے کتنی من گھڑت باتیں یہاں وہاں پھیلادی تھیں۔

"جب تک خلع کا فیصلہ ہونے کے بعد میں عدت پوری نہ کرلوں تم مجھ سے ملنے یہاں مت آنا۔"

ماں کے جاتے ہی اس نے وجاہت کو فون کرکے دارالامان آنے سے منع کردیا۔

☆ ☆ ☆

وہ گھر آیا تو دروازے کے باہر کھڑی کالی گاڑی دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"کرم دین کون آیا ہے؟"

اندر داخل ہوتے ہی اس نے گیٹ پر کھڑے چوکیدار سے سوال کیا۔

"حبیبہ بی بی کے کوئی رشتہ دار ہیں جی ان سے ملنے آئے ہیں۔"

"حبیبہ کے رشتہ دار۔۔۔!"

کرم دین کے جواب نے اسے حیران کردیا۔ وہ ڈرائنگ روم کا پردہ ہٹا کر جیسے ہی اندر داخل ہوا سامنے صوفہ پر موجود عمیر لغاری کو دیکھتے ہی ناگواری کی ایک لہر سی اس کے چہرے پر ابھر آئی جبکہ اس کے ساتھ موجود سادہ سی خاتون اسے پہلے بھی کہیں دیکھی ہوئی لگیں۔

"السلام علیکم!" نہ چاہتے ہوئے بھی اسے سلام کرنا پڑا۔ اس نے دیکھا حبیبہ کے علاوہ کمرے میں موجود دیگر افراد کچھ پریشان سے تھے۔

"وعلیکم السلام!" اس خاتون کا انداز خاصا مشفقانہ تھا۔

"تمہیں شاید یاد نہیں شاہ زین یہ میری آنٹی فائزہ ہیں جن سے تم پہلے بھی ایک بار مل چکے ہو۔"

"اوہ۔" حبیبہ کے یاد کراتے ہی وہ انہیں فوراً" پہچان گیا۔

"عمیر لغاری ان ہی کا بیٹا ہے۔"

یہ انکشاف اس لیے خاصا حیران کن تھا کیوں کہ حبیبہ نے ایسا ذکر اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ شاہ زین۔"

سالار نے اسے کھڑے دیکھ کر اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ کچھ بے چین سا تھا' وجہ شاید یہ تھی کہ اسے عمیر لغاری کا اس طرح اپنے گھر آنا ذرا اچھا نہیں لگا تھا۔

"یہ لوگ حبیبہ کے رشتہ کے لیے آئے ہیں۔"

"واٹ۔۔۔"

اپنے پاپا کی فراہم کردہ اطلاع سن کر اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ ویسے تو حبیبہ جب سے اس کی زندگی میں آئی تھی اس کا ہر دن ایک نئے انکشاف کا دن ہوتا مگر ان میں یہ انکشاف بالکل ناقابل یقین تھا۔

"ہاں۔۔۔"

پاپا نے آہستہ سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"اور ان کی یہاں آمد حبیبہ کی منشا کے عین مطابق ہے کیوں کہ وہ خود بھی یہ ہی چاہتی ہے۔"

سالار نے اپنے بیٹے سے نگاہیں چراتے ہوئے مکمل وضاحت دی۔

"پھر میں آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی۔"

وہ لوگ غالباً" کافی دیر سے آئے ہوئے تھے اسی لیے شاہ زین کے آتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ حبیبہ' پاپا اور ماما جب انہیں باہر گیٹ تک چھوڑ کر واپس آئے تو شاہ زین ابھی تک اسی حال میں اپنی جگہ کھڑا تھا۔

"یہ کیا مذاق ہے حبیبہ۔۔۔"

حبیبہ کے اندر داخل ہوتے ہی وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اس دن سے کر رہا ہوں جب میں نے پہلی بار تمہیں

دیکھا تھا پھر یہ لوگ درمیان میں کہاں سے آگئے۔"
اپنے مما پاپا کی وہاں موجودگی وہ قطعی نظرانداز کر بیٹھا۔
"ریلیکس شاہ زین میں تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں۔"
اپنے بالوں کو جھٹکا دیتے ہوئے وہ اسے پرانی والی حبیبہ نظر آئی جو اس کے ساتھ لاہور گئی تھی بالکل اجنبی پر غرور اور اپنے خول میں بند حبیبہ۔
"میں جانتی ہوں تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔"
دھیمے دھیمے بات کرتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی۔
"اور یہ بات میں اس دن سے جانتی ہوں جس دن میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تھا۔ اور آج بھی مجھے تمہاری محبت سے کوئی انکار نہیں' لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ تم سالار انکل کے بیٹے نہیں ورنہ یقین جانو تمہاری محبت میری خوش قسمتی ہوتی۔ دکھ تو صرف یہ ہے کہ تمہارا تعلق اس خاندان سے ہے جو میری ماں کی بربادی کا ذمہ دار تھا۔ تم میرے سگے چچا کے بیٹے ہو' تم ایشال کے سگے بھائی ہو اور میں کسی بھی صورت اس خاندان سے اپنا کوئی رشتہ باقی رکھنا نہیں چاہتی۔"
"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے حبیبہ جو بلاوجہ دوسروں کے پیچھے اپنی زندگی برباد کررہی ہو۔ بھول جاؤ کہ ایشال اور اس کے خاندان سے میرا کوئی تعلق ہے۔ صرف یہ یاد رکھو کہ میں شاہ زین سالار ہوں جو تم سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے۔ نہ کرو حبیبہ میرے ساتھ ایسا' شاید تمہارے بغیر میں مرجاؤں گا۔"
حبیبہ کے چہرے پر نظر آنے والی ضد نے اسے گڑگڑانے پر مجبور کردیا اس سے سالار کو ایسا لگا جیسے اس کے سامنے زینب کھڑی ہو بالکل ایسی ہی ضدی اور خودسر۔ وہ جان چکا تھا کہ اب حبیبہ نے شاہ زین کی کوئی بات نہیں ماننی اپنے بیٹے کی سامنے نظر آنے والی شکست اس سے دیکھی نہ گئی اور وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

اس کا مقدمہ عدالت میں چل رہا تھا جب اسے ایک لرزہ خیز خبر نے ہلا دیا۔
فرہاد کو نیند کی حالت میں آنے والا ہارٹ اٹیک جان لیوا ثابت ہوا۔ فرہاد مرگیا۔ اس کی موت کی خبر نے زینب کو لرزا دیا وہ دارالامان کے کمرے میں تنہا پھوٹ پھوٹ کر رو دی جب اس سے ملنے اماں جی آگئیں۔ فرہاد کی بے وقت موت نے انہیں بھی دکھی کردیا تھا۔
"میں کہتی تھی نا زینب وہ تجھ سے بہت محبت کرتا ہے' مگر کچھ مرد شاید اپنی محبت اپنے اندر چھپا کر رکھنا مردانگی سمجھتے ہیں۔ وہ بھی ان ہی مردوں میں سے تھا اسی لیے تیرے طلاق کے مطالبے نے اسے مار دیا۔"
"پتا نہیں اماں میرے مطالبے نے اسے مارا یا دنیا کی بے عزتی کے خوف نے اس کی جان لی۔" وہ ابھی بھی بے اعتبار تھی۔
"نہیں زینب میرا بھائی تم سے بہت محبت کرتا تھا۔"
اماں کے پیچھے روتی ہوئی یاسمین آپا بھی اندر آگئیں۔
"اپنے شوہر کی بے اعتنائی کا بدلہ میں نے ہمیشہ اسے تم سے متنفر کرکے لیا کیوں کہ وہ میری بات پر آنکھیں بند کرکے یقین کرلیتا تھا۔
مگر میں نہ جانتی تھی کہ یہ سب کچھ ہوجائے گا میری چھوٹی چھوٹی غلطیوں نے تم دونوں کو برباد کردیا خدا مجھے معاف کرے۔"

وہ اس وقت رو رہی تھیں جب ان کے رونے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔
طلاق یافتہ نہ سہی وہ بیوہ تو ہوئی تھی نا' اس حوالے سے عدت اس کا حق تھہری اپنی عدت کی مدت اس نے دارالامان میں ہی رہ کر پوری کرنے کا فیصلہ کیا وہیں اسے پتا چلا کہ اسفند بھائی ساری جائیداد بیچ کر کراچی چلے گئے۔ جاتے ہوئے فضہ بھابھی مریم کو بھی اپنے ساتھ لے گئیں جبکہ جاذبہ کو صباحت دبئی لے گئی۔ اس طرح اس کا آشیانہ تنکوں کی طرح بکھر گیا۔ عدت ختم ہوتے ہی اس سے اماں ملنے آئیں تو بے حد کمزور اور بیمار سی لگیں۔
"احسان اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سعودیہ جارہا ہے میں بھی اس کے ساتھ جارہی ہوں۔"
آتے ہی اماں نے زینب کو اطلاع دی وہ خاموشی سے اپنا سر گھٹنوں پر دھرے بیٹھی تھی۔
"یہ میرے گھر کی چابیاں ہیں زینب ہم شاید اسی ہفتہ چلے جائیں تو جب چاہے یہاں سے اپنے گھر جاسکتی ہے۔"
چابیوں کا گچھا اس کے سامنے رکھ کر اماں واپس چلی گئیں۔ زینب نے گھٹنوں پر رکھا اپنا سر اٹھایا اسے ایک مدت چاہیے تھی یہ فیصلہ کرنے میں کہ اس سود و زیاں کے سفر میں اس نے کیا کھویا اور کیا پایا' شاید کچھ حاصل کیے بنا ہی اس نے سب کچھ کھو دیا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے معاف کرنا وجاہت میں تم سے شادی نہیں کرسکتی۔"
وجاہت کو سفید دوپٹے میں ملبوس وہ عورت زینب نہ لگی۔ یہ تو کوئی اور ہی عورت تھی جس کی صرف شکل زینب سے ملتی تھی۔
"میں جو ساری زندگی فرہاد کی محبت کے لیے ترستی رہی مرتے مرتے وہ مجھے اپنی محبت کا ایسا احساس دے گیا کہ شاید اب زندگی بھر کوئی محبت اس کی بخشی ہوئی محبت پر حاوی نہیں ہوسکتی۔ جانتے ہو... جس رات وہ اس دنیا سے گیا اس صبح وہ مجھ سے ملنے آیا تھا اس دن پہلی بار اس نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور یہ کہ میرے بنا وہ مر جائے گا' مگر میں نے اس کی کسی بات پر یقین نہ کیا۔ اس کی کہی ہوئی ہر بات کو جھٹلا دیا اس دن وہ میرے سامنے جھک گیا تھا' وہ رو رہا تھا وجاہت۔" زینب کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔
"ماں نے صحیح کہا تھا جھکنے والا درخت ٹوٹ جاتا ہے۔"
وجاہت کو لگا ابھی وہ صدمہ کے زیر اثر ہے کچھ دنوں میں خود ہی ٹھیک ہوجائے گی' مگر ایسا نہ ہوا۔
"اگر ہوسکے تو مجھے اور حبیبہ کو اماں کے گھر چھوڑ دو اس کی چابیاں میرے پاس ہیں اب ساری زندگی ہم دونوں ماں بیٹیوں نے وہاں ہی گزارنی ہے۔"
وجاہت نے اسے اس کی خواہش کے مطابق وہاں پہنچا دیا جہاں سے نکلی زینب کو دیکھتے ہی وجاہت کسی زمانے میں اس کے عشق میں گرفتار ہوا تھا پھر جب تک وہ زندہ رہا اس نے اپنا فرض سمجھ کر زینب اور حبیبہ کا خیال رکھا۔ حبیبہ چھ سال کی تھی جب ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ہونے والی وجاہت کی موت نے زینب کی زندگی کا یہ باب بھی ختم کردیا۔ صرف ایک فائزہ تھی جس نے اپنے بھائی کی موت کے بعد بھی زینب سے کوئی تعلق نہ توڑا' زمانے کی مصروفیات نے اسے زینب سے دور ضرور کیا مگر وہ اسے کبھی بھولی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

عمیر کے پہلو میں بیٹھی حبیبہ نظر لگ جانے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی۔
"اللہ اسے ہمیشہ خوش رکھے۔"

اس کے اس فیصلے سے ناخوش مریم نے دل کی گہرائیوں سے. بہن کے لیے دعا کی' حالانکہ ان سب کی خواہش تھی کہ جیبہ عمیر کو ٹھکرا کر شاہ زین سے شادی کرے' مگر اس نے کسی کی بات نہ مانی اور سب کو اس کی ضد کے آگے ہار ماننی پڑی۔

ابھی بھی مریم کو سامنے دیکھتے ہی اس نے اشارے سے اپنے قریب بلایا مریم اسٹیج پر اس کے پاس جا کھڑی ہوئی جب جیبہ نے اپنے پاس رکھا چھوٹا سا شاپر اٹھا کر اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟"

مریم نے حیرت سے دریافت کیا اور جیبہ کے جواب دینے سے قبل ہی شاپر کھول کر اندر جھانکا جہاں ایک چھوٹی سی کتاب رکھی تھی۔ مریم نے اسے باہر نکال لیا کتاب کو پلٹ کر اس کے ٹائٹل پر نظر ڈالی۔

"اک ساگر ہے زندگی" "مصنفہ جیبہ شاہ" وہ اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ وجاہت کی نسبت استعمال کرتی۔

"تم لکھتی بھی ہو۔" مریم کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

"نہیں۔"

اس نے اطمینان سے اپنی گردن نفی کے انداز میں ہلائی اور کتاب کا پہلا صفحہ پلٹا۔ "ایک سچی کہانی جس کا مرکزی کردار کوئی اور نہیں بلکہ میری ماں ہے اور اس میں لکھا ہر لفظ ان کا اپنا لفظ ہے جو ان کے ہر دکھ کی عکاسی کر رہا ہے۔" مریم اتنا پڑھتے ہی ہر بات سمجھ گئی۔

"اماں کے باکس میں ان کی فوٹو اسٹیٹ حالت میں ایک کہانی موجود تھی اور مجھ سے انہوں نے التماس کی تھی کہ میں یہ سب کچھ چھپوا دوں تاکہ دنیا کو حقیقت کا علم ہو سکے۔"

جیبہ نے بھیگی آنکھوں سے مریم پر ہر بات واضح کی۔

اور پھر عمیر کی کوششوں سے ہم اسے کتابی شکل دینے میں کامیاب ہو گئے۔ اب یہ کتاب آپ کے اور جاذبیہ باجی کے لیے ہے ٹائم نکال کر اسے پوری پڑھیے گا' پھر آپ کو علم ہو گا میں نے شاہ زین کو کیوں ٹھکرایا۔" مریم نے دیکھا ماں کی محبت کا نور جیبہ کے چہرے پر بکھرا ہوا ہے وہ شرمندہ ہو گئی۔

جانے اس کہانی میں کس کا قصور تھا تیرا یا میرا
سارا رونا صرف انا کا تھا
تو بھی انا پرست تھا
میں بھی انا کی ماری تھی
اور اس انا کے کھیل میں، ہم دونوں نے بازی ہاری تھی

کتاب کے دوسرے صفحہ پر موجود ان الفاظ کو پڑھتے ہی مریم کی آنکھیں بھی پانی سے بھر گئیں اس نے کتاب بند کر کے واپس رکھ دی اسے پڑھے بنا بھی وہ جان سکتی تھی کہ اس کی ماں کی زندگی کیسی تھی۔

☆ ☆